عقیدہ و منہج اور جدید معاشرتی مسائل پر اکابر علمائے اہل حدیث پاکستان کا پہلا مشترکہ فتاویٰ

فتاویٰ لجنۃ العلماء

www.KitaboSunnat.com

فضیلۃ الشیخ مفتی عبدالستار حماد حفظہ اللہ

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبدالحلیم بلال حفظہ اللہ

فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالرؤف سندھو حفظہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن یوسف مدنی حفظہ اللہ

فضیلۃ الشیخ جاوید اقبال سیالکوٹی حفظہ اللہ

فضیلۃ الشیخ سعید مجتبیٰ سعیدی حفظہ اللہ

فضیلۃ الشیخ محمد ادریس اثری حفظہ اللہ

ورثۃ الانبیاء
العلماء
AL-ULAMA

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

عقیدہ و منہج اور جدید معاشرتی مسائل پر اکابر علمائے اہل حدیث پاکستان کا پہلا مشترکہ فتاویٰ

فتاویٰ لجنۃ العلماء

فضیلۃ الشیخ مفتی عبدالستار حماد ﷾

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر ﷾

فضیلۃ الشیخ عبدالحلیم بلال ﷾

فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالرؤف سندھو ﷾

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن یوسف مدنی ﷾

فضیلۃ الشیخ جاوید اقبال سیالکوٹی ﷾

فضیلۃ الشیخ سعید مجتبیٰ سعیدی ﷾

فضیلۃ الشیخ محمد ادریس اثری ﷾

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

257،15
ل ج ن ف

کتاب

فتاویٰ لجنۃ العلماء

فضیلۃ الشیخ مفتی عبدالستار حماد حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ عبدالحلیم بلال حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالرؤف سندھو حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن یوسف مدنی حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ جاوید اقبال سیالکوٹی حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ سعید مجتبیٰ سعیدی حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ محمد ادریس اثری حفظہ اللہ

اشاعت ________ 2022ء

بیت السلام پرنٹنگ پریس
042-37141518, 0321-7351350

المکتبۃ الراشد
لجنۃ العلماء
99—..—ماڈل ٹاؤن
35083
نمبر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ

کے نام سے شروع کرتا ہوں
جو بڑا ہی مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

- ابتدائیہ.... حافظ ہشام الٰہی ظہیر حفظہ اللہ ---------- 13
- مقدمہ.... فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالستار حماد حفظہ اللہ ---------- 15
- "لجنة العلماء للإفتاء" کا تعارف، اہداف اور سرگرمیاں ---------- 39

عقیدہ و منہج

- اسلامی حکومت غیر مسلموں کے عبادت خانے تعمیر نہیں کر سکتی: ---------- 45
- قادیانی لٹریچر پھیلانے کا حکم: ---------- 66
- روافض کے بارے میں ہمارا عقیدہ: ---------- 73
- انجینئر مرزا محمد علی جہلمی کے عقائد و افکار: ---------- 77
- حسینی اور یزیدی تقسیم کا حکم: ---------- 88
- عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف زندہ اٹھائے گئے ہیں: ---------- 89
- کسی بزرگ کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" لکھنا درست ہے؟ ---------- 91
- سلیمان علیہ السلام کا ہدہد کو سخت سزا دینے کا سبب: ---------- 92

طہارت

- طہارت میں ناخنوں پر نیل پالش یا تہہ والی شے کا حکم: ---------- 94

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ زخمی آدمی کے غسل اور وضو کا حکم: ---------- 95

❁ مسح کی مدت ختم ہونے کے بعد مسح کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے: --- 97

❁ اعصابی دباؤ سے مادہ منویہ کے خارج ہونے کا حکم: ---------- 98

مساجد

❁ عورت کا دورانِ عدت نمازِ عید کے لیے مسجد جانا: ---------- 99

❁ بینک میں گروی شدہ زمین مسجد کو دینا: ---------- 100

❁ مجبوری میں مسجد کا کنارہ ختم کرنے کا حکم: ---------- 101

نماز

❁ غیر اہلِ حدیث کی امامت میں نماز ادا کرنے کا حکم: ---------- 102

❁ نماز میں پاؤں سے پاؤں اور کندھے سے کندھا ملانا: ---------- 104

❁ نماز میں پگڑی پر سجدہ کرنے کا حکم: ---------- 112

❁ مرد کا گھر میں نماز ادا کرنا: ---------- 114

جنازہ

❁ شوہر کا اپنی بیوی کو غسل دینا درست ہے؟ ---------- 117

❁ نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لیے اجتماعی دعا کرنے کا حکم: ---------- 118

❁ تعزیت کے لیے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنے کا حکم: ---------- 119

❁ قبر کی مرمت کے لیے میت کو قبر سے نکالنا: ---------- 125

عیدین

❁ چھت والی عمارت میں نمازِ عید پڑھنے کا حکم: ---------- 127

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قربانی

قربانی کی شرعی حیثیت:-- 129

قربانی کی جگہ اس کی قیمت صدقہ کر دینا:------------------------ 132

قربانی کرنے کے بعد حجامت بنوانے کا حکم: ---------------------- 136

حرام کمائی والے کی قربانی کا گوشت کھانے کا حکم: ------------------ 136

وکالتاً قربانی کرنے والے کی نمازِ عید اور قربانی کا وقت: -------------- 137

کئی افراد کا پیسے جمع کر کے ایک قربانی کرنا: ---------------------- 137

زکاۃ

مالِ تجارت کی زکات کیسے ادا کی جائے؟------------------------ 139

زکاۃ کی رقم سے مسجد میں امام یا خادم کی رہائش تعمیر کرنا:------------ 140

زکات کی رقم سے قبرستان کے لیے جگہ خریدنا: -------------------- 141

نکاح

نکاح کی شرعی حیثیت:--- 142

ولی کی موجودگی میں بغیر اجازت نکاح کرنے کا حکم: ------------------ 147

عدت مکمل کیے بغیر نکاح کی شرعی حیثیت: ------------------------ 148

مطلقہ بائنہ کا پہلے خاوند سے نکاح کرنا کب جائز ہوتا ہے؟------------ 150

سسر کے بھائی سے نکاح درست ہے:------------------------------ 151

زانیہ عورت سے نکاح اور طلاق کا حکم:------------------------------ 151

مسلمان ہونے سے عیسائی بیوی سے نکاح ختم ہو جاتا ہے؟----------- 154

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

❁ رضاعت کیسے ثابت ہوتی ہے؟ ---------------------------- 156

❁ رضاعت سے نکاح کی حرمت: ---------------------------- 157

طلاق

❁ ایک ہی مجلس میں تین طلاقوں کی شرعی حیثیت: -------------------- 162

❁ تین طلاقوں کے بعد میاں بیوی میں رجوع کی گنجایش نہیں ہے: ------- 173

❁ طلاق کے بعد رجوع کا طریقۂ کار: ---------------------------- 175

❁ دو طلاقوں کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے: -------------------- 177

❁ وقفے سے دو طلاقیں دینے کے بعد رجوع کا طریقۂ کار: ------------ 179

❁ عدت ختم ہونے کے بعد رجوع کے لیے نیا نکاح ہوگا: ------------- 184

❁ حاملہ بیوی کو طلاق دینا: -- 185

❁ بدچلن بیوی کو طلاق دینا اور رجوع کرنا: ---------------------------- 187

❁ مجنون عورت کو طلاق دینے کا حکم: ------------------------------ 190

❁ دباؤ میں آ کر طلاق دینے کا حکم: ------------------------------ 193

❁ عورت کا بدچلن خاوند سے طلاق لینے کا حکم: -------------------- 195

❁ چار شادیوں والے شخص کا مزید شادی کے لیے ایک بیوی کو طلاق دینا: ----- 198

❁ میاں بیوی کے درمیان شرائطِ صلح کی پابندی کرنا ضروری ہے: -------- 198

❁ میاں بیوی کے درمیان صلح میں ولی کا رکاوٹ بننا جائز نہیں ہے: ------- 202

❁ نیت کے بغیر لفظ طلاق بولنے سے بھی طلاق ہو جاتی ہے: ------------ 204

❁ کیا خاوند کا بیوی کو یہ کہنا کہ ''تم آزاد ہو'' طلاق ہے؟ --------------- 209

❁ خاوند کی وفات کے بعد بچوں کی پرورش کون کرے گا؟ -------------- 210

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ عورت عدالتی کارروائی کے ذریعے خلع لے سکتی ہے: ---------------- 212
❁ خاوند کے علم کے بغیر عدالت کا بیوی کو خلع کی ڈگری دے دینا: -------- 213
❁ حالتِ حمل میں خلع لینے کا حکم: -------------------------------- 216
❁ خلع کے بعد رجوع کا حکم: -------------------------------------- 217
❁ خلع لینے کے بعد عورت کی عدت کا حکم: --------------------------- 218

تجارت

❁ سٹاک ایکسچینج کے کاروبار کی شرعی حیثیت: ------------------------- 220
❁ میزان بینک کی شرعی حیثیت: ------------------------------------ 228
❁ اسٹیٹ لائف کمپنی میں انشورنس کروانے کا حکم: ------------------- 228
❁ ہاؤسنگ سوسائٹیوں میں فائلیں خریدنے کا حکم: -------------------- 234
❁ کیا وکالت کی کمائی حلال ہے؟ ---------------------------------- 238
❁ یوٹیوب پر پیسے دے کر ویوز بڑھانا: ----------------------------- 239
❁ ایک کارڈ کی خریداری پر مختلف اشیاء میں 25 فیصد رعایت لینے کا حکم: --- 240
❁ احساس پروگرام کے تحت راشن خریداری پر ڈسکاؤنٹ لینے کا حکم: ------ 241
❁ تاوان میں سودی جرمانہ لینا: ------------------------------------ 241
❁ دھوکے سے قرض معاف کروا لینا: --------------------------------- 242
❁ کاروبار میں شراکت: --- 246
❁ کسی کا پلاٹ زائد قیمت پر بیچنا اور اضافی رقم خود رکھ لینا: ------------ 248
❁ بیعانہ دے کر قبضے کے بغیر زمین آگے بیچنا: ------------------------ 252
❁ قرض پر معین نفع لینے کا حکم: ----------------------------------- 254

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ کسی شے کو ملکیت میں لائے بغیر فروخت کرنے کا حکم: ---------------- 256

❁ مالک کا زمین فروخت کرنے کے بعد سودا منسوخ کرنے کا حکم: -------- 257

❁ اپنی جگہ سودی کاروبار کے لیے کرائے پر دینے کا حکم: ---------------- 258

❁ بنانس کمپنی میں کام کرنے کا حکم: ---------------------------- 260

❁ امازون کمپنی کے ساتھ کام کرنے کا حکم: ---------------------------- 262

❁ ویدک ایور کیور (ای سٹور انڈیا) کے ساتھ کاروبار کرنے کا حکم: -------- 263

حلال وحرام

❁ جی پی فنڈ کی شرعی حیثیت: ---------------------------- 265

❁ تقریر کے پیسے لینے اور جگت باز مقرروں کو بلانے کا حکم: ------------ 278

❁ بغیر اجازت کتاب کی فوٹو چھاپنے کا حکم: ---------------------------- 284

❁ استعمال شدہ پانی کو ری سائیکل کر کے استعمال کرنے کا حکم: ---------- 288

❁ عورت کے لیے منعِ ولادت کے آپریشن کا حکم: ---------------------- 289

❁ گنجا پن ختم کرنے کے لیے نئے بال لگوانے کا حکم: ------------------ 294

❁ بے پردہ خواتین کو میک اپ کا سامان بیچنے کا حکم: ------------------ 295

❁ نسب تبدیل کرنے کے لیے جھوٹی گواہی دینا: ---------------------- 297

❁ گرے ہوئے پیسے اٹھانے کا حکم: ---------------------------- 301

❁ مدارس میں طلبہ کو مالی جرمانہ کرنے کی شرعی حیثیت: ---------------- 302

❁ کیا سودی رقم کسی استعمال میں لائی جا سکتی ہے؟ ------------------ 305

❁ اسکول کے اسٹاف سے مشروط معاہدہ کرنا: ---------------------------- 307

❁ سیاہ لباس پہننے کا حکم: ---------------------------- 309

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- طوطا کھانا حلال ہے یا نہیں؟ ---------- 311
- اجتماعی طور پر برکت کے لیے قرآن خوانی جائز ہے؟ ---------- 312
- کرونا پھیلنے کی وجہ سے علاقہ بدلنے کا حکم: ---------- 312
- وباء کے وقت اجتماعی توبہ اور دعا کی شرعی حیثیت: ---------- 317

وراثت

- زندگی میں باپ کا وراثت تقسیم کرنا: ---------- 320
- تقسیمِ وراثت میں تمام ورثاء کی رضا مندی ضروری ہے: ---------- 322
- والد اور والدہ کی وراثت میں تمام اولاد حق دار ہے: ---------- 326
- ہبہ میں اولاد کے درمیان برابری ضروری ہے: ---------- 327
- ہبہ میں برابری اور زندگی میں وراثت تقسیم کرنے کا حکم: ---------- 329
- باپ اپنی اولاد کے درمیان حسبِ ضرورت پیسہ خرچ کر سکتا ہے: ---------- 332
- ایک تہائی سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں ہے: ---------- 334
- وصیت میں دو شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے: ---------- 336
- تقسیمِ وراثت میں بیٹیوں کا حق مارنا کبیرہ گناہ ہے: ---------- 338
- کیا بہنیں اپنا حصہ بھائیوں کو دے سکتی ہیں؟ ---------- 341
- دو بیٹوں اور ایک بیٹی کا حقِ وراثت اور بیٹے کی کمائی کا حکم: ---------- 343
- والد کی وفات کے بعد بھائی کی کمائی میں بہن بھائیوں کا حصہ: ---------- 350
- میت کے بیمہ کی وراثت کا حکم: ---------- 357
- برائے نام رجسٹری کروانے سے ملکیت منقطع نہیں ہوتی: ---------- 359
- میت کی اولاد ہو تو اس کی بہن حصے دار نہیں ہوتی: ---------- 360

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۞ مفلوج بیٹے کا باپ کی وراثت میں حصہ: ---------------------- 361

۞ ایک بیوی، ربیبہ، منہ بولی بیٹی اور بھتیجے کی وراثت: ---------------- 362

۞ چھے بھائی اور دو بہنوں کی وراثت: ------------------------ 364

۞ والدین، ایک حقیقی بھائی اور سوتیلے بہن بھائیوں کی وراثت: --------- 365

۞ چار بھائیوں اور ایک بہن کی وراثت: ---------------------- 366

۞ شوہر، ایک بیٹی، دو بیٹوں اور والدین کی وراثت: ---------------- 367

آداب

۞ کیا ''ڈاڑھی کٹوا دو، یا فرنچ کٹ بنوا لو'' کہنا توہین ہے؟ ----------- 368

۞ مرد کا بالوں کو پونی ڈالنا: ------------------------------ 370

۞ بچیوں کا مردوں سے پیار لینا: -------------------------- 373

۞ سوتیلی بیٹی کے شوہر سے پردہ کرنا: ------------------------ 378

۞ ٹوپی کی جگہ کیپ پہننا جائز ہے؟ ------------------------ 378

۞ کیا عورت پر ساس کی خدمت کرنا فرض ہے؟ ------------------ 378

۞ افنان نام رکھنا درست ہے؟ ---------------------------- 379

۞ ''اَلْمُعِزُّ'' یا ''مُعِزُّ'' نام رکھنا: ---------------------------- 381

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ابتدائیہ

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس میں بنی نوعِ انسان کے لیے دنیوی واخروی فوز وفلاح کی کامل ہدایات موجود ہیں جو ہر خطۂ ارضی اور زندگی کے ہر موڑ پر ہمیشہ راہنمائی کا کام دیتی ہیں۔ اس لیے جیسے سابقہ ادوار میں دین پر عمل واستقامت مسلمانوں کی رفعتوں کا ضامن تھا، آج بھی ہم اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ اسی لگن اور اخلاص کے ساتھ شریعتِ اسلامیہ کو پوری زندگی میں راہنما مان کر استقامت کا مظاہرہ کریں۔

بحمد اللہ تعالیٰ آج دورِ حاضر میں مسلم معاشرے کو جن نت نئے چیلنجز اور افکار وحوادث کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، نصوصِ شریعت کی روشنی میں علمائے راسخین امت کی راہنمائی کے لیے موجود ہیں جو ہر مرحلے پر دینِ اسلام کی اشاعت و ابلاغ میں مصروف کار ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نام نہاد مفکرین کے بجائے ہمیشہ دینی راہنمائی کے لیے اہلِ علم کی طرف رجوع کریں جو توحید وسنت کی سربلندی کی دعوت دیتے اور تمام مسائل کو کتاب وسنت کی روشنی میں حل کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ فتاویٰ علم و تحقیق کا آئینہ دار اور علمی شاہ کار ہے جو عصرِ حاضر کے اکابر علماء وفقہاء کی اجتماعی تحقیقی کاوش کا مظہر ہے جس میں مختلف موضوعات پر 150 کے قریب فتاویٰ پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان فتاویٰ کی ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ یہ فردِ واحد کے بجائے اکابر علماء کی مشترکہ بحث و تحقیق کا ثمرہ ہے اور دوسری خوبی یہ ہے کہ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں زیادہ تر عصرِ حاضر کے جدید مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے جو آج کے حالات میں ایک بڑی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ ملاحظہ کریں گے کہ اس مجموعے میں عقائد اور عبادات کے ساتھ ساتھ جدید معاشی اور معاشرتی مسائل پر تفصیلاً راہنمائی ملتی ہے۔ اس علمی مجموعہ فتاویٰ میں: اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے عبادت خانے تعمیر کرنے کا حکم، قادیانی لٹریچر پھیلانے کی سزا، انجینئر مرزا محمد علی جہلمی کے عقائد و افکار سمیت عقیدہ و منہج، عبادات و معاملات اور جدید کاروباری اور خرید و فروخت کے اہم مسائل پر مدلل بحث کی گئی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس علمی کاوش میں شریک تمام اصحابِ علم و فضل کو جزائے خیر عطا فرمائے اور انھیں ہمیشہ صحت و عافیت کے ساتھ مزید توفیق سے نوازے۔

یہاں میں اپنے والدِ گرامی حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کا ذکرِ خیر بھی کرنا چاہتا ہوں جن کی بڑی خواہش تھی کہ علمائے حدیث کا ایک اجتماعی فورم ہو جس میں امت کو پیش آمدہ مسائل پر بحث و تحقیق کی جائے اور ہر اہم مسئلے پر راجح موقف بروقت عوام میں پیش کیا جائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ملک بھر کے علماء و فضلاء کو بلا کر مشاورت کی اور اس کے لیے وہ عملی قدم بھی اٹھا رہے تھے کہ ان کا سانحۂ شہادت پیش آ گیا اور ان کی یہ علمی آرزو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکی۔ مگر اب بفضلہ تعالیٰ "لجنۃ العلماء" کی صورت میں ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا ہے اور آج ہم اس سلسلے کا پہلا مجموعہ قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کی علمی و دینی خواہشوں کی تکمیل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

والسلام

حافظ ہشام الٰہی ظہیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

(فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالستار حماد ﷾)

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام علی من لا نبي بعده!

منصبِ افتاء بہت عالی مرتبت اور انتہائی فضیلت کا حامل ہے، کیونکہ مفتی حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کردہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں اور فتویٰ دینے کی ذمہ داری انھیں کی وساطت سے اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مفتی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دستخط کرنے والا ہوتا ہے۔ مفتی اور فتوے کی عظمت وشان کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو مقامات پر فتوے کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ﴾ [النساء: ١٢٧]

”وہ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے! کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے۔“

دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ ﴾ [النساء: ١٧٦]

”وہ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ (خود) تمھیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام، تابعینِ عظام، ائمہ دین اور علمائے کرام نے اس

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ذمہ داری کو بخیر و خوبی نبھایا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے قیامت تک جاری رہے گا۔ چونکہ فتوے کا موضوع اللہ کی طرف سے نازل شدہ احکام بیان کرنا ہے، تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جا سکے، اس لیے مفتی کو اللہ تعالیٰ کا ترجمان قرار دیا جاتا ہے۔ نیز مفتی کسی خاص امام کا نمایندہ نہیں، بلکہ وہ امام الانبیاء رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مفتی، امت میں رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہوتا ہے، کیونکہ علماء حضرات، انبیائے کرام کے وارث ہیں اور انبیائے کرام اپنے ترکہ میں درہم و دینار نہیں، بلکہ علم و حکمت چھوڑ کر جاتے ہیں۔" (الموافقات: 244/4)

حقیقت یہ ہے کہ ہر دور کے مفتی اپنے عہد کے ہادی اور راہنما ہوتے ہیں۔ جو اقتدار کی جنگ میں الجھے بغیر امت کی تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ فتوے کی اہمیت اور مفتی کے مقام و مرتبے کے پیشِ نظر خلافتِ اسلامیہ کے کسی دور میں بھی فتوے کو حقارت کی نظر سے دیکھا گیا اور نہ ہی مفتی کو غیر اہم خیال کیا گیا ہے، حتی کہ اقتدار کے نشے میں مدہوش حکام و امراء نے بھی بزعمِ خویش ناپسندیدہ فتاویٰ کو غیر اہم اور ناقابلِ التفات قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ کئی ایک اہلِ علم اور اربابِ افتاء شروع سے ہی مشقِ ظلم و ستم رہے ہیں، اس سلسلے میں امام مالک، امام احمد بن حنبل اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ جیسے اساطینِ علم کا صبر و ثبات، اہلِ علم کے لیے عزم و استقلال اور استقامت کا روشن باب، اور مدعیانِ علم و جہاد کے لیے قابلِ عمل نمونہ بن کر علَم بردارانِ فقہ و اجتہاد کے لیے بہترین مثال ہے۔

دورِ حاضر میں ہم دنیاوی لحاظ سے ترقی کی منازل طے کر رہے ہیں اور روشن خیالی کے دعوے دار ہیں، لیکن دینی اعتبار سے تنزلی و انحطاط کا شکار ہیں۔ غالباً انہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حالات کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے بطور پیشین گوئی فرمایا تھا:

((يُقْبَضُ العِلْمُ، وَيَظْهَرُ الجَهْلُ)) (صحيح البخاري: 85)

”ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ حقیقی علم قبض کر لیا جائے گا اور جہالت کا ظہور ہو گا۔“

امام بخاری رحمہ اللہ نے حقیقی علم اُٹھ جانے کے متعلق ایک باب بایں الفاظ قائم کیا ہے:

”كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ“ (بخاری، العلم، باب نمبر: 34)

”علم کیسے اٹھایا جائے گا۔“

پھر اس کی وضاحت کے لیے ایک حدیث پیش کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

((إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ العِبَادِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ العِلْمَ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا)) (صحيح البخاري: 100)

”اللہ تعالیٰ دین کے علم کو ایسے نہیں اٹھائے گا کہ بندوں کے سینوں سے نکال لے، بلکہ اہلِ علم کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا۔ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا، تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنا لیں گے۔ ان سے مسائل پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوے دے کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

اگرچہ اللہ تعالیٰ علوم وفنون کو سینوں سے محو کر دینے پر قادر ہے۔ لیکن احادیث کے مطابق وہ ایسا نہیں کرے گا۔ بلکہ قبضِ علم کی یہ صورت ہو گی کہ خود اہلِ علم ختم ہو جائیں گے اور آگے علماء پیدا نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ دورِ حاضر میں علمائے کرام

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اپنے رب کے حضور کثرت سے جا رہے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہلاء ان کی جگہ پر براجمان ہیں اور گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ مختلف ٹی وی چینلز پر فتویٰ آن لائن کے نام سے جو کچھ ہو رہا ہے، وہ مذکورہ بالا احادیث میں بیان کردہ پیشین گوئی کا ہی پیش خیمہ ہے۔ علم کے بغیر فتوی دینا کس قدر سنگین جرم ہے، اس کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہونے والے ایک واقعے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

سیدنا جابر ﷺ بیان کرتے ہیں:

"خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ ثُمَّ احْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ فَقَالَ: هَلْ تَجِدُونَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ، فَقَالُوا: مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ. فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُخْبِرَ بِذَلِكَ فَقَالَ: قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ، أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا، فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ" (أبو داود: 336)

"ہم ایک سفر میں نکلے تو ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا اور اس کے سر میں زخم ہو گیا، پھر اسے احتلام (بھی) ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا میرے لیے کوئی اجازت ہے کہ میں تیمّم کر لوں؟ انھوں نے کہا کہ ہم تمھارے لیے کوئی رخصت نہیں پاتے، جبکہ تمھیں پانی پر قدرت حاصل ہے، چنانچہ اس نے غسل کر لیا اور فوت ہو گیا۔ جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور آپ ﷺ کو اس کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: انھوں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ اللہ انھیں ہلاک کرے۔ انھوں نے پوچھ کیوں نہ لیا جب کہ انھیں علم نہ تھا۔ بے شک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عاجز یعنی جاہل و درماندہ انسان کی شفا سوال کر لینے میں ہے۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ علم کے بغیر فتویٰ دینا بہت بڑی جہالت ہے اور ایسے حالات میں اہلِ علم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ہم بڑے قلق اور افسوس سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ آج دین و شریعت کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے اور اس نام سے نا اہل اور اباحیت پسند مفتیوں کے خانہ ساز فتوؤں کے سہارے حدود اللہ کو پامال کیا جا رہا ہے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہتے ہوئے انھیں ذرہ بھی شرم نہیں آتی۔ حتی کہ اُس بازار کی رونقیں ہی اس قسم کے مکروہ فتاویٰ کی وجہ سے قائم ہیں۔ اس کے علاوہ سودی معیشت کو فروغ دینے کے لیے سرکاری ملاؤں اور علمائے سو کے فتاوی، بینکوں کی تکافلی کمپنیوں اور دیگر سودی اداروں کا رأس المال ہیں۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے لوگوں کو جس قدر ذلیل وخوار کیا ہے وہ اپنی جگہ نشانِ عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴾ [النحل: ١١٦]

’’کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو، سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔‘‘

بہر حال نااہل مفتیوں کے فتاویٰ سے ناقابلِ تلافی علمی، دینی اور معاشرتی نقصان پہنچا ہے۔ ان کے متعلق ایک حدیث پیشِ خدمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ)) (أبو داد: 3657)

’’جسے کسی مفتی نے علم کے بغیر فتویٰ دیا تو عمل کرنے والے کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔‘‘

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دینی اور شرعی مسائل میں غلط فتویٰ دینا یا راجح کی بجائے مرجوح بات بیان کرنا بہت بڑی خیانت ہے، جس کی سنگینی کو رسول اللہ ﷺ نے درج بالا حدیث میں بیان فرمایا ہے۔ قرآن کریم نے امت کو اس بات کی تلقین کی ہے کہ جس بات کا تمھیں علم نہ ہو تو اہلِ علم سے پوچھ لیا کرو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [النحل: ۴۳]

”پس اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے دریافت کر لو۔“

اس قرآنی ہدایت کے بعد اگر صحابہ کرام کو کسی مسئلے میں کوئی مشکل پیش آتی تو وہ سرخیلِ اہلِ ذکر جنابِ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے۔ اس سلسلے میں متعدد مثالیں کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن کریم نے ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ ﴾ کے انداز سے کئی ایک اہم مسائل کی نشاندہی کر دی ہے، جو صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان کے جوابات دیے ہیں۔

بعض اوقات اس اجازت کے پیشِ نظر ایسے سوالات بھی سامنے آئے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مزاج کے خلاف تھے۔ ان میں دنیاوی یا دینی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے محدود پیمانے پر اس سلسلے میں کچھ پابندیاں عائد کر دیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴾

[المائدۃ: ۱۰۱، ۱۰۲]

”اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں ناگوار ہوں۔ اور اگر تم زمانۂ نزول قرآن میں ان باتوں کو پوچھو

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ اب تک کیے جانے والے سوالات اللہ نے معاف کر دیے ہیں، کیونکہ اللہ بڑی مغفرت والا بڑے حلم والا ہے۔ تم سے پہلے کچھ لوگوں نے ایسے سوال کیے تھے، پھر وہ ان باتوں کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے۔''

اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں پر پابندی عائد کر دی گی کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسے سوالات نہ کیے جائیں جن میں دینی یا دنیاوی کوئی فائدہ نہ ہو۔ کیونکہ خواہ مخواہ کے سوالات پوچھنے سے انسان کا نقصان ہی ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ہمیں آئے دن ایسے ہی سوالات سے واسطہ پڑتا ہے جن کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ مثلاً:

- میرے رشتے کی بات چل رہی ہے، آپ بتائیں کہ یہ رشتہ کیسا رہے گا؟
- ہمارا کاروبار کسی نے بند کر دیا ہے۔ آپ کوئی ایسا وظیفہ یا کوئی تعویذ بتائیں جس سے یہ بندش ختم ہو جائے۔
- مرنے کے بعد روح واپس لوٹ آتی ہے۔ اسے ثابت کرنے کے لیے صرف قرآنی آیات سے حوالہ دیں۔
- وہ کون سی چیز ہے جسے عورت زندگی میں ایک مرتبہ اور مرد ہر روز پانچ مرتبہ استعمال کرتا ہے؟
- ایک عورت نبی کی ماں، نبی کی بہن، نبی کی بھتیجی اور نبی کی بیوی ہے۔ اس عورت کا نام بتائیں۔
- ہمارے گھر میں پریشانی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ استخارہ کر کے بتائیں کہ ایسا کیوں ہے؟

اس قسم کے بے فائدہ اور لایعنی سوالات کے جوابات دینے سے ہم قاصر ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے ممنوع سوالات کی چند ایک صورتیں بیان کی ہیں۔ انھیں ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ ہم سوالات کرتے وقت سوچ بچار کرلیا کریں۔ واللہ الموفق

① ایسے سوالات جن میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو۔ ایک دن آپ ﷺ سے بہت سارے ایسے سوالات کیے گئے جو آپ ﷺ کے مزاج کے خلاف تھے، جیسا کہ حدیث میں ذکر ہے:

"سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ أَشْيَاءَ كَرِهَهَا، فَلَمَّا أُكْثِرَ عَلَيْهِ غَضِبَ، ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ: سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ، قَالَ رَجُلٌ: مَنْ أَبِي؟ قَالَ: أَبُوكَ حُذَافَةُ. فَقَامَ آخَرُ فَقَالَ: مَنْ أَبِي يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ" (بخاري: 92)

"نبی ﷺ سے چند ایسی باتیں پوچھی گئیں جو آپ کے مزاج کے خلاف تھی۔ جب اس قسم کے سوالات کی آپ کے سامنے تکرار کی گئی تو آپ ﷺ کو غصہ آ گیا، پھر لوگوں سے فرمایا: اچھا جو چاہو مجھ سے پوچھو۔ اس پر ایک شخص نے عرض کی: میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا باپ حذافہ ہے۔ پھر دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا باپ سالم ہے جو شیبہ کا غلام ہے۔"

② دینی ضرورت پوری ہونے کے بعد بلا وجہ مزید سوالات کا سلسلہ جاری رکھنا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کی فرضیت کو بیان کیا تو ایک آدمی نے سوال کر دیا کہ کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ حالانکہ حج کی فرضیت سے متعلقہ آیتِ کریمہ کے اطلاق سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی میں ایک دفعہ ہی حج کرنا کافی ہے۔ (مسلم: 412)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نیز بنی اسرائیل کا گائے کے متعلق سوالات کرنا بھی اسی قسم سے ہے۔

③ ایسے معاملات کے بارے سوالات کرنا جن کے بارے شریعت کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا بلکہ شارع کا سکوت ہی اس کے جواز کی دلیل ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''جس معاملے کو میں نے چھوڑ دیا ہے تم بھی اسے چھوڑ دو۔ تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہو گئے کہ انھوں نے اپنے انبیاء سے اختلاف کیا اور سوالات کی بھر مار کر دی۔'' (مسلم: 412)

④ مشکل ترین اور حساس معاملات کے متعلق سوالات کرنا تاکہ جواب دینے والا الجھن اور پیچیدگی کا شکار ہو جائے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہیلیوں کی صورت میں سوالات کرنے سے منع کیا ہے:

((إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْغُلُوطَاتِ)) (أبوداود: 3656)

''نبی کریم ﷺ نے مغالطوں سے منع فرمایا ہے۔''

⑤ تعبدی احکام کی غرض و غایت اور ان کی علت کے متعلق سوالات کرنا، جیسا کہ سیدنا معاذہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ ﷺ سے سوال کیا کہ حائضہ عورت روزوں کی قضا تو دیتی ہے۔ لیکن اس کے لیے نماز کی قضا کیوں ضروری نہیں؟ اس سوال پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سوال کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ تو حروریہ (خوارج سے) معلوم ہوتی ہے۔ (مسلم: 69)

⑥ تکلف کرتے ہوئے کسی چیز کی گہرائی اور اس کی حقیقت کے متعلق سوالات کرنا، جیسا کہ صحابی رسول سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک حوض کے متعلق اس کے مالک سے دریافت کیا تھا کہ یہاں درندوں کی آمدورفت تو نہیں ہوتی؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اس سوال کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا: تجھے اس کے متعلق بتانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ (موطأ إمام مالك: 14)

⑦ ایسے سوالات کرنا جن میں عقل و قیاس کے ذریعے کتاب و سنت کی صریح نصوص کا رد مقصود ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک فیصلہ آیا تھا:

"إِنَّ امْرَأَةً قَتَلَتْ ضَرَّتَهَا بِعَمُودِ فُسْطَاطٍ، فَأُتِيَ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَضَى عَلَى عَاقِلَتِهَا بِالدِّيَةِ، وَكَانَتْ حَامِلًا، فَقَضَى فِي الْجَنِينِ بِغُرَّةٍ، فَقَالَ بَعْضُ عَصَبَتِهَا: أَنَدِي مَنْ لَا طَعِمَ، وَلَا شَرِبَ، وَلَا صَاحَ فَاسْتَهَلَّ، وَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ، قَالَ، فَقَالَ: سَجْعٌ كَسَجْعِ الْأَعْرَابِ" (مسلم: 1682)

"ایک عورت نے اپنی سوتن کو خیمے کی لکڑی سے قتل کر دیا، اس (معاملے) کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اس عورت کے عاقلہ پر دیت عائد ہونے کا فیصلہ فرمایا اور چونکہ وہ حاملہ (بھی) تھی تو آپ نے پیٹ کے بچے کے بدلے میں ایک غلام (بطورِ تاوان دیے جانے) کا فیصلہ کیا، اس پر اس کے عصبہ رشتہ داروں میں سے کسی نے کہا: کیا ہم اس کی دیت دیں جس نے نہ کھایا، نہ پیا، نہ چیخا، نہ چلایا، اس طرح کا (خون) تو رائیگاں ہوتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ بدوؤں کی طرح کی قافیہ بندی ہے۔"

⑧ متشابہات کے متعلق سوالات کرنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے کسی نے یہ آیت پڑھی: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ [طٰهٰ: ٥] "رحمان نے اپنے عرش پر قرار پکڑا ہے۔" تو امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

استواء کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ استواء تو معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت نامعلوم ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔ (مختصر العلو للذهبي: 141)

⑨ اسلاف کے باہمی مشاجرات کے متعلق سوالات کرنا، جیسا کہ اہلِ صفین کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ان کے خون سے میرے ہاتھوں کو محفوظ کیا ہے۔ اب میں نہیں چاہتا کہ میں اپنی زبان کو اس میں ملوث کروں۔ (موافقات: 320/4)

⑩ کج بحثی اور کٹ حجتی اور دوسرے فریق کو لاجواب کرنے کے لیے سوالات کرنا، جیسا کہ مشرکین اور یہودِ مدینہ رسول اللہ ﷺ سے مطالبات اور سوالات کرتے تھے۔ ایسے مطالبات کا ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ اگر انھیں معقول جواب مل جاتے، تو اس کو تسلیم کر لیں گے، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس قسم کے سوالات میں الجھا کر کم از کم دوسروں کو حق سے دور رکھا جائے۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ﴾ [الزخرف: ٥٨]

”بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔“

نیز حدیث میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ» (بخاري: 4523)

”اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ شخص ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔“

سوالات کی مذکورہ دس امتناعی صورتیں علامہ شاطبی کی دریافت کردہ ہیں جو انھوں نے اپنی مایۂ ناز کتاب ”الموافقات“ (320/4) میں بیان کی ہیں۔ ان کے علاوہ دو اور صورتیں ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(11) بے ضرورت سوالات گھڑ گھڑ کر ان کی تحقیقات میں دماغ سوزی کرنا بھی ممنوع ہے۔ کیونکہ اس میں اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''مسلمان کے اچھے اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ فضول کاموں کو چھوڑ دے۔'' (مسند إمام أحمد: 210/1)

اس سے معلوم ہوا کہ لایعنی اور بے مقصد چیزوں کے متعلق سوالات کرنا جس کا تعلق انسان کی عملی زندگی سے نہیں، شریعت نے اسے مستحسن قرار نہیں دیا ہے، مثلاً: زلیخا کی شادی حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی تھی یا نہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام کیا تھا؟ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا طول وعرض کتنا تھا؟ وغیرہ۔

(12) فرضی مسائل گھڑ گھڑ کر ان کے متعلق غور و خوض کرنا بھی اسی قبیل سے ہے، چنانچہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جس کا ابھی وقوع نہیں ہوا تھا۔ تو آپ نے فرمایا: ایسی چیز کے متعلق سوال نہ کر جو ابھی واقع نہیں ہوئی۔ ہم نے اپنے والدِ گرامی سیدنا عمر ﷺ سے سنا ہے کہ وہ ایسے شخص پر لعنت کرتے تھے جو ایسی چیزوں کے بارے سوال کرتا تھا جو واقع نہ ہوئی ہوں۔ (مسند دارمي: 123)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منبر پر فرمایا کرتے تھے: اللہ کی قسم! جو شخص ایسی چیزوں کے بارے سوالات کرے گا جو ابھی واقع نہیں ہوئیں تو میں اس پر رستہ تنگ کر دوں گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر ہونے والی چیز کو واضح کر دیا ہے۔ (مسند دارمي: 126)

اس لیے ایسے مسائل ہرگز نہیں پوچھنے چاہئیں جو درپیش ہی نہ ہوں، کیونکہ ان میں وقت کا ضیاع ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قارئین کرام! یہ ایسے سوالات تھے جنھیں کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ میں انتہائی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہ فہرست پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ سائلین آدابِ سوال سے آراستہ ہو سکیں، کیونکہ سوال کرنا ہی آدھا علم ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی مقصود تھا کہ سائلین حصولِ علم اور طلبِ حق کا سلیقہ اختیار کریں گے۔ اب ہم ایسے سوالات کی چند اقسام ذکر کرتے ہیں جن کو ہمارے دین نے مستحسن کہا ہے اور اچھی نظر سے دیکھا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ سائلین بھی اسی قسم کے سوالات کرنے کی عادت اختیار کریں گے۔

① قربِ الٰہی کا حصول:

اللہ کا قربِ حاصل کرنے کے لیے سوال کرنا بہت ہی مبارک عمل ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اگر مجھے شبِ قدر کا ادراک ہو جائے تو میں کون سی دعا کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ، فَاعْفُ عَنِّي»

(مسند إمام أحمد: 171/6)

"اے اللہ! تو درگزر کرنے والا ہے اور درگزر کو پسند کرتا ہے، مجھے بھی معاف کر دے۔"

② فہمِ قرآن:

قرآن کریم کی کسی آیت کا معنی سمجھنے کے لیے سوال کرنا بھی حصولِ علم کا عظیم ذریعہ ہے۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ [الأنعام: ۸۲]

"جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے، ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہِ راست پر چل رہے ہیں۔"

تو صحابہ کرام نے ظلم کا عام مطلب سمجھا جس سے وہ پریشان ہو گئے۔ پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم میں سے کون سا ایسا شخص ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اس ظلم سے وہ ظلم مراد نہیں جو تم سمجھ رہے ہو، بلکہ اس سے مراد شرک ہے۔ جیسا کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کہا تھا: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ [لقمان: ۱۳] "بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔" اور اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اطمینان ہو گیا۔" (بخاري: 3360)

③ فہم حدیث:

حدیث میں آنے والے کسی لفظ کا معنی سیکھنے کے لیے سوال کرنا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ حیض سے فراغت کے بعد غسل کیسے کیا جاتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«خُذِي فِرْصَةً مِنْ مِسْكٍ، فَتَطَهَّرِي بِهَا. قَالَتْ: كَيْفَ أَتَطَهَّرُ؟ قَالَ: تَطَهَّرِي بِهَا، قَالَتْ: كَيْفَ؟ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، تَطَهَّرِي فَاجْتَبَذْتُهَا إِلَيَّ، فَقُلْتُ: تَتَبَّعِي بِهَا أَثَرَ الدَّمِ» (بخاري: 314)

"کستوری لگا ہوا روئی کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے طہارت حاصل کر لیں۔ وہ کہنے لگی: اس کے ساتھ کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! پاکیزگی حاصل کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچا اور اسے سمجھایا کہ اسے خون کے مقامات پر لگا لے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل سے ''تَطَهَّرِي'' کا معنی سمجھ لیا اور اس عورت کو سمجھا دیا۔

④ شرعی حکم میں مزید سہولت حاصل کرنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کے متعلق حکم دیتے، پھر اس میں اگر سہولت کی مزید گنجایش ہوتی تو اس کے متعلق سوال کیا جاتا جیسا کہ فتح خیبر کا موقع ہے:

''إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى نِيرَانًا تُوقَدُ يَوْمَ خَيْبَرَ قَالَ: عَلَى مَا تُوقَدُ هَذِهِ النِّيرَانُ؟ قَالُوا: عَلَى الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ. قَالَ: اكْسِرُوهَا وَأَهْرِقُوهَا؟ قَالُوا: أَلَا نُهَرِيقُهَا وَنَغْسِلُهَا قَالَ: اغْسِلُوا''

(بخاري: 2477)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن جلتی ہوئی آگ دیکھی تو فرمایا: ''یہ آگ کس چیز پر جلائی گئی ہے؟'' لوگوں نے عرض کی: گھریلو گدھوں کا گوشت پکایا جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہنڈیوں کو توڑ دو اور گوشت کو پھینک دو۔'' لوگوں نے عرض کی: ہم گوشت تو پھینک دیتے ہیں لیکن ہنڈیوں کو دھو نہ لیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دھو لو۔''

⑤ متضاد صورتِ حال سامنے آنے پر صحیح فیصلے تک رسائی حاصل کرنا:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مسجد کے دروازے کے پاس ایک ریشمی جوڑا فروخت ہوتے ہوئے دیکھا تو عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اسے خرید لیں تو یہ اچھا ہے۔ تاکہ جمعہ کے دن اور سفیروں کی آمد کے وقت اسے زیب تن فرما لیا کریں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا يَلْبَسُ هَذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ، ثُمَّ جَاءَتْ رَسُولَ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهِ ﷺ مِنْهَا حُلَلٌ فَأَعْطَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنْهَا حُلَّةً فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَسَوْتَنِيهَا وَقَدْ قُلْتَ فِي حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنِّي لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا، فَكَسَاهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَخًا لَهُ بِمَكَّةَ مُشْرِكًا»

(بخاري: 886)

''اسے تو وہ شخص پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔ اس کے بعد کہیں سے رسول اللہ ﷺ کے پاس اس قسم کے ریشمی جوڑے آ گئے۔ ان میں سے آپ نے ایک جوڑا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے مجھے یہ جوڑا عنایت فرمایا ہے، حالانکہ آپ خود ہی حلہ عطارد کے متعلق کچھ فرما چکے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمھیں یہ اس لیے نہیں دیا کہ اسے خود پہنو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا اپنے مشرک بھائی کو پہنچا دیا جو مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھا۔''

⑥ نئی صورتِ حال کے متعلق سوال کرنا:

کسی نئی صورتِ حال کے پیشِ نظر اس کی صحت وصواب کے متعلق سوال کرنا جیسا کہ سیدنا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے شادی کی تو ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے عقبہ اور اس کی بیوی کو دودھ پلایا ہے۔ حضرت عقبہ نے کہا: مجھے تو علم نہیں کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ پہلے تو نے اس کی خبر دی۔ پھر حضرت عقبہ سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ منورہ آ گئے اور آپ سے مسئلہ پوچھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(تو اس عورت سے) کیسے (صحبت کرے گا) جب کہ ایسی بات کہی گئی ہے؟ آخر عقبہ نے اس عورت کو چھوڑ دیا اور اس نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔'' (بخاري: 88)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

⑦ حلال وحرام کے دو پہلو:

بعض دفعہ ایک چیز کے متعلق حلال وحرام کے دونوں پہلو ہوتے ہیں۔ سوال کے ذریعے اس کے ایک پہلو کی تعیین ہو جاتی ہے، مثلاً ذبح شدہ بکری کے پیٹ میں جو مردہ بچہ برآمد ہوتا ہے۔ وہ اس حیثیت سے تو حلال ہے کہ وہ بکری کے گوشت کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کا وجود الگ ہے اور اسے ذبح نہیں کیا گیا۔ اس لیے مردہ ہونے کی حیثیت سے وہ حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُوهُ إِنْ شِئْتُمْ)) (أبو داود: 2827) ''اگر چاہو تو کھا لو۔''

یعنی حلال تو ہے، لیکن اگر کسی کا دل اس کے کھانے پر آمادہ نہیں ہے تو اس کے لیے کھانا ضروری نہیں ہے۔

⑧ ذہنی الجھن کو دور کرنے کے لیے سوال کرنا:

بعض دفعہ سوال کے ذریعے اپنی ذہنی الجھن کو دور کیا جاتا ہے۔ وہ الجھن فرضی نہیں، بلکہ حقیقت پر مبنی ہوتی ہے، جیسا کہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی:

''يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ، تَعْنِي وَجْهَهَا، وَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَوَ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ؟ قَالَ: نَعَمْ، تَرِبَتْ يَمِينُكِ، فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا'' (بخاري: 130) www.kitabosunnat.com

''یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ حق بات بیان کرنے سے نہیں شرماتا، کیا عورت

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کو احتلام ہو تو اسے غسل کرنا چاہیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں جب وہ پانی دیکھے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا منہ چھپا لیا اور عرض کی: یارسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں تیرا ہاتھ خاک آلود ہو، ورنہ بچے کی صورت ماں سے کیوں کر ملتی ہے؟''

⑨ توہمات و خیالات کو دور کرنا:

بعض دفعہ انسان ایک الجھن سے دو چار ہو جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی نے شکایت کی کہ وہ شخص کیا کرے جو نماز میں کسی چیز (ہوا نکلنے) کو محسوس کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَنْفَتِلْ ـأَوْ لَا يَنْصَرِفْ ـ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا»

(بخاري: 137)

''وہ نماز سے اس وقت تک نہ پھرے جب تک ہوا نکلنے کی آواز یا بو نہ پائے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ وضو کی یقینی صورت کو محض شکوک و شبہات سے نہیں بدلا جا سکتا جب تک اس کے ٹوٹنے کا یقین نہ ہو جائے اور اس پر آپ ﷺ نے دو علامتیں بیان فرمائیں۔

⑩ حصولِ جنت کی فکر:

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک نیک سیرت انسان حصولِ جنت کے اسباب اور جہنم سے دور رہنے کی تدابیر کے متعلق سوال کرتا ہے، جیسا کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا:

''دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ. قَالَ: تَعْبُدُ اللّٰهَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ“ (بخاري:1397)

”آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں اگر وہ بجا لاؤں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ فرض نمازیں اور فرض زکاۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔“

ایسے ہی جہنم سے دور رہنے کا ذکر بھی ملتا ہے اور اس میں روزوں کی بجائے صلہ رحمی کا ذکر ہے۔ (مسلم: 14)

⑪ آخرت کی جواب دہی:

بعض دفعہ سوال کے پسِ منظر میں فکرِ آخرت کارفرما ہوتی ہے، جیسا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ سیدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کی:

”يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ وَلَيْسَ يُعْطِينِي مَا يَكْفِينِي وَوَلَدِي، إِلَّا مَا أَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ، فَقَالَ: خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ“ (بخاري: 5364)

”اللہ کے رسول! بلاشبہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بخیل آدمی ہیں اور مجھے اتنا مال نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو، اِلا یہ کہ میں کچھ مال ان کی بے علمی میں لے لوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دستور کے مطابق اتنا مال لے سکتی ہو جو تمھیں اور تمھاری اولاد کو کافی ہو۔“

سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کو ایک طرف بچوں کی پرورش کا فکر ہے۔ اگر ان کی نگہداشت

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نہ کی گئی تو قیامت کے دن باز پرس ہو گی۔ پھر چوری رقم لینے پر بھی ضمیر مطمئن نہیں ہے کہ قیامت کے دن اس کے متعلق سوال نہ ہو جائے۔ اس لیے اس خلش کو دور کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے انھیں مطمئن کر دیا۔

قارئین کرام! ان سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ سائلین نے اخلاص اور حسنِ نیت کے ساتھ حصولِ علم اور اس پر عمل کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا۔ اسی طرح کے سوالات جن کا تعلق انسان کی عملی زندگی اور آخرت سنوارنے، حصولِ جنت اور جہنم سے بچنے کے لیے ہو، بہت ہی مبارک ہیں۔ ہمیں ان حضرات کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ایسے ہی سوالات کرنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔ آمین

ایک دیرینہ آرزو:

دینی مسائل میں امتِ مسلمہ کی راہنمائی کے لیے ہم جس پرفتن دور سے گزر رہے ہیں وہ انتہائی تکلیف دہ اور ناگفتہ بہ ہے۔ جہاں جاہل مفتیان منصبِ افتاء پر فائز ہیں، بلکہ ان میں سے کچھ حضرات تو سائل کا سوال سمجھنے سے بھی قاصر ہیں، لیکن انھیں مفتی کہلانے کا شوق بے چین کیے جا رہا ہے۔ اس کے متعلق اخبارات میں بڑے بڑے قد آدم اشتہارات شائع کیے جا رہے ہیں۔ ان میں فتاوی آن لائن کے ساتھ جلی حروف میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ فون کریں اور مسئلہ پوچھیں۔ ایسے حالات میں یہ چاہیے تھا کہ ہم سلف صالحین کی طرح مشاورت کا احیاء کرتے ہوئے ایک مجلسِ مشاورت تشکیل دیتے۔ پھر اس کے ذریعے سے تنظیمِ نو اور توحیدِ صفوف کی کوشش کی جاتی، خاص طور پر دار الافتاء کو منظم کر کے اس کی حریت و تقدیس کو بحال کیا جاتا۔ ہر کس و ناکس پر اپنی نوازشات کی بارش کرنے کی بجائے ایسے ناپختہ کار افراد کی حوصلہ شکنی کی جاتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور جماعت کو نا اہل مفتیوں کے چنگل سے آزاد کرایا جاتا۔ ایسا کرنے سے لوگوں کے دلوں میں شریعت کا وقار جاگزیں ہوتا اور فتوے کی عظمت بھی بحال ہوتی۔ نیز لادین اور اباحیت پسند عناصر کے تمسخر و استہزاء سے بھی ہم محفوظ رہتے، لیکن....!

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

یہ ہماری ذمہ داری تھی کہ ہم محنت، تلاش و جستجو اور طویل جدوجہد کے بعد پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے اہلِ علم سے مشورہ کرتے، کیونکہ مشورہ کرنے سے پیچیدہ مسائل میں راہنمائی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کرام سے مشاورت کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾

[آل عمران: ۱۵۹]

”سو آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کریں۔“

اس حکم کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے متعدد مواقع پر دینی اور سیاسی معاملات میں اپنے صحابہ کرام سے مشاورت فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی دینی معاملات میں پیش آمدہ مسائل کے متعلق مشاورت کی روایت کو برقرار رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے پر ان کی تعریف بیان فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ [الشوریٰ: ۳۸]

”اور وہ اپنے رب کے فرمان کو قبول کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ان کا (ہر) کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔“

اس آیتِ کریمہ سے اشارہ ملتا ہے کہ امتِ مسلمہ میں ایک مجلسِ مشاورت ہونی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

چاہیے جس سے اہم معاملات میں مشورہ کیا جا سکے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک باب قائم کر کے مانعینِ زکوۃ اور مرتدین کے خلاف قتال کے بارے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کا ذکر کیا ہے۔

(بخاري باب: 28)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی پیش آمدہ پیچیدہ مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ ایک حدیث کے مطابق جو لوگ قرآن کریم کے زیادہ ماہر اور عالم ہوتے تھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلسِ مشاورت میں انھیں بڑی پزیرائی ملتی تھی۔ ایسے ہی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر ہوتے تھے۔ قطع نظر کہ وہ عمر رسیدہ ہوں یا نوجوان۔ (بخاري: 4442)

امام بخاری رحمہ اللہ مجلسِ مشاورت کی افادیت و اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقویٰ شعار حکمران جائز اور مباح معاملات میں امانت دار اور اہلِ علم سے مشاورت کرتے تھے، تاکہ ان میں سے جو آسان تر صورت ہو اس پر عمل کیا جا سکے۔ (بخاري، باب: 28)

لیکن افسوس کہ دورِ حاضر میں اس خوبصورت روایت نے دم توڑ دیا ہے۔ آج ہمارے ہاں اختلافات نے ایک بھیانک شکل اختیار کر رکھی ہے۔ غیر ضروری اور نادر فتوے چھوڑ کر اپنا فضول شوق پورا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ذوالحجہ کے مہینے میں بھینس کی قربانی پر طبع آزمائی کی جاتی ہے تو محرم کے مہینے میں یزید کی شخصیت کو نزع استخواں بنایا جاتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

ایسے پُرفتن اور کٹھن حالات میں امید کی ایک کرن بایں صورت نظر آ رہی ہے کہ مخلص اور بے لوث علماء کی سرپرستی میں چند نوجوان امت کی راہنمائی کے لیے کمر بستہ ہوئے ہیں جنھوں نے لجنۃ العلماء للافتاء تشکیل دی اور عوام اور علماء میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حائل خلیج دور کرنے کی ایک منفرد کاوش کی طرح ڈالی۔ بلاشبہ لجنہ نے محدود وقت اور وسائل کو بروئے کار لا کر ایک بہترین کام کر دکھایا ہے اور فتویٰ کمیٹی کی صورت میں عوام کے مسائل کا حل جدید اسالیب میں پیش کیا ہے۔ یہ 150 فتاویٰ پر مشتمل مجموعہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، انہی نوجوانوں کی کدو کاوش کا نتیجہ ہے، اس مجموعہ میں امت کی راہنمائی کے لیے کیا ہے، ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

علمائے کرام کے جو صوتی میسج ہوتے ہیں انھیں تحریری اسلوب میں پیش کرنا، ان کی نوک پلک درست کر کے آسان انداز میں عوام کے لیے پیش کرنا، یہ انہی نوجوانوں کا کام ہے۔ اصحابِ کہف کی طرز پر یہ چند نوجوان اپنے رب پر ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت میں مزید اضافہ کر دیا۔ یہ شب و روز اللہ کے حضور یہی دعا کرتے ہیں:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴾

[الکہف: ۱۰]

”اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے رحمت خاص عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے راہ یابی کو آسان کر دے۔“

واضح رہے کہ فتویٰ کمیٹی کے فتاویٰ پانچ سو سے متجاوز ہیں جنھیں رفتہ رفتہ شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

معاشرے میں بڑتی ہوئی لادینیت اور فتنوں کے سامنے بند باندھنے کے لیے کتاب وسنت سے تمسک ضروری ہے۔ جس طرح ہم دیگر علوم وفنون کے ماہرین کے پاس جاتے ہیں، اس طرح دینی راہنمائی کے لیے علماء سے وابستہ ہونا ضروری ہے، کیونکہ یہ انبیاء کے وارث ہیں۔ شیطان کی خواہش یہ ہے کہ علماء اور عوام میں حائل خلیج

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

وسیع ہو جبکہ رحمان کی رضا مندی اسی میں ہے کہ ان کا آپس میں تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہو۔ لجنۃ العلماء کا یہی مقصد و مشن ہے۔ بقولِ شاعر:

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں
دبی ہے آگ جگر مگر بجھی تو نہیں

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان نوجوانوں کو مزید ہمت دے، تاکہ وہ دل جمعی سے دینِ حنیف کی خدمت کر سکیں اور اس کی سر بلندی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

وصلى الله على نبينا محمد، وآله، وأصحابه، وإخوانه، وأتباعه أجمعين.

ابو محمد عبد الستار الحماد
مرکز الدراسات الاسلامیہ
سلطان کالونی، میاں چنوں
15/2/2022

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لجنة العلماء للإفتاء

(تعارف، اہداف اور سرگرمیاں)

لجنۃ کا اردو اور انگلش نام ''علماء فتوی کونسل'' ہے اور یہ ادارہ ''العلماء'' کے تین بنیادی پراجیکٹس (بہبودِ علماء، دفاعِ علماء، اِفتاء) میں سے ایک ہے۔

اہداف:

① معاشرے میں دینی رہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔ علماء انفرادی طور پر یہ فریضہ سرانجام دے رہے تھے، لیکن ایک مجموعی پلیٹ فارم ہونا ضروری تھا جہاں سے علم وتحقیق کا نور پورے پاکستان اور پھر اطراف واکنافِ عالم تک پھیلے۔ یہ کام انفرادی کی بجائے جس قدر اجتماعی ہوگا، اتنا ہی زیادہ مفید اور ثمر آور ہوگا۔

② جب بھی کوئی حادثہ یا مسئلہ درپیش ہوتا ہے، علماء اس پر اپنی آراء دیتے ہیں، لیکن باقاعدہ تنظیم وترتیب اور اہتمام نہ ہونے کے سبب بعض دفعہ علماء کا اتفاقی موقف بھی انتشار و اختلاف بنا دیا جاتا تھا۔ ایک منظّم فتویٰ کمیٹی کی شکل میں اس قسم کے امور کا تدارک کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

③ بہت سارے جید اور کبار وصغار علما واٹس ایپ وغیرہ گروپس میں شرکت کرتے اور علمی موتی بکھیرتے ہیں، لیکن ان بحوث اور تبادلہ ہائے خیالات کی تحریر وتدوین کا انتظام نہیں تھا۔ لجنۃ کے مجموعہ میں آڈیوز کی تحریر اور بات چیت کی کتابت وترتیب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے، اور اسے مرتب کر کے اس کے شایانِ شان نشر کیا جاتا ہے، تا کہ افادہ عام ہو۔

④ چنیدہ نوجوان اور باصلاحیت علماء کو کبار علماء سے جوڑنے کی کوشش کی گئی، تا کہ وہ ان کے علم و تحقیق، منہج واسلوب کو سیکھیں اور علمِ نبوت کے حقیقی وارث بنیں۔ کبار کے علم اور تجربے کو اگلی نسل میں منتقل کرنے کے لیے یہ از بس ضروری ہے۔

⑤ راسخین فی العلم میڈیا اور سوشل میڈیا پر ایکٹو نہیں ہوتے، جبکہ ایکٹوسٹ حضرات علمی رسوخ اور مصادرِ اصلی کی طرف رجوع کی زحمت یا فرصت نہیں پاتے، اس لجنۃ کے ذریعے اس مسئلے کا بھی تدارک کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ راسخین فی العلم درپیش مسئلے میں رائے دیتے ہیں، جبکہ سوشل میڈیا کی مہارت رکھنے والے اسے عام کرتے ہیں۔ وللہ الحمد

⑥ لجنۃ نے کوشش کی ہے کہ ایک آن لائن فتوی سنٹر بھی میسر ہو، یعنی موبائل نمبر، واٹس ایپ، ای میل وغیرہ کے ذریعے کوئی بھی سائل اپنے سوال کا جواب اور فتویٰ طلب کرسکتا ہے۔

عملی خاکہ:

رئیس اللجنۃ: شیخ الحدیث فقیہ العصر حافظ ثناء اللہ مدنی رحمہ اللہ کو تجویز کیا گیا تھا اور ان کے نائب مفتی جماعت حافظ عبد الستار حماد حفظہ اللہ تھے، لیکن حافظ مدنی مرحوم کی صحت و علمی مصروفیات کے پیشِ نظر ان کی معذرت کے بعد رئیس اللجنۃ کی ذمہ داری شیخ حماد حفظہ اللہ نے اٹھائی اور ان کی نیابت مفتی مبشر احمد ربانی۔حفظہ اللہ وشفاہ وعافاہ۔ نے قبول فرمائی۔ جبکہ بزرگ عالمِ دین، بقیۃ السلف، فضیلۃ الشیخ مفتی عبید اللہ عفیف رحمہ اللہ لجنۃ کے سرپرستِ اعلی رہے۔ جبکہ دیگر تمام اراکین پانچ حصوں میں منقسم ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

① **اہلِ اِفتاء:** یہ وہ علماء ہیں جو کسی بھی مسئلے میں بنیادی موقف اپناتے ہیں۔ کسی مسئلے کو کمیٹی کے تحت زیر بحث لانا ہے کہ نہیں، نیز اس کے جائز یا ناجائز ہونے میں تمام فیصلے صرف یہی علماء کرتے ہیں۔ ان میں اگر اختلاف ہو اور اکثریت ایک طرف ہو تو اغلب کی رائے کو کمیٹی کا موقف بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

ان علماء میں درج ذیل اسمائے گرامی ہیں:

- فضیلۃ الشیخ ابو عدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ
- فضیلۃ الشیخ حافظ عبد الرؤف سندھو حفظہ اللہ
- فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد الرحمٰن یوسف مدنی حفظہ اللہ
- فضیلۃ الشیخ جاوید اقبال سیالکوٹی حفظہ اللہ
- فضیلۃ الشیخ عبد الحلیم بلال حفظہ اللہ
- فضیلۃ الشیخ سعید مجتبیٰ سعیدی حفظہ اللہ
- فضیلۃ الشیخ ادریس اثری حفظہ اللہ

② **اصحابِ تنقیح ومناقشہ:** یہ وہ علماء ہیں جن کا معاشرے میں اثر ورسوخ ہے، لیکن وہ علم وفضل میں کبار علماء کے بعد ہیں۔ یہ علماء موضوعات شروع کر سکتے ہیں، تجاویز دے سکتے ہیں، کبار علما سے تبادلہ خیال اور دلائل کا مطالبہ کر سکتے ہیں، بحث ومباحثہ کے نکھار میں شرکت کر سکتے ہیں، البتہ بذات خود ان کی اپنی رائے کمیٹی کا موقف تصور نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کے اختلاف کو اختلافی نوٹ کے طور پر ذکر کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی علمی نکتہ یا تحقیقی توجیہ سامنے آئے تو رئیس اللجنۃ یا نائب کی موافقت کے بعد اسے شامل کیا جاتا ہے۔

ان علماء میں درج ذیل اسمائے گرامی ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- حافظ ابتسام الٰہی ظہیر ﷾
- حافظ ہشام الٰہی ظہیر ﷾
- مولانا ضیاء اللہ برنی ﷾
- ڈاکٹر شاہ فیض الابرار ﷾
- ڈاکٹر حماد لکھوی ﷾
- ڈاکٹر حسن مدنی ﷾
- پروفیسر خالد ظفر اللہ ﷾
- مولانا رفیق طاہر ﷾
- حافظ شاہد رفیق ﷾
- مولانا ریاض عاقب اثری ﷾
- مولانا مفتی شریف ﷾
- ڈاکٹر عبد الباسط فہیم ﷾
- ڈاکٹر حافظ ابو یحییٰ نور پوری ﷾
- مولانا انور شاہ راشدی ﷾
- مفتی عتیق الرحمٰن ﷾
- ڈاکٹر ارشاد الحسن ابرار ﷾
- ڈاکٹر سمیع اللہ زبیری ﷾
- مولانا محمد افضل اکرم ﷾

③ **نوجوان علماء:** ان کی ذمہ داری فتویٰ کمیٹی میں ہونے والی ابحاث کو بغور سننا، مرتب کرنا اور مختلف زبانوں اور فارمیٹس میں کنورٹ کرنا ہے۔ ان میں حافظ خضر حیات، مولانا احمد اعجاز، مولانا ذبیح اللہ شاکر، مولانا عفیف صدیقی، مولانا علی حسن خان، مولانا محمد حامد وغیرہم ہیں۔

④ **معاونین:** یعنی وہ لوگ جو کمیٹی کے لیے فنڈ مہیا کرتے ہیں۔ ان میں بعض مندرجہ بالا اقسام سے بھی کچھ نام ہیں جبکہ بعض ایسے ہیں جو علماء کی لسٹ میں نہیں آتے، البتہ وہ کمیٹی کو سپورٹ کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

⑤ **مدیر اللجنۃ:** کمیٹی کے لیے رابطہ وغیرہ، ماہانہ رپورٹس، تحریری ذمہ داری اور علماء کے پاس حاضری وغیرہ حافظ خضر حیات کی ذمہ داری ہے۔

سپوکن پرسن: علامہ ابتسام الٰہی ظہیر ﷾، حافظ ہشام الٰہی ظہیر ﷾ وغیرہ علماء لجنۃ کے موقف کو میڈیا پر بیان کرتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سرگرمیوں کا مختصر ذکر:

فتویٰ کونسل کو خدمات سرانجام دیتے ہوئے تقریبا ڈیڑھ سال کا عرصہ ہو چکا ہے، جس کے تحت اب تک پانچ سو سے زیادہ فتویٰ جات زیر بحث آ چکے ہیں۔ جبکہ لجنۃ العلماء کی طرف سے مختلف مواقع پر آنے والے اعلامیہ جات اور بیانیے اس سے الگ ہیں۔ فی الحال منتخب فتاویٰ اور اعلامیہ جات زیرِنظر مجموعہ میں شائع کیے جا رہے ہیں۔

رمضان میں ہم نے ''رمضان علماء کی رہنمائی میں'' کے عنوان سے کبار مشائخ کی ویڈیوز ریکارڈنگ کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس کے تحت تقریباً تیس کے قریب ویڈیوز منظر عام پر آئی تھیں۔

جو فتاویٰ مرتب ہوتے ہیں ان سب کو آڈیو اور ویڈیو میں کنورٹ کر کے یوٹیوب چینل پر بھی دیا جاتا ہے۔

علماء کی آفیشل ویب سائٹ (www.ulamaweb.com) پر فتاویٰ کے لیے ایک خاص سیکشن موجود ہے جس پر فتاوی کو اردو، عربی، انگلش تینوں زبانوں میں پیش کیا جا رہا ہے۔

آن لائن استفتاء کی سہولت بھی موجود ہے اور بہت جلد ایک ہیلپ لائن متعارف کروائی جائے گی، جس میں فتویٰ کونسل کے مستند مفتیانِ کرام سے براہِ راست دینی رہنمائی حاصل کرنا ممکن ہوگا۔ ان شاء اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

عقیدہ و منہج

اسلامی حکومت غیر مسلموں کے عبادت خانے تعمیر نہیں کر سکتی:

سوال پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں حکومتِ وقت ہندوؤں کے لیے ایک نیا مندر تعمیر کر رہی ہے۔ کیا شریعت میں بت کدے تعمیر کرنے کی کوئی گنجائش موجود ہے؟ بالخصوص جب اسے تعمیر کرنے والی بھی اسلامی ریاست ہو؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں، امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سبھی انبیاء کو توحید پھیلانے اور شرک مٹانے کے لیے بھیجا ہے، لہٰذا جہاں بھی اسلامی ریاست قائم ہوئی وہاں بت شکنی کی گئی ہے، بت گری نہیں۔ اسی کا نام ملتِ ابراہیمی ہے اور یہی شریعتِ محمدی کا بھی تقاضا ہے۔ لہٰذا کسی بھی اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے عبادت خانے بنانا جائز نہیں ہے۔ ہاں مشروط طور پر خود اہلِ کتاب کو اپنے کلیسا و کنیسہ بنانے کی رخصت ہے۔ جبکہ مشرکین کی عبادت گاہیں جہاں وہ بت پرستی اور آتش پرستی کرتے ہیں، انھیں اسلامی قلمرو میں شامل ہونے کے بعد صرف اس صورت میں باقی رکھا جا سکتا ہے جب وہ علاقہ جنگ کے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ آ جائے، اور اس کے رہنے والے مشرکین، مسلمانوں سے اس شرط پہ صلح کر لیں کہ ان کے عبادت خانے باقی رکھے جائیں گے۔ البتہ وہاں بھی نئے عبادت خانے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بنانے کی اجازت نہیں ہوگی، الا کہ وہ مسلمانوں کی آبادی سے دور الگ تھلگ رہتے ہوں۔ لہٰذا مملکتِ خدا داد پاکستان میں اور بالخصوص اُس کے دار الحکومت اسلام آباد میں جسے مسلم حاکم نے آباد کیا تھا، بت کدے اور گرجے تعمیر کرنا شرعاً سخت منع ہے۔ اس کی بے شمار دلیلیں کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ، آثارِ صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال و آثار میں موجود ہیں۔ بعض دلائل کو بالترتیب ذکر کیا جاتا ہے۔

آیاتِ قرآنیہ

اسلامی ریاست میں مسلم حکمران کا فریضہ ہے کہ وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾

[الحج: ٤١]

”وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکاۃ دیں گے، اچھائی کا حکم اور برے کاموں سے روکیں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔“

گویا برائی کی روک تھام اور ظلم و ستم کا خاتمہ حاکمِ وقت کا فریضہ ہے اور سب سے بڑی برائی اور سب سے بڑا ظلم اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [لقمان: ١٣] ”یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“

کفر و شرک کا خاتمہ ہی استحکامِ خلافت، قیامِ امن اور غلبۂ دین کی اساس ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا ؕ وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

[النور: ۵۵]

”جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور ہی خلافت عطا کرے گا، جس طرح ان لوگوں کو جانشیں بنایا جو ان سے پہلے تھے۔ اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور ہی اقتدار دے گا جسے اس (اللہ) نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ہر صورت انھیں ان کے خوف کے بعد بدل کر امن دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جس نے اس کے بعد کفر کیا تو یہی لوگ نافرمان ہیں۔“

یعنی وہ لوگ جن کے ساتھ خلافتِ ارضی، دین کے غلبے اور خوف کے بعد امن عطا کرنے کا وعدہ ہے، وہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان وعملِ صالح سے آراستہ ہوں، صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ تاکہ حصولِ اقتدار کے بعد ایمان وعملِ صالح پہ قائم معاشرہ استوار کریں، توحیدِ الٰہی کا ڈنکا بجائیں اور شرک کی بیخ کنی کریں۔ کیونکہ نہی عن المنکر کے فریضہ میں شرک سے منع کرنا سرِفہرست ہے۔ یہ ایک مسلمان حاکم کی اولین ذمہ داری ہے۔ ہمارے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسوۂ ابراہیمی ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ کَفَرْنَا بِکُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾ [الممتحنة: ٤]

”یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے ایک اچھا نمونہ تھا، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا: بے شک ہم تم سے اور جن چیزوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، بری اور لاتعلق ہیں۔ ہم تمھیں نہیں مانتے اور ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا ہے، یہاں تک کہ تم اس اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ۔“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ [الحج: ٣٠]

”بتوں کی گندگی سے بچ جاؤ اور جھوٹی بات سے بچو۔“

نیز فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ٩٠]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بات یہی ہے کہ شراب، جوا، اور شرک کے لیے نصب کردہ چیزیں اور فال کے تیر، سراسر گندے ہیں، شیطان کے کام ہیں، سو اس سے بچو، تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔“

گویا بتوں کو اللہ تعالیٰ نے عملِ شیطان قرار دیا ہے اور ان سے مکمل پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے۔ چہ جائیکہ خود بت گری کی جائے اور بت خانے تعمیر و آباد کیے جائیں!

احادیثِ نبویہ

امام الانبیاء ﷺ نے ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرتے ہوئے بت شکنی کو شعار بنایا اور ہر قسم کے شرک کی بیخ کنی فرمائی۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا رَأَى الصُّوَرَ فِي الْبَيْتِ لَمْ يَدْخُلْ حَتَّى أَمَرَ بِهَا فَمُحِيَتْ" (صحیح البخاری: 3352)

"نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ میں بت دیکھے تو اس میں داخل نہیں ہوئے، حتی کہ ان کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمان جاری کیا اور انھیں ختم کر دیا گیا۔"

ابو الہیاج اسدی فرماتے ہیں کہ مجھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ؟ أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ" (صحیح مسلم: 969)

"کیا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس مہم کے لیے مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: تو جس بھی مورتی کو دیکھے، اسے ختم کر دے، اور جس بھی اونچی قبر کو دیکھے، اسے (دوسری قبروں کے) برابر کر دے۔"

آثارِ صحابہ

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جو شروط اہلِ ذمہ کے لیے مقرر کی تھیں جنھیں دنیا "شروطِ عمریہ" کے نام سے جانتی ہے، ان میں یہ شرط بھی ہے:

"أَنْ لَا نُحْدِثَ فِي مَدِينَتِنَا وَلَا فِيمَا حَوْلَهَا دِيرًا وَلَا كَنِيسَةً وَلَا قَلَّايَةً وَلَا صَوْمَعَةَ رَاهِبٍ وَلَا نُجَدِّدَ مَا خَرِبَ مِنْهَا وَلَا نُحْيِيَ مَا كَانَ مِنْهَا فِي خِطَطِ الْمُسْلِمِينَ" (مسند الفاروق: 334/2، 663)

"ہم اپنے شہر اور اس کے ارد گرد کوئی دیر، کنیسہ، پادری کی رہائش گاہ، یا راہب کا جھونپڑا نہیں بنائیں گے، اور نہ ہی ان میں سے جو خراب ہو گیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی تزیین و آرائش کریں گے، اور نہ ہی ان میں سے جو مسلمانوں کے علاقہ میں ہو اسے آباد کریں گے۔"

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ اسلامی سلطنت میں غیر مسلموں کے لیے نیا (معبد تعمیر) کرنے کی اجازت ہے؟ تو انھوں نے فرمایا:

"أَيُّمَا مِصْرٍ مَصَّرَتْهُ الْعَرَبُ فَلَيْسَ لِلْعَجَمِ أَنْ يَبْنُوا فِيهِ بِيعَةً، وَلا يَضْرِبُوا فِيهِ نَاقُوسًا، وَلا يَشْرَبُوا فِيهِ خَمْرًا، وَلا يَتَّخِذُوا فِيهِ خِنْزِيرًا، وَأَيُّمَا مِصْرٍ مَصَّرَتْهُ الْعَجَمُ، فَفَتَحَهُ اللّٰهُ، تَبَارَكَ وَتَعَالَى، عَلَى الْعَرَبِ، فَنَزَلُوا، فَإِنَّ لِلْعَجَمِ مَا فِي عَهْدِهِمْ، وَعَلَى الْعَرَبِ أَنْ يُوفُوا بِعَهْدِهِمْ، وَلا يُكَلِّفُوهُمْ فَوْقَ طَاقَتِهِمْ" (أحكام أهل الملل والردة: ص 346)

"ہر وہ شہر کہ جسے مسلمانوں نے آباد کیا ہو، وہاں پہ غیر مسلموں کے لیے کلیسا بنانا، ناقوس بجانا، شراب پینا، یا خنزیر رکھنا جائز نہیں۔ اور جس شہر کو غیر مسلموں نے آباد کیا ہو اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس پہ فتح دے دی ہو، اور پھر (غیر مسلم، مسلمانوں سے) وہاں معاہدہ کر لیں، تو جو معاہدہ انھوں نے کیا ہو گا، اس کے مطابق ان سے معاملہ کیا جائے گا۔ اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنا عہد پورا کریں اور انھیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیں۔"[1]

[1] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول میں موجود لفظ "عرب" کو "مسلمان" اور "عجم" کو "غیر مسلم" سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس دور میں جزیرہ نمائے عرب حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکا تھا ←

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آثارِ تابعین

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ:

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے فرمان جاری کیا تھا:

"يُمْنَعُ النَّصَارَى بِالشَّامِ أَنْ يَضْرِبُوا نَاقُوسًا قَالَ: وَيُنْهَوْا أَنْ يَفْرِقُوا رُءُوسَهُمْ، وَيَجُزُّوا نَوَاصِيَهُمْ، وَيَشُدُّوا مَنَاطِقَهُمْ، وَلَا يَرْكَبُوا عَلَى سُرُجٍ، وَلَا يَلْبَسُوا عُصَبًا، وَلَا يَرْفَعُوا صُلُبَهُمْ فَوْقَ كَنَائِسِهِمْ" (مصنف عبد الرزاق: 10004)

"نصرانیوں کو شام میں ناقوس بجانے سے منع کر دیا جائے۔ انھیں سر کی مانگ نکالنے، پیشانی کے بال کاٹنے اور پٹیاں کس کر باندھنے سے روکا جائے۔ زین پر سوار نہ ہوں اور پگڑیاں نہ باندھیں، اور اپنی صلیبیں گرجوں کے اوپر آویزاں نہ کریں۔"

طاوس رحمۃ اللہ:

امام طاوس بن کیسان رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"لَا يَنْبَغِي لِبَيْتِ رَحْمَةٍ أَنْ يَكُونَ عِنْدَ بَيْتِ عَذَابٍ"

(الأموال للقاسم بن سلام: 263)

"رحمت والے گھر کو عذاب والے گھر کے قریب نہیں ہونا چاہیے۔"

امام قاسم بن سلام اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"أُرَاهُ يَعْنِي الْكَنَائِسَ وَالْبِيَعَ وَبُيُوتَ النِّيرَانِ، يَقُولُ: لَا يَنْبَغِي

← اور عجم میں کفر و شرک باقی تھا۔ گویا عرب سے اہلِ اسلام مراد لیے جاتے تھے، جیسا کہ برصغیر میں مغلوں کے دور میں "مغل" مسلمان ہونے کا استعارہ تھا اور ہر مسلمان کو "مغل" کہا جاتا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

أَنْ تَكُونَ مَعَ الْمَسَاجِدِ فِي أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ" (الأموال: 124)

''اس سے مراد کنیسے، گرجے اور آتش کدے ہیں۔ گویا وہ فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں کے شہروں میں مساجد کے ساتھ یہ نہ ہوں۔ (یعنی مسلمانوں کی آبادی سے باہر ہوں)۔''

امام ابن سیرین رحمہ اللہ:

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے بارے میں حبیب بن الشہید رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"أَنَّهُ كَانَ لَا يَتْرُكُ لِأَهْلِ فَارِسَ صَنَمًا إِلَّا كُسِرَ وَلَا نَارًا إِلَّا أُطْفِئَتْ" (مصنف ابن ابی شیبة: 32988)

''وہ اہلِ فارس کا کوئی بت توڑے بغیر نہیں چھوڑتے تھے اور نہ ہی آتش کدہ کی آگ بجھائے بغیر رہتے تھے۔''

امام حسن بصری رحمہ اللہ:

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ صُولِحُوا عَلَى أَنْ يُخَلَّى بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ النِّيرَانِ وَالْأَوْثَانِ فِي غَيْرِ الْأَمْصَارِ" (مصنف ابن أبي شيبة: 32986)

''ان سے اس بات پہ صلح کی گئی کہ آتش کدوں اور بتوں کو شہروں سے باہر کچھ نہیں کہا جائے گا۔''

عبد اللہ بن عبید رحمہ اللہ:

عوف بن ابی جمیلہ بیان کرتے ہیں:

"شَهِدْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُبَيْدِ بْنِ مَعْمَرٍ أُتِيَ بِمَجُوسِيٍّ بَنَى بَيْتَ نَارٍ بِالْبَصْرَةِ فَضَرَبَ عُنُقَهُ" (مصنف ابن ابی شیبة: 32989)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”میں عبداللہ بن عبید بن معمر کے پاس تھا کہ ایک مجوسی لایا گیا جس نے بصرہ میں آتش کدہ بنایا تھا تو انھوں نے اس (مجوسی) کی گردن اڑا دی۔“

فقہائے مذاہب کے اقوال

فقہ حنبلی

امام اہل السنہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ليس لليهود والنصارىٰ أن يحدثوا فِي مصر مصره المسلمون بيعة ولا كنيسة ولا يضربوا فِيهِ بناقوس إلا فيما كان لهم صلح“ (أحكام أهل الملل والردة، ص: 346)

”جس شہر کو مسلمانوں نے آباد کیا ہو اس میں یہود و نصاریٰ کے لیے کوئی کلیسا یا کنیسہ بنانا جائز نہیں، اور نہ ہی وہ یہاں ناقوس بجائیں گے، الا کہ جہاں صلح ہو گئی ہو۔“

یعنی جو شہر لڑائی کے بغیر مسلمانوں کی ریاست میں شامل ہوا ہو اور اہلِ کتاب سے وہاں معاہدہ ہو، وہاں اہلِ کتاب اپنی عبادت گاہ بنا سکتے ہیں، لیکن جو شہر آباد ہی مسلمانوں نے کیا ہو، جیسا کہ اسلام آباد ہے، اس میں غیر مسلموں کی کوئی عبادت گاہ تعمیر نہ کی جائے گی۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

جو مسلم حاکم نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے سے انکار کرے، اس کے بارے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَ وَلِيُّ الْأَمْرِ إِذَا تَرَكَ إِنْكَارَ الْمُنْكَرَاتِ وإقامة الحدود عليهما بِمَالٍ يَأْخُذُهُ: كَانَ بِمَنْزِلَةِ مُقَدَّمِ الْحَرَامِيَّةِ، الَّذِى

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

يُقَاسِمُ الْمُحَارِبِينَ عَلَى الْأَخِيذَةِ، وَبِمَنْزِلَةِ الْقَوَّادِ الَّذِي يَأْخُذُ مَا يَأْخُذُهُ؛ لِيَجْمَعَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَلَى فَاحِشَةٍ، وَكَانَ حَالُهُ شَبِيهًا بِحَالِ عَجُوزِ السُّوءِ امْرَأَةِ لُوطٍ، الَّتِي كَانَتْ تَدُلُّ الْفُجَّارَ عَلَى ضَيْفِهِ، الَّتِي قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى فِيهَا: ﴿ فَأَنجَيْنَٰهُ وَأَهْلَهُۥٓ إِلَّا ٱمْرَأَتَهُۥ كَانَتْ مِنَ ٱلْغَٰبِرِينَ ﴾ [الأعراف: ٨٣]. وَقَالَ تَعَالَى: ﴿ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ ٱلَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا ٱمْرَأَتَكَ إِنَّهُۥ مُصِيبُهَا مَآ أَصَابَهُمْ ﴾ [هود: ٨١]. فَعَذَّبَ اللّٰهُ عَجُوزَ السُّوءِ الْقَوَّادَةَ بِمِثْلِ مَا عَذَّبَ قَوْمَ السُّوءِ الَّذِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ الْخَبَائِثَ، وَهٰذَا لِأَنَّ هٰذَا جَمِيعَهُ أَخْذُ مَالٍ لِلْإِعَانَةِ عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، وَ وَلِيُّ الأمر إِنَّمَا نُصِبَ لِيَأْمُرَ بِالْمَعْرُوفِ، وَيَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ، وَهٰذَا هُوَ مَقْصُودُ الْوِلَايَةِ فَإِذَا كَانَ الْوَالِي يُمَكِّنُ مِنَ الْمُنْكَرِ بِمَالٍ يَأْخُذُهُ، كَانَ قَدْ أَتَى بضد المقصود، مثل مَنْ نَصَّبْتَهُ لِيُعِينَكَ عَلَى عَدُوِّكَ، فَأَعَانَ عَدُوَّكَ عَلَيْكَ، وَبِمَنْزِلَةِ مَنْ أَخَذَ مَالًا لِيُجَاهِدَ بِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَقَاتَلَ بِهِ الْمُسْلِمِينَ" (السياسة الشرعية، ص: 59,60)

"جو ولی الامر (حاکم) منکرات و جرائم کو نہیں روکے گا اور حدود کا اجرا نہیں کرے گا، بلکہ مال لے کر چھوڑ دے گا، وہ کرائے کے قاتلوں کی طرح ہے جو مال لے کر لڑائی کرتے ہیں، اور اس دلّال کی مانند ہے جو دو لوگوں کو فحاشی و عریانی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اس کا حال وہی ہوگا جو لوط علیہ السلام کی بے حیا بیوی کا ہوا، جو فاسق و فاجر لوگوں کو لوط علیہ السلام کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مہمانوں کی خبر دیتی تھی، سو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''پس ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو عذاب سے نجات دی، مگر اس کی بیوی کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔'' اور دوسرے مقام پر فرمایا: ''تو تم اپنے اہل و عیال کو لے کر راتوں رات نکل چلو اور تم میں سے کوئی مڑ کر بھی نہ دیکھے سوائے تمھاری بیوی کے: جو عذاب اوروں پر نازل ہو گا وہ اس کو بھی پہنچے گا۔'' دیکھیے اللہ تعالیٰ نے اس بدترین بڑھیا کو جو دلالی کرتی تھی، اسی عذاب میں مبتلا کیا جو اس بدترین قوم اور خبیث و جرائم پیشہ لوگوں کو دیا۔ اور یہ اس لیے کہ تمام کا تمام مال لینا دراصل اثم وعدوان کی اعانت و امداد ہے۔ اور حاکم اس لیے بنایا جاتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔ یہی حکومت اور مناصب کا اصل اسلامی مقصد ہے۔ اگر حاکم مال لے کر اور رشوت وصول کر کے کسی منکر کو پھلنے پھولنے دے گا تو گویا وہ اصل مقصدِ حکومت کے خلاف اور اس کی ضد پر قائم ہو گیا۔ اور یہ ایسا ہی ہے کہ تم نے کسی کو دشمن کے خلاف لڑنے کو بھیجا اور وہ تمھارے ہی خلاف تمھارے دشمن کی اعانت و امداد شروع کر دے۔ اور یہ بمنزلہ اس مال کے ہے کہ تم نے کسی جہاد میں خرچ کرنے کے لیے مال دیا اور وہ اسے مسلمانوں کے قتل کرنے میں ہی خرچ کر رہا ہے۔''

شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں:

''إن صلاح العباد بالأمر بالمعروف والنهي عن المنكر فإن صلاح المعاش والعباد فى طاعة اللّٰه ورسوله ولا يتم ذلك إلا بالأمر بالمعروف والنهى عن المنكر وبه صارت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

هذه الأمة خير أمة أخرجت للناس. قال الله تعالى: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ [آل عمران: ١١٠] وقال تعالى: ﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ [آل عمران: ١٠٤] وقال تعالى عن بني إسرائيل: ﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ [المائدة: ٧٩] وقال تعالى: ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ [الأعراف: ١٦٥] فأخبر الله تعالى: أن العذاب لما نزل نجى الذين ينهون عن السوء وأخذ الظالمين بالعذاب الشديد" (السياسة الشرعية، ص: 60)

"بندوں کی بہتری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ہے۔ کیونکہ بندوں اور معیشت کی بہتری اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں اور یہ (اطاعت والا کام) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کی وجہ سے یہ امت سب سے بہتر امت قرار پائی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔" اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا: "وہ ایک دوسرے کو کسی برائی سے، جو انھوں نے کی ہوتی، روکتے نہ تھے، جو وہ کیا کرتے تھے بے شک برا ہے۔" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "پھر جب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ اس بات کو بھول گئے جس کی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے منع کرتے تھے اور جنھوں نے ظلم کیا ان کو سخت عذاب میں پکڑ لیا، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔'' تو اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا ہے کہ جب عذاب نازل ہوتا ہے تو وہ لوگ بچتے ہیں جو برائی سے منع کریں اور ظالموں کو شدید عذاب کا شکار کر دیا جاتا ہے۔''

نہی عن المنکر میں سے اہم ترین کام شرک سے روکنا ہے۔ اہلِ کفر و شرک کے شعائر کو مسلمانوں کے علاقوں میں نہ پھیلنے دینا اور ان کے آگے بند باندھنا مسلم حاکم کی ذمہ داری ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''والمدينة التي يسكنها المسلمون، والقرية التي يسكنها المسلمون، وفيها مساجد المسلمين، لا يجوز أن يظهر فيها شيء من شعائر الكفر: لا كنائس ولا غيرها''

(مسألة في الكنائس، ص: 104)

''اور وہ شہر جس میں مسلمان رہتے ہوں، اور وہ بستی جس میں مسلمان رہتے ہوں، اور وہاں مسلمانوں کی مساجد ہوں تو وہاں کفر کے شعائر میں سے کچھ بھی ظاہر کرنا جائز نہیں، خواہ وہ گرجے ہوں یا کچھ اور (یعنی گردوارے یا مندر وغیرہ)۔''

فقہ شافعی

امام شافعی رحمہ اللہ:

امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی مسلم حاکم کسی غیر مسلم قوم

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سے جزیہ پہ صلح کرے تو معاہدہ میں لکھے:

"لَيْسَ لَكُمْ أَنْ تُظْهِرُوا فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ الصَّلِيبَ، وَلَا تُعْلِنُوا بِالشِّرْكِ؛ وَلَا تَبْنُوا كَنِيسَةً، وَلَا مَوْضِعَ مُجْتَمَعٍ لِصَلَاتِكُمْ، وَلَا تَضْرِبُوا بِنَاقُوسٍ، وَلَا تُظْهِرُوا قَوْلَكُمْ بِالشِّرْكِ فِي عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ، وَلَا فِي غَيْرِهِ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ" (الأم للشافعي: 209/4)

"تمھارے لیے مسلمانوں کے کسی بھی شہر میں صلیب کی نمایش کرنا روا نہ ہوگا، اور نہ ہی تم اعلانیہ شرک کرو گے، اور نہ کنیسہ بناؤ گے، اور نہ ہی اپنی نماز کے لیے کوئی جگہ (نئی) مقرر کرو گے، اور نہ ہی ناقوس بجاؤ گے، اور نہ ہی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام یا کسی اور کے بارے میں اپنی شرکیہ بات کسی بھی مسلمان کے سامنے کرو گے۔"

مزید فرماتے ہیں:

"أَنْ لَا يُسْمِعُوا الْمُسْلِمِينَ شِرْكَهُمْ وَقَوْلَهُمْ فِي عُزَيْرٍ وَعِيسَى عليهما السلام .... وأَنْ لَا يُحْدِثُوا فِي مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ كَنِيسَةً وَلَا مُجْتَمَعًا لِضَلَالَاتِهِمْ وَلَا صَوْتَ نَاقُوسٍ" (الأم للشافعی: 218/4)

"(مسلمان حاکم یہ طے کرے کہ) وہ عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام کے بارے میں مسلمانوں کو اپنا شرک نہیں سنائیں گے۔.... مسلمانوں کے کسی بھی شہر میں کنیسہ یا اپنی گمراہیوں کی اجتماع گاہ نہیں بنائیں گے اور نہ ہی ناقوس بجائیں گے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ:

خلافتِ عباسیہ میں چیف جسٹس امام ماوردی حاکم کے فرائض میں لکھتے ہیں:

"حِفْظُ الدِّينِ عَلَى أُصُولِهِ الْمُسْتَقِرَّةِ، وَمَا أَجْمَعَ عَلَيْهِ سَلَفُ الْأُمَّةِ، فَإِنْ نَجَمَ مُبْتَدِعٌ أَوْ زَاغَ ذُو شُبْهَةٍ عَنْهُ، أَوْضَحَ لَهُ الْحُجَّةَ، وَبَيَّنَ لَهُ الصَّوَابَ، وَأَخَذَهُ بِمَا يَلْزَمُهُ مِنَ الْحُقُوقِ وَالْحُدُودِ؛ لِيَكُونَ الدِّينُ مَحْرُوسًا مِنْ خَلَلٍ، وَالْأُمَّةُ مَمْنُوعَةً مِنْ زَلَلٍ" (الأحكام السلطانية: ص 40)

"مسلمان حاکم کا فریضہ ہے کہ دین کو ان مضبوط بنیادوں پر قائم رکھے جیسا کہ محمد ﷺ نے ان کو چھوڑا تھا اور اسلافِ امت نے ان پر اتفاق ہے۔ اگر کوئی بدعتی یا فتنہ پرور نمودار ہو جائے تو اس پر حق کو واضح کرتے ہوئے دلیل کو قائم کرے اور حقوق و حدود میں کوتاہی پر اس کی گرفت کرے تاکہ دین ہر قسم کے خلل سے محفوظ اور امت ہر گمراہی سے مامون رہے۔"

امام سبکی رحمہ اللہ:

امام تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی السبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لَا يَجُوزُ إِحْدَاثُ كَنِيسَةٍ فِيهَا وَكَذَلِكَ لَا تُبْقَى فِيهَا عَلَى الصَّحِيحِ" (فتاوى السبكي: 349/2)

"(مفتوحہ علاقوں میں) نیا کنیسہ بنانا جائز نہیں اور پہلے سے موجود گرجوں کو باقی رکھنا بھی جائز نہیں۔"

فقہ مالکی

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"لَا يُعْجِبُنِي أَنْ يَبِيعَ الرَّجُلُ دَارَه مِمَّنْ يَتَّخِذُهَا كَنِيسَةً وَلَا يُؤَاجِرُ دَارَه مِمَّنْ يَتَّخِذُهَا كَنِيسَةً" (المدونة: 435/3)

"مجھے یہ پسند نہیں کہ آدمی اپنا گھر کسی ایسے شخص کو بیچے جو اسے کنیسہ بنا ڈالے، اور نہ ہی کنیسہ بنانے والے کو اپنا گھر کرایہ پہ دے۔"

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال ہوا:

"هَلْ لِأَهْلِ الذِّمَّةِ أَنْ يَتَّخِذُوا الْكَنَائِسَ فِي بِلَادِ الْإِسْلَامِ؟"

"کیا ذمیوں کے لیے اسلامی سلطنت میں کنیسے بنانے کی اجازت ہے؟"

تو انھوں نے فرمایا:

"لَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُمْ شَيْءٌ أَعْطَوْهُ" (المدونة: 435/3)

"نہیں، الا کہ کوئی معاہدہ ہو تو اسے پورا کیا جائے گا۔"

امام ابوبکر طرطوشی رحمہ اللہ:

امام ابوبکر محمد بن محمد الطرطوشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأما الكنائس فإن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أمر بهدم كل كنيسة لم تكن قبل الإسلام، ومنع أن تحدث كنيسة وأمر أن لا يظهر علية خارجة من كنيسة ولا يظهر صليب خارج من كنيسة إلا كسر على رأس صاحبه، وكان عروة بن محمد يهدمها بصنعاء، وهذا مذهب علماء المسلمين أجمعين، وشدد في ذلك عمر بن عبد العزيز رضی اللہ عنہ فأمر أن لا يترك في دار الإسلام بيعة ولا كنيسة بحال قديمة ولا حديثة، وهكذا قال الحسن البصري قال: من السنة أن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تهدم الكنائس التي في الأمصار القديمة والحديثة"

(سراج الملوك، ص: 138)

"رہے کنیسے تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہر اس کنیسہ کو گرانے کا حکم دیا تھا جو اسلام سے قبل نہیں تھا۔ اور نیا کنیسہ بنانے سے منع فرما دیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ کنیسے سے باہر کوئی بالا خانہ نہ بنایا جائے اور کنیسہ سے باہر صلیب کی نمائش نہ کریں، اگر ایسا کیا تو اسے نمائش کرنے والے کے سر پہ مار کر توڑ دیا جائے گا۔ اور عروۃ بن محمد صنعاء میں انھیں گرا دیتے تھے، اور یہ تمام تر مسلمان علماء کا مذہب ہے۔ بلکہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس بارے میں سختی کی اور حکم جاری فرمایا کہ اسلامی سلطنت میں کوئی کلیسا یا کنیسہ نیا ہو یا پرانا کسی بھی صورت نہ چھوڑا جائے، اور اسی طرح حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نئے اور پرانے شہروں میں موجود کنیسے گرا دینا سنت ہے۔"

امام ابن الماجشون رحمہ اللہ:

علامہ ابن الماجشون رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لا تحدث كنيسة في بلد الإسلام، وأما إن كانوا أهل ذمة منقطعين عن بلد الإسلام ليس بينهم مسلمون، فذلك لهم، ولهم إدخال الخمر وكسب الخنازير، وأما بين المسلمين فيمنعون من رم كنائسهم القديمة إذا رثت، إلا أن يكون ذلك شرطاً في عهدهم فيوفى لهم، ويمنعون من الزيادة الظاهرة والباطنة .... وهذا في أهل الصلح، فإما في أهل العنوة فلا يترك لهم عند ضرب الجزية عليهم كنيسة إلا هدمت،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثم لا يحدثوا كنيسة وان كانوا معتزلين عن بلد الإسلام"

(النَّوادر والزِّيادات على مَا في المدَوَّنة من غيرها من الْامهاتِ: 376/3)

"اسلامی مملکت میں کوئی نیا کنیسہ نہیں بنایا جائے گا۔ ہاں اگر ذمی لوگ اسلامی شہروں سے دور رہتے ہوں جہاں مسلمان موجود نہ ہوں تو ان کے لیے یہ جائز ہے، اور شراب اور خنزیر رکھنے کی بھی انھیں اجازت ہو گی۔ اور اگر وہ مسلمانوں کے درمیان رہتے ہوں تو انھیں پرانے گرجوں کی ٹوٹ پھوٹ کے بعد ان کی اصلاح کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی، الا کہ ان کے ساتھ معاہدے میں یہ طے پا جائے تو ان سے وعدہ وفا کیا جائے گا۔ اور انھیں ان (گرجوں) میں ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے اضافہ کرنے سے منع کیا جائے گا .... اور یہ اہلِ صلح کے احکام ہیں۔ جبکہ جن سے لڑائی کے بعد فتح حاصل کی گئی تو ان پہ جزیہ عائد کرتے ہوئے ان کا کوئی کنیسہ نہ چھوڑا جائے اور نہ مزید نیا کنیسہ تعمیر کرنے کی اجازت ہو گی، خواہ وہ مسلمانوں کے شہروں سے الگ ہی رہتے ہوں۔"

فقہ حنفی

امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لا ينبغي أن يتركوا أن يحدثوا بِيعة ولا كنيسة إلا ما كان من كنيسة أو بيعة قديمة فصاروا ذمة وهي بيعة لهم أو كنيسة وهي في غير مصر من أمصار المسلمين؛ ولا أن يتركوا أن يسكنوا في مصر من أمصار المسلمين؛ لأن رسول الله ﷺ أجلاهم من المدينة، وجاء عن علي رضی اللہ عنہ أيضاً أنه أجلاهم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

من الكوفة .... ولا ينبغى أن يتركوا أن يبنوا بِيعة ولا كنيسة ولا بيت نار فى مصر من أمصار المسلمين ولا فى غير مصر من دار المسلمين، وإن كان هم كنيسة أو بِيعة أو بيت نار فصولحوا عليه فكان ذلك فى غير مصر ترك ذلك لهم، وإن انهدم ذلك تركوا أن يعيدوه، وإن اتخذ المسلمون فى ذلك الموضع مصراً أخذوا وهدمت بيعهم وكنائسهم من ذلك الموضع، وتركوا أن يبنوا مثلها فى غير المصر، وبهذا القول نأخذ" (الأصل المعروف بالمبسوط: 550,549/7)

"اہلِ کتاب کو مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر یا کسی بھی آبادی میں کلیسا یا کنیسہ بنانے کی اجازت دینا جائز نہیں ہے۔ الا کہ اگر ان کا کوئی کلیسا، یا کنیسہ پہلے سے موجود ہو، پھر وہ ذمی بن جائیں اور وہ مسلمانوں کے شہر میں نہ ہو۔ اور انھیں مسلم آبادی والے شہر میں رہائش پذیر نہیں رہنے دیا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں مدینہ سے نکال دیا تھا۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ آئے تو انھوں نے انھیں کوفہ سے بھی نکال دیا تھا .... اور یہ جائز نہیں ہے کہ انھیں مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں کلیسا یا کنیسہ یا آتش کدہ بنانے کے لیے کھلا چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر ان کا کوئی کلیسا یا کنیسہ یا آتش کدہ پہلے سے موجود ہو، پھر اس پر صلح ہو جائے اور وہ شہر میں نہ ہو، تو اسے ان کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ منہدم ہو جائے تو انھیں تعمیر نو کی اجازت ہو گی۔ لیکن اگر مسلمان اس جگہ شہر آباد کر لیں تو اس جگہ سے ان کے کلیسے اور کنیسے گرا دیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائیں گے، اور انھیں کسی اور جگہ شہر سے باہر اسی طرح کا (کلیسا یا کنیسہ) بنانے کی اجازت ہوگی۔ اور اسی پر ہمارا فتویٰ ہے۔“

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ:

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”لَا يَجُوزُ إِحْدَاثُ كَنِيسَةٍ فِي الْقُرَى وَمَنْ أَفْتَى بِالْجَوَازِ فَهُوَ مُخْطِئٌ وَيُحْجَرُ عَلَيْهِ“

(رد المحتار على الدر المختار المعروف فتاوى شامى: 202/4)

”بستیوں میں نیا کنیسہ بنانا جائز نہیں ہے اور جو اس کے جواز کا فتویٰ دے وہ غلطی پر ہے اور اس پہ (فتوی دینے پر) پابندی لگا دی جائے گی۔“

علامہ نسفی رحمہ اللہ:

علامہ ابو البرکات نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لا تحدث بيعةٌ ولا كنيسةٌ في دارنا“ (كنز الدقائق، ص: 385)

”اور ہمارے (مسلمانوں کے) علاقے میں کوئی نیا کلیسا یا کنیسہ تعمیر نہیں کیا جائے گا۔“

آئین پاکستان:

پاکستان ایک اسلامی جمہوریہ ہے۔ آئین پاکستان میں پہلا نکتہ ہی یہ ہے:

”اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکم مطلق ہے۔ اُس نے جمہور کے ذریعے مملکت پاکستان کو جو اِختیار سونپا ہے، وہ اُس کی مقررہ حدود کے اندر مقدس امانت کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔

جس کا ماحصل یہ ہے کہ کوئی بھی پاکستانی حکومت، عدلیہ، مقننہ یا انتظامیہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالی کی مقرر کردہ حدود سے سرِمو انحراف نہیں کر سکتی۔ اگر ایسا کیا تو یہ آئین سے غداری متصور ہو گی۔"

1954ء کے پاکستان کے اولین مسودۂ دستور جسے 1956ء میں حتمی شکل دی گئی، اس کے تیسرے باب کے آرٹیکل 4 میں کہا گیا تھا کہ قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون سازی نہ کی جائے۔ اور اس سے متصل آرٹیکل 5 میں یہ وضاحت کی گئی کہ قرآن وسنت کی وضاحت کے لیے متعلقہ فرقے کی مسلمہ وضاحت قابل قبول ہوگی۔ اور اسی کے ذریعہ ہی ملکی دستوری تاریخ میں پہلی مرتبہ مملکت کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان قرار پایا۔ 1973ء کے دستور میں اسے باقی رکھا گیا اور آئین پاکستان مجریہ 1973ء کی دفعہ نمبر 2 کے مطابق پاکستان کا ریاستی مذہب اسلام قرار دیا گیا ہے۔ اس آرٹیکل کا بالصراحت مطلب یہ ہے کہ ریاستی امور اسلام کے مطابق چلائے جائیں گے۔ اس سے مراد محض انفرادی امور میں اسلام کے عمل دخل کا اقرار لیا جائے تو ریاستی سطح پر اس اقرار کی ضرورت سرے سے پیدا نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ قانون سازی کرتے وقت اسلامی اصولوں کو پیشِ نظر رکھا جائے گا۔ اس کے آرٹیکل 19 میں شہریوں کا تقریر اور اظہار کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پریس آزاد ہوگا۔ لیکن اس بنیادی حق کو اسلام کی عظمت کی خاطر عائد کردہ معقول قانونی بندشوں کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔

تو جب پاکستان ایک اسلامی ملک ہے جس میں حاکمِ اعلی اللہ تعالی کو تسلیم کیا گیا ہے اور سپریم لاء کتاب وسنت کو قرار دیا گیا ہے تو ایسے ملک میں نہی عن المنکر کے بالکل الٹ منکرات کے مواقع فراہم کرنا، بلکہ منکرات میں سے سب سے بڑے منکر یعنی شرک باللہ کے لیے راہیں ہموار کرنا اور بت کدے تعمیر کرنا، شریعتِ اسلامیہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعلیمات اور آئینِ پاکستان کی صریح خلاف ورزی ہے۔

قادیانی لٹریچر پھیلانے کا حکم:

سوال ایک مقدمہ میں ملزمان گرفتار ہوئے ہیں جن سے درج ذیل کتب برآمد ہوئی ہیں:

① تفسیر مرزا غلام احمد قادیانی۔

② تفسیر صغیر از مرزا بشیر الدین محمود خلیفہ ثانی۔

③ ترجمہ مرزا طاہر احمد خلیفہ رابع۔

④ ترجمہ مولوی شیر علی۔

اس بابت آپ کی رائے مطلوب ہے کہ یہ ترجمہ قرآن میں تحریف کی گئی ہے اور اگر کی گئی ہے تو یہ کس نوعیت کی ہے؟

① کیا ترجمہ قرآن میں تحریف کرنا تحریفِ قرآن کے زمرے میں آتا ہے کہ نہیں؟

② تحریفِ قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ کے کیا احکامات ہیں؟

③ تحریفِ قرآن کرنے والے ملزمان کے متعلق شریعت سے کیا حکم ملتا ہے؟

④ تحریف شدہ ترجمہ قرآن پاک کو پرنٹ کرنے والے، تقسیم کرنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

تحریف دو طرح کی ہوتی ہے: ایک لفظ میں تبدیلی کر دینا۔ دوسرا: لفظ کو اسی حالت میں رہنے دینا، لیکن اس کے معنی میں ہیر پھیر کر دینا۔

امام خلیل بن احمد الفراہیدی لکھتے ہیں:

”والتحريف في القرآن تغيير الكلمة عن معناها“

(العين: 210/4)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”قرآنِ کریم میں تحریف کا مطلب یہ ہے کہ کلمات کے معانی تبدیل کر دینا۔“

شریعت میں تحریف جیسی خصلتِ بد اور جرمِ عظیم میں یہودی بہ کثرت مبتلا تھے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں اس کا بالخصوص ذکر ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ [البقرة: ٧٥]

”ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کلام اللہ کو سن کر، سمجھ کر، علم رکھنے کے باوجود بدل ڈالتے ہیں۔“

مزید فرمایا:

﴿مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ﴾ [النساء: ٤٦]

”بعض یہود کلمات کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں۔“

ایک اور آیت میں ہے:

﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ﴾ [المائدة: ١٣]

”وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں۔“

اسی طرح فرمایا:

﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا﴾ [المائدة: ٤١]

”وہ کلمات کے اصلی موقع کو چھوڑ کر انھیں متغیر کر دیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تم یہی حکم دیے جاؤ تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ دیے جاؤ تو الگ تھلگ رہنا۔“

کسی عام شخص کے بیان میں تبدیلی کرنا بہت بڑا جرم ہے، جبکہ اللہ کے کلام

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں تبدیلی و تحریف تو کبائر میں سے ہے اور ایسے لوگوں کے متعلق اللہ کا یہ فیصلہ ہے:

﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾

[المائدة: ٤١]

"ان کے لیے دنیا میں بھی بڑی ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بڑی سخت سزا ہے۔

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [النساء: ٤٦]

"اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے انھیں لعنت کی ہے۔ پس یہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔"

مذکورہ حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوئی کہ لفظ کو بدلنا تو تحریف ہے ہی، اس کے معنی اور ترجمہ میں تبدیلی بھی تحریف ہی کہلاتی ہے، اور ایسا شخص دنیا و آخرت میں رسوائی اور عذاب کا مستحق ہے، اور ایسے شخص کے دل سے حلاوتِ ایمان ختم ہو کر اس کی جگہ کفر لے لیتا ہے۔

تحریف شدہ تراجمِ قرآنِ کریم کو پرنٹ کرنے والے اور ان کی نشر و اشاعت کرنے والے بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔

سوال میں مذکورہ لوگ قادیانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ لوگ تمام امت کے نزدیک کافر ہیں، ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ آئینِ پاکستان کے مطابق بھی یہ گروہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور انھیں اپنے مذہب کی نشر و اشاعت اور عبادات کے اظہار کی قطعی طور پر اجازت نہیں ہے۔ ان کے مذکورہ تراجم و تفاسیر بھی کفر اور تحریف سے خالی نہیں ہیں۔ کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

① ﴿وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾ [البقرة: ٤]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرزا بشیر الدین اس آیت میں تحریف کرتے ہوئے آخرت کی جگہ پر مرزا غلام قادیانی کی وحی پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے۔ (تفسیر صغیر سورۃ بقرہ آیتِ مذکورہ) جبکہ مرزا نے آخرت سے مراد مسیح موعود کی وحی لی ہے۔ (تفسیر مرزا ص: 445 جلد اول)

٢ ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾

[النساء: ٦٩]

قادیانی عقیدے کے مطابق کوئی بھی انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کر کے نبوت جیسا عہدہ بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اس عقیدے کو مذکورہ بالا آیت کے ترجمہ میں تحریف کر کے ثابت کیا گیا ہے۔ جس سے آپ ﷺ کی امتیازی شان و مرتبہ، ختم نبوت کی نفی کی گئی ہے۔ مرزا بشیر الدین کے الفاظ یہ ہیں:

"اور جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین، اور شہداء اور صالحین (میں) اور یہ لوگ (بہت ہی) اچھے رفیق ہیں۔" (تفسیر صغیر: 120)

اور مرزا طاہر احمد اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متابعت میں نبی بھی آ سکتا ہے۔

٣ ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾

[بني إسرائيل: ١]

اس آیت کی تفسیر میں مرزا غلام قادیانی، مرزا بشیر الدین، مولوی شیر علی، مرزا طاہر نے اِسراء اور معراجِ جسمانی کا انکار کر کے تحریف کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

④ ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [الأحزاب: ٤٠]

اس آیت کی تفسیر میں مرزا بشیرالدین آیت کے اصل حکم کو مسخ کرتے ہوئے نبوت کے جاری ہونے کو بیان کرتا ہے۔ اس تحریف شدہ تفسیر سے اس آیت کے نزول کے مقصد کو مسخ کیا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

''یعنی آپ کی تصدیق کے بغیر اور آپ کی تعلیم کی شہادت کے بغیر کوئی شخص نبوت یا ولایت کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ لوگوں نے نبیوں کی مہر کی جگہ آخری نبی کے معنی لیے ہیں، مگر اس سے بھی ہماری پوزیشن میں فرق نہیں آتا۔''

⑤ ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ [آل عمران: ١٤٤]

مولوی شیر علی کے ترجمہ میں اس آیت کے معنی میں تحریف کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"And Muhammad is onlya Messenger Verily, all Messengers have passedaway before him."

گویا اس سے اس نے وفاتِ مسیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ مرزا کو مسیح بنا سکے۔

قرآنِ کریم کے ساتھ یوں کھلواڑ کرنے والوں کو روکنا اربابِ اقتدار کی ذمہ داری ہے۔ مشہور قاضی ابو یعلی الفراء رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''وإن وجد فيمن يتصدى لعلم الشرع من ليس مِنْ أَهْلِهِ، مِنْ فَقِيهٍ أَوْ وَاعِظٍ، وَلَمْ يأمن اغترار النَّاسِ بِهِ فِي سُوءِ تَأْوِيلٍ، أَوْ تَحْرِيفِ جواب، أنكر عليه التصدى لما ليس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مِنْ أَهْلِهِ، وَأَظْهَرَ أَمْرَهُ، لِئَلَّا يُغْتَرَّ بِهِ.... وكذلك لَوْ ابْتَدَعَ بَعْضُ الْمُنْتَسِبِينَ إِلَى الْعِلْمِ قَوْلًا خَرَقَ بِهِ الْإِجْمَاعَ وَخَالَفَ فِيهِ النَّصَّ وَرَدَّ قَوْلَهُ عُلَمَاءُ عَصْرِهِ أَنْكَرَهُ عَلَيْهِ وَزَجَرَهُ عَنْهُ، فَإِنْ أَقْلَعَ وَتَابَ وَإِلَّا فَالسُّلْطَانُ بِتَهْذِيبِ الدِّينِ أحق، وإذا انفرد بَعْضُ الْمُفَسِّرِينَ لِكِتَابِ اللّٰهِ تَعَالَى بِتَأْوِيلٍ عَدَلَ فِيهِ عَنْ ظَاهِرِ التَّنْزِيلِ إِلَى بَاطِنِ بِدْعَةٍ، متكلف لَهُ غَمْضَ مَعَانِيهِ.... كَانَ عَلَى الْمُحْتَسِبِ إِنْكَارُ ذَلِكَ" (الأحكام السلطانية له، ص: 293)

"اگر شرعی علم میں نااہل فقیہ، واعظ وغیرہ کود پڑیں، اور ان کی تاویلات وتحریفات کی وجہ سے لوگوں کی گمراہی کا امکان ہو، تو ایسے شخص کی نقاب کشائی کرنا، اور اسے روکنا ضروری ہے، تاکہ لوگ دھوکے سے محفوظ رہیں۔ اسی طرح اگر کسی نے خلاف اجماع رائے بیان کی اور صریح نصوص کی تردید کی اور علمائے کرام نے اس کی تردید و مذمت کر دی تو حاکم وقت کو ایسے شخص کو روکنا اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ باز آجائے تو ٹھیک، ورنہ حاکم کو اختیار ہے کہ وہ دین کی حمایت کے لیے مناسب اقدام کرے۔ اسی طرح اگر کسی نے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے واضح معانی کو چھوڑ کر دوراز کار تاویل وتحریف کی تو اربابِ احتساب کی طرف سے اس کو روکنا ضروری ہے۔"

بلکہ اگر غیر مسلموں کو بھی اسلامی ملک میں رہنے کی اجازت دینی ہے تو ان کے ساتھ معاہدہ کرتے ہوئے انھیں یہ شرط منوانا ضروری ہے کہ وہ کتاب اللہ پر کسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قسم کا طعن یا اس میں تحریف نہیں کریں گے، اور اہلِ اسلام کو ان کے دین سے بھٹکانے سے گریز کریں گے۔ (الأحكام السلطانية للماوردي، ص: 225)

اگر ہم تاریخ کا جائزہ لیں تو خلفائے راشدین اور مسلمان حکمرانوں نے تمام دنیا میں قرآن پاک کو لفظی اور معنوی تحریف سے ہر دور میں محفوظ رکھنے میں اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے ادا کرتے ہوئے اسلام دشمن قوتوں، نبوت کے جھوٹے دعوے داروں اور دیگر فتنوں کی سرکوبی کی۔ کیونکہ چاہے یہ نبوت کا جھوٹا دعوے دار مسیلمہ کذاب ہو یا دیگر کوئی اور، ان تمام فتنوں نے قرآن پاک کی معنوی تحریف کے ذریعے ہی اپنے باطل نظریات کو سہارا دینے کی سعی لا حاصل کی ہے۔ بطور مثال چند ایک کا ذکر درج ذیل ہے:

مسیلمہ کذاب نے نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، اور "بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمَٰنِ الرَّحِيمِ" وغیرہ آیات میں آنے والی اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمان میں معنوی تحریف کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ اس سے مراد میں ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے اس کا قلع قمع کرنے کے لیے لشکر روانہ فرمایا، پھر بعد میں خلافت صدیقی میں ایک بڑی جنگ کے بعد اس فتنے کا خاتمہ ہوا۔

مغیرہ بن سعید عجلی نامی ایک مدعی نبوت تھا، اس نے ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى﴾ [الأعلى: ١] جیسی کچھ آیات کی معنوی تحریف کی، تو اس وقت کے گورنر خالد بن عبداللہ قسری نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔

(تاريخ طبري: 128/7، تاريخ ابن كثير: 323/9)

اسی طرح ایک اور بدبخت بیان بن سمعان تمیمی تھا، اس نے قرآن کریم کی بعض وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا ذکر ہے، ان میں تحریف معنوی کرتے ہوئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہا کہ اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسے بھی اس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔
(تاريخ الاسلام للذهبي: 214/3، الفرق بين الفرق: 228)

روافض کے بارے میں ہمارا عقیدہ:

سوال روافض کے بارے میں علماء کا عقیدہ کیا ہے؟ رہنمائی کی درخواست ہے۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

متقدمین کے دور میں دو الگ الگ اصطلاحات تھیں:

① تشیع (شیعیت) ② رفض (رافضیت)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل علي على عثمان، وأن عليا كان مصيبا في حروبه وأن مخالفه مخطئ مع تقديم الشيخين وتفضيلهما، وربما اعتقد بعضهم أن عليا أفضل الخلق بعد رسول الله ﷺ وإذا كان معتقد ذلك ورعا دينًا صادقا مجتهدا فلا ترد روايته بهذا، لا سيما إن كان غير داعية، وأما التشيع في عرف المتأخرين فهو الرفض المحض فلا تقبل رواية الرافضي الغالي ولا كرامة“ (تهذيب التهذيب: 243/1) ط: دار البر)

”متقدمین کی اصطلاح میں شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو مقدم اور افضل سمجھتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھنے کا عقیدہ رکھنا، اور علی رضی اللہ عنہ کو جنگوں میں برحق سمجھنا اور ان کے مخالفین کو خطا کار سمجھنا تشیع کہلاتا ہے۔ اور کبھی ان میں سے کچھ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مخلوق میں سب سے افضل ہیں، ایسا اعتقاد رکھنے والا جب دیندار متقی اور سچا مجتہد ہو تو اس کی روایت اس (عقیدے کی) وجہ سے رد نہیں کی جائے گی، بالخصوص جب وہ (اپنے اس عقیدے کی طرف) دعوت دینے والا نہ ہو۔ اور متاخرین کی اصطلاح میں تو رافضیت کو تشیع کہا جاتا ہے، سو رافضی کی روایت نا قابلِ قبول ہے اور اس کے ساتھ کوئی رو رعایت نہیں رکھی جائے گی۔"

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لَيسَ تَفْضِيلُ عَلِيٍّ بِرَفضٍ، وَلَا هُوَ ببدعة، بَلْ قَدْ ذَهبَ إِلَيهِ خَلقٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، فَكُلٌّ مِنْ عُثْمَانَ وَعلِيٍّ ذُوْ فَضْلٍ وَسَابِقَةٍ وَجِهَادٍ، وَهُمَا مُتَقَارِبَانِ فِيْ العِلْمِ وَالجَلَالَة، وَلعلَّهُمَا فِيْ الآخِرَةِ مُتساوِيَانِ فِيْ الدَّرَجَةِ، وَهُمَا مِنْ سَادَةِ الشُّهَدَاءِ رضي الله عنهما، وَلَكِنَّ جُمْهورَ الْأُمَّةِ عَلَى تَرَجيحِ عُثْمَانَ عَلَى الإِمَامِ عَلِيٍّ، وَإِلَيْهِ نَذْهَبُ، وَالخَطْبُ فِيْ ذَلِكَ يَسِيرٌ، وَالْأَفْضَلُ مِنْهُمَا ـبِلَا شكٍّـ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ، مَنْ خَالفَ فِيْ ذَا فَهُوَ شِيعِيٌّ جَلدٌ، وَمَنْ أَبغضَ الشَّيْخَيْنِ وَاعتقدَ صِحَّةَ إِمَامَتِهِمَا فَهُوَ رَافِضِيٌّ مَقِيتٌ، وَمَنْ سَبَّهُمَا وَاعتقدَ أَنَّهُمَا لَيْسَا بِإِمَامَيْ هُدَى فَهُوَ مِنْ غُلَاةِ الرَّافِضَةِ أَبعدَهُم اللّٰهُ" (سير أعلام النبلاء: 458/16)

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے) افضل قرار دینا رافضیت نہیں ہے اور نہ ہی یہ بدعت ہے! بلکہ صحابہ وتابعین کی ایک جماعت کا یہ عقیدہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ سیدنا عثمان و علی رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک نمایاں خوبیوں کا مالک اور مجاہد ہے۔ اور دونوں علم اور جلالتِ قدر میں بھی قریب قریب ہیں، اور شاید کہ آخرت میں وہ درجے کے اعتبار سے بھی برابر ہوں، اور دونوں ہی شہداء میں سے ہیں رضی اللہ عنہما۔ لیکن جمہورِ امت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ پہ ترجیح دینے کے قائل ہیں اور ہمارا بھی یہی موقف ہے۔ خیر یہ کوئی بڑی بات نہیں، البتہ بلا شک وشبہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں سے افضل ہیں، جو اس کی مخالفت کرے وہ کٹر شیعہ ہے، اور جو شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے بغض رکھے لیکن ان کی امامت کو صحیح سمجھے تو وہ رافضی ہے، اور جو ان دنوں کو برا کہے اور یہ اعتقاد رکھے کہ یہ دونوں ائمہ ہدایت نہیں تھے، تو وہ غالی رافضیوں میں سے ہے۔ اللہ انھیں غارت کرے۔"

مزید فرماتے ہیں:

"إن البدعة على ضربين: فبدعة صغرى كغلو التشيع، أو كالتشيع بلا غلو ولا تحرُّق، فهذا كثير في التابعين وتابعيهم مع الدين والورع والصدق، ثم بدعة كبرى، كالرفض الكامل والغلو فيه، والحط على أبي بكر وعمر رضي الله عنهما، والدعاء إلى ذلك، فهذا النوع لا يحتج بهم ولا كرامة، وأيضا فما أستحضر الآن في هذا الضرب رجلا صادقا ولا مأمونا، بل الكذب شعارهم، والتقية والنفاق دثارهم، فكيف يقبل نقل من هذا حاله! حاشا وكلا، فالشيعي الغالي في زمان السلف وعرفهم هو من تكلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

في عثمان والزبير وطلحة ومعاوية وطائفة ممن حارب عليا رضي الله عنه، وتعرض لسبهم، والغالي في زماننا وعرفنا هو الذى يكفر هؤلاء السادة، ويتبرأ من الشيخين أيضا، فهذا ضال معثر" (میزان الاعتدال: 49/1 بتصرف یسیر)

"بدعت کی دو قسمیں ہیں: ایک ہے بدعتِ صغری جیسا کہ تشیع میں غلو کرنا ہے، یا مثلاً غلو اور تعصب کے بغیر تشیع، سو یہ تو تابعین اور تبع تابعین میں ان کے تدین وتقوی وصدق کے باوجود بکثرت تھا۔ دوسری قسم بدعتِ کبریٰ ہے، جیسا کہ کامل رافضیت اور اس میں غلو، اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پہ زبان درازی کرنا اور اس (بدعت) کی دعوت دینا تو اس قسم (کے لوگوں) کا اعتبار کسی طور نہیں کیا جا سکتا۔ اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ابھی تک اس قسم کا کوئی آدمی میں نے سچا اور امانت دار نہیں پایا! بلکہ جھوٹ ہی ان کا اوڑھنا اور تقیہ و نفاق ان کا بچھونا ہے۔ جس کی یہ حالت ہو اس کی روایت کیسے قابلِ قبول ہوگی؟

"تو سلف کے زمانے اور عرف میں غالی شیعہ اسے کہا جاتا تھا جو سیدنا عثمان، زبیر، طلحہ، معاویہ رضی اللہ عنہم اور جو لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف برسرِ پیکار رہے، ان کے بارے میں نکتہ چینی کرتا اور انھیں برا کہتا تھا۔ اور ہمارے زمانے میں غالی وہ ہے جو ان سادات کو کافر قرار دیتا ہے اور ساتھ شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے بیزاری ظاہر کرتا ہے، تو یہ گمراہ اور راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے۔"

حافظین (ابن حجر و ذہبی رحمہما اللہ) کے اس کلام سے روافض کے بارے میں سلف کا اعتقاد واضح ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم

انجینئر مرزا محمد علی جہلمی کے عقائد وافکار:

سوال عصرِ حاضر میں سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ پر ایک شخص مرزا محمد علی جہلمی کے نام سے معروف ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ دین اور دیگر مسلمہ عقائد سے متعلق اس کے کئی ایک بیانات اور ویڈیوز مشہور ہیں۔ کئی ایک علما کا خیال ہے کہ ایسے شخص کو نظر انداز کرنا چاہیے اور یہ فتنہ مرورِ زمانہ کے ساتھ خود بخود ختم ہو جائے گا، لیکن بہت سارے علماء کا یہ خیال ہے کہ چونکہ عوام کا مطالبہ ہے کہ اس شخص کی اصلیت واضح کی جائے، اس لیے اس کے عقائد ونظریات کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے متعلق ایک متفقہ بیان جاری ہونا چاہیے۔

ذیل میں ہم مرزا مذکور کے کچھ بیانات ونظریات ذکر کرتے ہیں، تاکہ علمائے کرام ومفتیانِ عظام ان کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے متعلق رہنمائی کرسکیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین:

- ''سقیفہ بنی ساعدہ میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب بہت بڑی غلطی تھی، جس کی وجہ سے امت کی بربادی اور خون ریزی ہوئی۔ اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ آج زندہ ہوں تو خود اس انتخاب پر خون کے آنسو روئیں۔''
- ''اسلام کی اصل سیاسی روح کے مطابق خلافت صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔''
- ''سب صحابہ کرام سے اللہ راضی نہیں ہوا۔ اللہ کی رضامندی کا سرٹیفکیٹ صرف بیعتِ رضوان والے چودہ سو صحابہ کرام کے لیے ہے۔ سب صحابہ سے اللہ کو راضی سمجھنا قرآن کی معنوی تحریف ہے۔''
- ''سب صحابہ جنتی نہیں۔ سورۃ الحدید، آیت 10 میں ﴿ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

[الحدید: ١٠] (اللہ نے سب صحابہ سے جنت کا وعدہ کیا ہے) کا معنی یہ ہے کہ (اپنے اعمال کی سزا بھگت کر) آخر کار صحابہ جنت میں چلے جائیں گے۔''

- ''فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے والے صحابہ کرام نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا۔''
- ''آج موبائل سے دیکھ کر قرآن پڑھنے والے کو زبانی قرآن پڑھنے والے صحابہ کرام سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔''
- نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد بہت سے صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔ حوضِ کوثر سے روکے جانے والے وہی ہوں گے جو نبی کریم ﷺ کی زندگی میں صحابی تھے۔''
- ''وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کچھ صحابہ کرام سے ناراض تھے اور ناراضی کی حالت میں ہی فوت ہوئے۔''
- ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کرنے والے صحابہ کے بارے میں دِل صاف نہیں ہے، ان کے بارے میں دل میں رنج ہے۔''
- ''جنگِ جمل وصفین میں صحابہ کرام کے باہمی اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ جو واقعی امام بھی تھے اور خلیفہ راشد بھی تھے، ان کی بیعت نہیں کی، وہ واقعی جاہلیت کی موت مرے۔''
- ''نبی کریم ﷺ نے ایک دعوت کھڑی کی، کتنا آپ نے تزکیہ کیا، لیکن تیس سال بعد جب اس دعوت میں دراڑیں پڑی ہیں، وہ کس بنیاد پر پڑی ہیں؟ مال کے فتنے کی وجہ سے۔'' (یعنی صحابہ کرام کا باہمی اختلاف مال کی بنا پر تھا، اجتہادی نہ تھا)
- ''صحیح مسلم میں بارہ منافقین کا ذکر ہے، جن میں سے آٹھ منافقین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ دُبَیلہ پھوڑے سے مریں گے، آپ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاثر یہ دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ آٹھوں یا اُن میں سے کچھ وہ ہیں جنھیں اہلِ سنت صحابہ کہتے ہیں۔"

- ''موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سب سے بڑے معاون ہارون علیہ السلام تھے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس لیول کے معاون نہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے، نہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، بلکہ صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔"
- ''روحانی طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں، جب کہ سیاسی طور پر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں۔"
- ''نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد حقِ ولایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا تھا۔"
- ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کا موقف بالکل درست تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اپنی غلطیوں کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا گھیراؤ کیا اور شہید کیا۔"
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نظامِ خلافت کو چلانے میں بہت سی غلطیاں کیں، جن کی وجہ سے لوگ ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔"
- ''خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام نے صحابیت سے نکال دیا۔"
- ''صحابہ پر لعنت کرنا معاویہ کا جاری کردہ طریقہ ہے۔ میں اسے بدعت کہنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتا۔"
- ''معاویہ رضی اللہ عنہ اہلِ بیت پر لعنت کرتے اور کرواتے تھے۔"
- سیدنا معاویہ، سیدنا مغیرہ بن شعبہ، سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے ''امت نال کم پایا اے" (یعنی انھوں نے پوری امت کو بہت بڑا دھوکا دیا ہے)۔
- ''کتابتِ وحی کوئی فضیلت نہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ سفارشی بھرتی ہوئے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- ”میں حضرت معاویہ کے نام کے ساتھ ”رضی اللہ عنہ“ کہتا ہوں تو یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ ان پر راضی ہو چکا ہے۔“
- ”اہلِ سنت کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت، یہ آگ اور پانی ہیں، ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔“
- ”معاویہ رضی اللہ عنہ بہت سے معاملات میں جان بوجھ کر سنت کی مخالفت کرتے اور کرواتے تھے، لوگ ان سے ڈر کر بھی سنت کی مخالفت کرتے تھے۔“

ائمہ دین اور اہلِ سنت سے دشمنی:

- ”امام ترمذی ناصبیت اور فرقہ واریت کی بیماری میں مبتلا تھے اور تابعی امام ابراہیم نخعی کے دل میں بنو امیہ نے بغضِ اہلِ بیت بھر دیا تھا۔“
- ”محمد بن قاسم ہندوستان میں اسلام کے غلبے کے لیے نہیں، بلکہ اہلِ بیت کے افراد پر ظلم ڈھانے آیا تھا۔“
- ”امام بخاری حدیث گول کر گئے۔۔۔ بنو امیہ سے ڈرتے تھے۔۔۔ لیکن حدیثیں چھپ تو نہیں سکتی تھیں، بعد والوں نے پوری بیان کر دیں۔۔۔“
- جو ائمہ مشاجراتِ صحابہ کے بیان سے روکتے ہیں، ان کے ختنے چیک کرنے چاہییں کہ وہ مسلمان بھی ہیں یا نہیں؟“
- ”گستاخِ رسول کی سزا قتل نہیں۔ ابن تیمیہ نے شاتمِ رسول کی سزا کے قتل ہونے پر جو کتاب (الصارم المسلول) لکھی ہے، آج اگر وہ زندہ ہوتے تو اس کتاب کی وجہ سے میں ان پر انٹرنیشنل عدالت میں مقدمہ کرتا۔“
- ”لا تسبوا أصحابي“ اور ”وكان يكتب الوحي“ اتنی حدیث بیان کرنے والے علمائے اہلِ سنت (دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث سب) علمی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

خائن، چور، یہودی کردار والے ہیں۔

قادیانیت وغامدیت نوازی:

- ''قادیانی اہلِ کتاب سے بہتر ہیں۔''
- ''مرزا غلام احمد قادیانی نے صراحتاً کہیں بھی دعوائے نبوت نہیں کیا۔''
- ''غامدی صاحب حق گو عالمِ دین ہیں۔''
- ''موسیقی، سود، گستاخِ رسول کی سزا وغیرہ میں غامدی صاحب کو سنیں۔''
- غیر نبی کا مباہلہ کرنا دعوائے نبوت کے مترادف ہے، مباہلہ صرف نبی ہی کر سکتا ہے۔''

رافضیت نوازی:

سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں عموما اور بعض صحابہ کرام کے بارے میں خصوصاً ان کے نظریات روافض سے مستعار تو ہیں ہی، جیسا کہ شروع میں بیان ہو چکا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ درج ذیل معاملات میں بھی رافضیت نوازی سے خوب کام لیا ہے:

- ''وقتِ افطار کے بارے میں روافض کا موقف درست ہے، چوبیس منٹ تک تاخیر بالکل درست اور نا قابلِ قدغن ہے۔''
- ''روافض مٹی کی ٹھیکری پر سجدہ کرتے ہیں۔ یہ عمل سنت کے زیادہ مطابق ہے۔''
- ''نہج البلاغہ میں اہلِ سنت کی کتبِ حدیث (بشمول صحیح بخاری) سے بھی بڑھ کر توحید بیان ہوئی ہے۔''

نوٹ: یہ سب عقائد ونظریات مرزا صاحب کی ویڈیوز اور تحریرات سے لیے گئے ہیں اور ان میں کوئی بھی بات سیاق وسباق سے ہٹا کر بیان نہیں کی گئی۔ یہ سب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور مزید باتیں مرزا صاحب کی اپنی زبان سے سننے کے لیے درج ذیل لنک کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے: https://youtube/FQfeMnLPAPQ

(مستفتی: حافظ ابو یحییٰ نور پوری)

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

مذکورہ عقائد و نظریات رکھنے والا شخص ایک بدعتی اور گمراہ انسان ہے، اس کا اہلِ سنت و اہلِ حدیث اور منہجِ سلف سے کوئی تعلق نہیں۔

اس شخص نے کئی ایک صحابہ کے نام لے کر مثلاً: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت معاویہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم پر تنقید کی ہے اور کئی ایک صحابہ کرام کی عدالت و صداقت کو مشکوک قرار دینے کی سعی لا حاصل کی ہے۔ صحابہ کرام کے متعلق یوں دیدہ دلیری سے گفتگو کرنا رافضیوں کا منہج ہے، اہلِ سنت اور اہلِ حدیث کا طریقہ نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ ہستیاں ہیں جن کے حق میں گواہی قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [المجادلة: ٢٢]

"اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے، اور ان کی خاص تائید کی ہے، اور اللہ تعالیٰ انھیں جنت میں داخل فرمائے گا، اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے، وہ اللہ سے راضی ہیں، جان لو یہی اللہ کی جماعت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔“

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان وعظمت کو یوں بیان فرمایا:

«لا تسبوا أصحابی، فوالذي نفسي بيده لو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبا ما أدرك مُدّ أحدهم ولا نصيفه»

(بخاري: 3673، مسلم: 2540)

”میرے صحابہ کو برا نہ کہو۔ اللہ کی قسم! اگر تم احد پہاڑ برابر سونا بھی خرچ کرو تو ان کے ایک مُد بلکہ آدھے مد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتے۔“

سورہ فتح کے آخر میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ﴾ [الفتح: ٢٩]

”تا کہ اللہ تعالی ان صحابہ کی وجہ سے کافروں کو غیظ وغضب دلائے۔“

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”من أصبح من الناس في قلبه غيظ على أحد من أصحاب رسول الله، فقد أصابته هذه الآية“ (تفسير القرطبي: 297/1)

”جس شخص کے دل میں صحابہ میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی کینہ وبغض ہے، وہ اس آیت کا مصداق ہے۔“

گویا ناقدینِ صحابہ کافروں کے ہم نوا ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ اس کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کیونکہ یہ لوگ درحقیقت اللہ رب العالمین کی تردید اور قرآن وحدیث دونوں کے انکار میں مبتلا ہیں۔ (حوالہ سابقہ)

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"إذا رأيت رجلًا يذكر أحداً من الصحابة بسوء فاتهمه على الإسلام" (البداية والنهاية: 142/8)

''جو صحابہ کرام کی برائیاں کرے، اس کا اسلام ہی مشکوک ہے۔''

امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إذا رأيت الرجل ينتقص أحداً من أصحاب رسول الله ﷺ فاعلم أنه زنديق، وذلك أن الرسول ﷺ عندنا حق، والقرآن حق، وإنما أدى إلينا هذا القرآن والسنة أصحاب رسول الله ﷺ وإنما يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولى، وهم زنادقة"

(الكفاية للخطيب: 97)

''اگر آپ کسی آدمی کو دیکھیں کہ وہ صحابہ کرام میں سے کسی کی تنقیص اور خامیاں بیان کر رہا ہے تو جان لو کہ یہ شخص زندیق (بے دین) ہے، کیونکہ ہمارے لیے قرآن وسنت پر ایمان لانا ضروری ہے، اور ان دونوں کو ہم تک نقل کرنے والے یہی صحابہ کرام ہیں، ان پر تنقید کرنے والے دراصل کتاب وسنت کو باطل ٹھہرانا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ گستاخانِ صحابہ خود مجروح وناقابل اعتبار ہیں، کیونکہ یہ بے دین اور زندیق ہیں۔''

امام طحاوی رحمہ اللہ صحابہ کرام سے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ونحب أصحاب رسول الله ﷺ ولا نفرط في حب أحد منهم، ولا نتبرأ من أحد منهم، ونبغض من يبغضهم، وبغير

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الخير يذكرهم، ولا نذكرهم إلا بخير، وحبهم دين وإيمان وإحسان، وبغضهم كفر ونفاق وطغيان" (العقيدة الطحاوية: 57)

"ہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے محبت رکھتے ہیں، نہ کسی کی محبت میں غلو کرتے ہیں، اور نہ ہی کسی صحابی سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، جو ان سے بغض رکھتا ہے یا ان کی برائیاں کرتا ہے، ہم اس سے بغض رکھتے ہیں۔ ہم صحابہ کی صرف اچھائیاں بیان کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان سے محبت دین، ایمان اور احسان ہے، اور ان سے بغض رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔"

اسلافِ امت اور ائمہ دین جیسا کہ امام محمد بن سیرین تابعی، امام ابراہیم نخعی تابعی، امام بخاری، امام ترمذی اور امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ کے متعلق اس کے تبصروں سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صحابہ کرام کے ساتھ ساتھ علماء اور محدثین کا بھی گستاخ ہے، جو اس کے گمراہ ہونے کی ایک واضح اور آسان فہم علامت ہے۔

علماء کی شان و عظمت کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو اپنے اور فرشتوں کے ساتھ بطور گواہ کے ذکر کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ﴾

[آل عمران: ١٨]

"اللہ تعالی، فرشتوں اور اہلِ علم نے یہ گواہی دی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔"

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ)) (سنن أبي داود: 3641)

"علماء انبیاء کے وارث ہیں۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امام طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”علماء السلف من السابقين ومن بعدهم من التابعين أهل الخير والأثر وأهل الفقه والنظر لا يذكرون إلا بالجميل ومن ذكرهم بسوء فهو على غير السبيل“ (العقيدة الطحاوية: 57)

”اہلِ سنت والجماعت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اسلافِ امت کو اچھے طریقے سے یاد کرتے ہیں، اور جو شخص ان کی برائی کرتا ہے، وہ سیدھے راستے سے ہٹا ہوا ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ جس نے بھی کوئی بڑا مذہبی فتنہ یا فکری فساد برپا کیا، اس نے سب سے پہلے عوام کو علماء سے بدظن کیا، کیوں کہ اس کو معلوم تھا کہ میری رائے کی اس وقت تک کوئی اہمیت نہ بن پائے گی جب تک لوگ اہلِ علم کی طرف رجوع، یا انھیں سننے پر آمادہ رہیں گے۔ مرزا مذکور نے بھی اپنے پیروکاروں کو علماء سے اس قدر بدظن کرنے کی کوشش کی، تاکہ وہ اہلِ علم کی بات سننے کو ہی تیار نہ ہوں اور اندھی تقلید میں پڑے رہیں، اور اسی پر خوش ہو کر اسے علمی کتابی سمجھتے رہیں۔ اس کی طرف سے قادیانیت ورافضیت جیسے منحرف گروہوں کی تائید، اور ان کی طرف سے اس کی تحسین وحوصلہ افزائی بھی اس کی حقیقت کو واضح کرتی ہے۔

اس شخص کے بیانات اور تحریرات سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ یہ قرآن و حدیث سے اس قدر جاہل ہے کہ اوپر سے دیکھ کر صحیح عبارت نہیں پڑھ سکتا اور دیگر دینی علوم وفنون سے بھی بالکل نابلد ہے۔ صرف معمولی چرب زبانی اور طاقتِ لسانی کی بنیاد پر انٹرنیٹ کی آڑ لے کر کچھ لوگوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوا ہے، ورنہ علم وتحقیق کے میدان میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ علماء کی بجائے ایسے جہلاء کو پیشوا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سمجھنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتّٰى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا، اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا» (صحيح البخاري: 100، صحيح مسلم: 2673)

"اللہ تعالیٰ اس طرح علم نہ اٹھائے گا کہ لوگوں کے دلوں سے چھین لے، بلکہ علماء کو اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے، جن سے لوگ سوال کریں گے اور وہ بغیر علم جواب دیں گے، یوں خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

نادانی کی انتہا تو یہ ہے کہ یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کو جائز سمجھتے اور کرتے ہیں، لیکن اپنے نام نہاد علمی کتابی امام کو معصوم کے درجے پر فائز کر رکھا ہے۔ اس کے پیروکار اس کے لیے وہ سب کچھ کرتے ہیں جو کسی جھوٹے پیر کے مرید اس کے لیے کرتے ہیں، لیکن کمال یہ ہے کہ اس نام نہاد امام نے اپنے مریدوں کو یہ یقین دلا رکھا ہے کہ اسلام میں پیری مریدی اور بابوں کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔

اس بدعتی، گستاخِ صحابہ اور دشمنِ علمائے امت کو سننا اور اس کی تشہیر وترویج کرنا، قطعاً ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں پاکباز خواتین پر تہمت طرازی کرنے والوں کی گواہی کو مردود قرار دیا ہے (سورہ نور: 4)، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلفِ امت پر زبان درازی کرنے والا کیونکر قابلِ التفات ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ہر مخلص مسلمان، محبِّ صحابہ، سچے سنی اور اہلِ حدیث کو ایسے فسادی شخص سے براءت ونفرت کا اظہار کرنا چاہیے۔

ملک کے متعلقہ اداروں اور اربابِ اقتدار کو اس شخص کے بیانات وتقاریر پر

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پابندی عائد کرنی چاہیے، تاکہ مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے اور دینی تعلیمات کے ساتھ کھلواڑ کا یہ سلسلہ بند ہو۔ وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

حسینی اور یزیدی تقسیم کا حکم:

سوال کچھ عرصے سے حسینی اور یزیدی کے عنوان سے ایک نئی تقسیم فتنے کی شکل میں عام ہورہی ہے۔ مفتیانِ کرام سے گزارش ہے کہ اس حوالے سے رہنمائی فرمائیں۔

جواب الحمد للّٰہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انصار اور مہاجرین کے دو القاب خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیے اور اس نام سے ان کا بار بار تذکرہ بھی کیا۔ لیکن جب یہی دونام تفریق اور عصبیت کے لیے ایک موقع پر استعمال ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے انہی القاب سے پکارنے اور جتھے بنانے کو ''دعویٰ الجاہلیہ'' یعنی ''جاہلیت والی پکار'' قرار دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزَاةٍ، فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا لَلْأَنْصَارِ، وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ؟ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: دَعُوهَا، فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ''

(صحيح مسلم: 2584)

''ہم ایک غزوے میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، وہاں ایک مہاجر نے ایک انصاری کی سرین پر ضرب لگائی، انصاری نے کہا: اے انصار! (آؤ، مدد کرو!) اور مہاجر نے کہا: اے مہاجرو! (آؤ، مدد کرو!) رسول اللہ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا: یہ کیا زمانۂ جاہلیت کی طرح کی چیخ پکار ہے؟ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! ایک مہاجر شخص نے ایک انصاری کی سرین پر مارا ہے، آپ نے فرمایا: اس عصبیت کو چھوڑ دو، یہ کریہ اور بدبودار ہے۔"

اس حدیثِ مبارک کی روشنی میں ہم سمجھتے ہیں کہ امت کو حسینی اور یزیدی گروہوں میں تقسیم کرنا اور اس بنیاد پر ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کرنا انتہائی نامناسب طرزِ عمل ہے جسے بعض شر پسند، ناعاقبت اندیش اور رافضی نواز طبقے نے شروع کر رکھا ہے۔ لہٰذا سمجھ دار اور سنجیدہ لوگوں کو اس قسم کے فتنوں سے بچ کے رہنا چاہیے۔

عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف زندہ اٹھائے گئے ہیں:

سوال کیا عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ اٹھایا گیا ہے یا ان کی روح قبض کی گئی ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اس زمانے کے یہودیوں نے پراپیگنڈہ کیا اور انھیں سولی چڑھانے کا فیصلہ کیا، لیکن اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بحفاظت آسمان پر اٹھا لیا اور ان کی جگہ ان کے ہم شکل ایک آدمی کو سولی دے دی گئی۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام نہ قتل ہوئے ہیں اور نہ ہی ان کی وفات ہوئی ہے، بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس آسمانوں پر بلا لیا ہے اور قیامت سے قبل ان کا نزول دوبارہ ہوگا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴾

[آل عمران: ٥٥]

"جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بے شک میں تجھے قبض کرنے والا ہوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تجھے ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنھوں نے کفر کیا اور ان لوگوں کو جنھوں نے تیری پیروی کی، قیامت کے دن تک ان لوگوں کے اوپر کرنے والا ہوں جنھوں نے کفر کیا، پھر میری ہی طرف تمھارا لوٹ کر آنا ہے تو میں تمھارے درمیان اس چیز کے بارے میں فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔"

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾

[النساء: ١٥٧]

"اور ان کا کہنا ہے کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا حالانکہ نہ تو انھوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لیے (عیسیٰ علیہ السلام) کا شبیہ بنا دیا گیا تھا یقین جانو کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں، انھیں اس کے متعلق سوائے گمان کے کوئی علم نہیں اور انھوں نے انھیں یقیناً قتل نہیں کیا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

«لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ» (صحيح البخاري: 2476)

"قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ تم میں ابن مریم ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

135083

منصف حاکم بن کر نمودار ہو جائیں۔ وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے، نیز جزیہ ختم کر دیں گے۔ اس وقت مال کی بہتات ہو گی یہاں تک کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہو گا۔"

اس حوالے سے مستقل مستند اور تحقیقی تصانیف بھی موجود ہیں، تفصیلات کے لیے مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کی کتاب "شہادۃ القرآن" کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

کسی بزرگ کے نام کے ساتھ "رضی اللہ عنہ" لکھنا درست ہے؟

سوال مفتیان کرام سے عرض ہے، کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ بزرگان دین کے نام کے ساتھ "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" لکھنا منع ہے؟ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

کچھ الفاظ بطور اصطلاح استعمال ہوتے ہیں اور کچھ بعض کے ساتھ خاص ہو جاتے ہیں۔ جب ایسا ہو تو عرف کا اعتبار و لحاظ لازم ہو جاتا ہے وگرنہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔

عرف اور عام استعمال میں "رضی اللہ عنہ" کا کلمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص ہو چکا ہے، حتی کہ کسی اور کے ساتھ اگر یہ بولا جائے تو عرف عام میں اس کے بھی صحابی ہونے کا گمان ہوتا ہے، جس طرح "رحمہ اللہ" کا کلمہ فوت شدہ کے لیے خاص ہو چکا ہے، آپ کسی زندہ شخص کے نام کے ساتھ "رحمہ اللہ" یا "رحمۃ اللہ علیہ" لگائیں گے تو سامع فوراً یہی سمجھے گا کہ وہ فوت ہو چکا ہے، بلکہ ہو سکتا ہے یہ سوال کر لے کہ وہ "حفظہ اللہ" سے "رحمہ اللہ" کب ہوئے!

لہٰذا جو الفاظ جن کے لیے مخصوص ہیں، انہی کے لیے استعمال کیے جائیں۔

هذا ما عندنا، والله أعلم بالصواب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سلیمان علیہ السلام کا ہدہد کو سخت سزا دینے کا سبب:

سوال سورہ نمل کی آیت نمبر 21 میں ذکر ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کے غیر حاضر ہونے پر اس کے متعلق کہا کہ میں اسے سخت سزا دوں گا، بلکہ ذبح کر دوں گا، اگر وہ کوئی واضح دلیل نہ لے کر آئی۔ بلا شبہ انبیائے کرام اعلیٰ ترین اخلاق و اوصاف کے حامل ہوتے ہیں، لیکن یہاں اس قدر سخت کلامی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

کتبِ تفسیر میں اس واقعے کے حوالے سے کافی تفصیلات ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لاؤ لشکر میں انسانوں کے علاوہ، جن اور پرندے بھی ہوتے تھے۔ سب کی مختلف ذمہ داریاں ہوا کرتی تھیں۔ آپ علیہ السلام سب کا جائزہ لے رہے تھے یا کسی کام سے انھیں ہدہد کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھوں نے ہدہد کو گم پایا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہدہد کی غیر حاضری بلا اطلاع تھی جو یقیناً قابلِ مواخذہ تھی۔

بہترین قائد اور سپہ سالار وہ ہوتا ہے جو نرمی کی جگہ پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی کرتا ہے۔ ہر وقت سختی رکھنا یا ہر معاملے میں نرم رویہ رکھنا، یہ دونوں رویے نقصان دہ ہوتے ہیں۔

سپاہی کا لشکر سے غائب ہونا، اس میں مختلف احتمالات ہو سکتے ہیں، مثلاً اس کا مخالف فوج سے میل جول ہو اور وہ ادھر اپنے لشکر کی خبریں اور معلومات دینے جاتا ہو، یا پھر وہ اپنے کسی ذاتی کام سے غائب ہو، لیکن اہم ذمہ داری کو چھوڑ کر جائے، جس سے لشکر کا بھاری نقصان ہو سکتا ہو، یا پھر اس کا کوئی معقول عذر ہو۔ پہلی صورت میں تو یقیناً غائب ہونے والے کو سخت سے سخت سزا دینی چاہیے، دوسری میں بھی نرمی نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونی چاہیے، ورنہ آہستہ آہستہ سارے کا سارا لشکر انتشار اور بے ترتیبی کا شکار ہو جائے گا، ہاں اگر کوئی معقول عذر ہو تو پھر نرمی اور رعایت کرنی چاہیے۔ ہدہد کو غیر حاضر پا کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی اسی حساب سے ردِ عمل کا اظہار کیا ہے کہ اگر اس کی غلطی خطرناک نوعیت کی ہوئی تو میں اسے سخت سزا دے کر یا پھر قتل کر کے سب کے لیے نشانِ عبرت بنا دوں گا، لیکن اگر اس نے کوئی معقول عذر، توجیہ اور دلیل پیش کر دی تو پھر اس کو معافی مل جائے گی۔

اس واقعے سے سلیمان علیہ السلام کی کمال احتیاط، نظم ونسق کی پابندی اور لشکر کی بذاتِ خود نگرانی کے اہتمام کا پتا چلتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قائد اپنی فوج سے غیر حاضر ہونے والوں کا حسبِ حال مواخذہ کر سکتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سب کے سامنے سزا کا اعلان کیا جا سکتا ہے، تاکہ دیگر لوگ بھی عبرت پکڑیں اور احتیاط کریں۔ قائدین کے لیے یہ بھی رہنمائی ہے کہ کسی خلاف ورزی یا غیر حاضری پر سزا یا تادیبی کارروائی کا فیصلہ کرتے ہوئے ملزم کو اپنا موقف بیان کرنے کا موقع دینا چاہیے، اور معقول عذر کو قبول کرنا چاہیے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طہارت

طہارت میں ناخنوں پر نیل پالش یا تہہ والی شے کا حکم:

سوال مارکیٹ میں خواتین کے لیے مختلف ہیئر کلر دستیاب ہیں۔ بعض خواتین اسی ہیئر کلر میں کوئی لوشن وغیرہ مکس کر کے مہندی نما چیز بنا لیتی ہیں اور اسے ناخنوں پر لگاتی ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ مہندی کی طرح رنگ پکڑتا ہے اور دوسری طرف اس کی ناخن پالش کی طرح بالکل ہلکی اور باریک تہہ بھی محسوس ہوتی ہے، کیا اسے استعمال کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا اس پر وضو کیا جا سکتا ہے؟ کیوں کہ خدشہ یہی ہے کہ باریک تہہ کی بنا پر ناخن خشک نہ رہ گئے ہوں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

اس قسم کی چیزیں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ وضو کے حوالے سے تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کی ناخن وغیرہ پر تہہ نہ بنتی ہو، صرف کلر / رنگ ہو تو یہ لگا کر وضو درست ہوگا، اسے ہٹانا ضروری نہیں، کیونکہ اسے ہٹائے بغیر بھی پانی ناخن تک سرایت کر جاتا ہے اور یہی وضو میں مطلوب ہے۔

اور اگر کلر / رنگ کی ناخن پر تہہ بن جاتی ہو، جیسا کہ نیل پالش کی وجہ سے ناخن پر ایک چھلکا سے بن جاتا ہے اور اس کی بنا پر ناخن تک پانی نہیں پہنچتا تو پھر وضو سے پہلے اسے اتارنا ضروری ہے، کیونکہ وضو درست ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وضو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والے سارے اعضاء پر پانی پہنچے اور درمیان میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اگر تھوڑی سی جگہ بھی خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوتا۔

جیسا کہ حدیثِ مبارک میں آتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

"رَجَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِيقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَ الْعَصْرِ، فَتَوَضَّئُوا وَهُمْ عِجَالٌ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ وَأَعْقَابُهُمْ تَلُوحُ لَمْ يَمَسَّهَا الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ، أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ"

(مسلم: 241)

"ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ واپس آئے، راستے میں جب ہم ایک پانی (والی جگہ) پر پہنچے تو عصر کے وقت کچھ لوگوں نے جلدی جلدی میں وضو کیا۔ جب ہم ان تک پہنچے تو ان کی ایڑیاں اس طرح نظر آ رہی تھیں کہ انھیں پانی نہیں لگا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے، وضو اچھی طرح کیا کرو۔"

اس سے پتا چلا کہ وضو کے صحیح ہونے کے لیے اعضائے وضو میں سے ہر جگہ پر پانی پہنچنا ضروری ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

زخمی آدمی کے غسل اور وضو کا حکم:

سوال ایک شخص کی ٹانگ میں فریکچر ہے اور مستقل پلاسٹر لگا ہوا ہے، جسے گیلا بھی نہیں ہونے دینا۔ کیا احتلام یا ازدواجی تعلق کی صورت میں تیمّم کر سکتا ہے؟ اگرچہ پانی میسر ہے۔ رہنمائی فرما دیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر کسی شخص کے جسم پر زخم یا چوٹ کی وجہ سے کسی حصے پر پٹی، پلستر یا پلاسٹر چڑھا ہوا ہو اور اسے وضو یا فرض غسل کی حاجت ہو تو ایسی صورت میں وہ شخص بقیہ اعضاء پر پانی ڈال لے اور متاثرہ حصے کی جگہ پر پانی نہ ڈالے بلکہ اس پر مسح کر لے اور اگر مسح کرنا بھی ممکن نہ ہو (کہ اس سے زخم کے بڑھ جانے یا شفا یابی کے مؤخر ہونے کا اندیشہ ہو) تو اس کے لیے تیمّم کرنا واجب ہے۔

سائل کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے غسل اور مسح میں دشواری محسوس ہوتی ہے تو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ اس کے بدل یعنی تیمّم کو اختیار کرے۔

درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ﴾ [النساء: ٤٣]

”اور اگر تم بیمار رہو یا سفر میں ہو یا تم سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمّم) کر لو۔“

زخمی صحابی کے قصہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لو غسل جسده وترك رأسه حيث أصابه الجراح»

(سنن ابن ماجه: 188/2)

”اسے چاہیے تھا کہ اپنے جسم کو دھو لیتا اور اور سر میں جہاں زخم تھا اسے چھوڑ دیتا۔“

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((إنما كان يكفيه أن يتيمم)) (سنن أبي داود: 336)

"اسے تیمّم کرنا ہی کافی تھا۔"

گزشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ پانی کی موجودگی میں بھی اس متاثرہ جگہ پر تیمّم کرے گا۔ واللہ أعلم بالصواب

مسح کی مدت ختم ہونے کے بعد مسح کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے:

سوال ایک مقیم آدمی نے بھول کر جرابوں پر مسح کی مدت ختم ہونے کے بعد ابھی مغرب کی نماز پڑھ لی ہے، اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

مسح کی مدت ختم ہونے سے پہلے پہلے اگر کوئی شخص باوضو ہے، تو پھر جب تک اس کا وضو قائم رہے گا، وہ نماز پڑھ سکتا ہے، چاہے مسح کی مدت ختم ہی کیوں نہ ہوگئی ہو۔ لیکن اگر مسح کی مدت ختم ہوتے وقت بے وضو تھا یا ختم ہونے کے بعد وضو ٹوٹ گیا ہو تو پھر موزے وغیرہ اتار کر وضو کرنا ضروری ہے، ورنہ وضو نہ ہوگا۔ اور اگر اس صورت میں کوئی مسح کر کے نماز پڑھ لیتا ہے، تو گویا اس نے بلا طہارت نماز ادا کی ہے، لہٰذا اسے وضو کر کے دوبارہ نماز ادا کرنی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز پڑھ رہا تھا اور اس کے پاؤں کا کچھ حصہ خشک تھا جہاں وضو کا پانی نہیں پہنچ سکا تھا، تو نبی کریم ﷺ نے اسے دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

(سنن أبي داود: 175)

هذا ما عندنا والله أعلم بالصواب.

اعصابی دباؤ سے مادہ منویہ کے خارج ہونے کا حکم:

سوال بعض اوقات انسان کی شدید اعصابی دباؤ یا مشقت کے تحت منی خارج ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے، ایسی صورت میں غسل کا کیا حکم ہے؟ خاص طور اگر بیداری میں ایسا ہو؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

منی وہ گاڑھا مادہ ہے جو اگلی شرم گاہ سے خارج ہوتا ہے، خواہ جماع کے وقت ہو یا اس کے علاوہ کسی حالت میں ہو۔ جب خارج ہو تو اس کے خروج سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

مذی پتلی سفیدی مائل (پانی کی رنگت کی طرح) ہوتی ہے اور اس کے نکلنے کا احساس بھی نہیں ہوتا، اس کے نکلنے پر شہوت قائم رہتی ہے اور اس کے خروج سے غسل فرض نہیں ہوتا، البتہ اس کے خروج سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نماز و دیگر عبادات وغیرہ کے لیے وضو کرنا ضروری ہوتا ہے۔ والله أعلم بالصواب.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مساجد

عورت کا دورانِ عدت نمازِ عید کے لیے مسجد جانا:

سوال ایک خاتون کا خاوند فوت ہو چکا ہے، کیا یہ عورت عدت کے دوران میں نمازِ عید کے لیے مسجد جا سکتی ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ خاوند کے گھر عدت گزارے گی۔ اگر گھر محفوظ و مامون نہ ہو تو پھر کسی دوسرے گھر بھی منتقل ہو سکتی ہے، مگر اس عورت کے لیے گھر سے باہر بغیر کسی سبب کے نکلنا درست نہیں، لہٰذا خاوند کے گھر رہ کر عدت گزارنا از حد ضروری ہے۔ فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے:

«امْكُثِي فِي بَيْتِكِ الَّذِي جَاءَ فِيهِ نَعْيُ زَوْجِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ» (سنن ابن ماجه: 2031)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک اللہ کی مقرر کردہ مدت (موت کی عدت) پوری نہیں ہو جاتی، اسی گھر میں رہائش رکھو جہاں تمھیں اپنے خاوند کی وفات کی خبر پہنچی ہے۔ فریعہ فرماتی ہیں: چنانچہ میں نے چار ماہ دس دن تک وہیں عدت گزاری۔''

یہاں عدت کی بابت بھی آگہی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ شوہر کے انتقال پر بیوہ کو عدت کے طور پر چار مہینے اور دس دن گزارنے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ [البقرة: ٢٣٤]

''اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں۔''

یہ عدت چار مہینے دس دن (ایک سوتیس دن تقریباً) ان تمام بیوہ عورتوں کی ہے جو بڑی عمر کی ہوں یا چھوٹی عمر کی، خواہ حیض والی ہوں یا غیر حیض والی، اور مدخولہ ہوں یا غیر مدخولہ۔ البتہ اگر حاملہ ہے تو پھر عدت وضع حمل ہو گی۔ یعنی عورت کے حمل وضع کرتے ہی عدت پوری ہو جائے گی اگر چہ خاوند کی وفات کے بعد چند لمحے ہی گزرے ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاُولٰتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: ٤]

''اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔''

وہ عورت جو خاوند کی وفات کی عدت گزار رہی ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ گھر میں رہے، صرف اپنی کسی ذاتی ضرورت کے لیے یا وہ کام جو اس کے بغیر مکمل نہ ہو سکتا ہو، مثلاً عدالت میں گواہی دینی ہو اور عدالت کے اہلکار اس کے پاس نہ آ سکیں یا اپنی بیماری کے لیے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے اور ڈاکٹر اس کے پاس نہ آ سکے، یا اس کی ملازمت ہو اور چھٹی نہ مل سکے، اور گزر بسر نہ ہو رہی ہو تو ایسے ناگزیر حالات میں عورت کو گھر سے نکلنے کی اجازت ہے۔ رہا عید کے لیے گھر سے باہر نکلنا، یا حج وعمرہ یا سیر وتفریح، یا ہمسائیوں اور عزیز و اقارب کے گھر جانا، تو یہ درست نہیں ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

بینک میں گروی شدہ زمین مسجد کو دینا:

سوال ایک شخص نے اپنی زمین کا کچھ حصہ مسجد کو دیا ہے، لیکن اس زمین پر بینک سے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

قرض بھی لیا ہوا ہے، تو کیا ایسی زمین پر مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے یا پہلے قرض اتارنا ضروری ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

اس وقت زمین پر قرضے کا بوجھ ہے، کیونکہ اس زمین کو گروی رکھ کر قرض لیا گیا ہے۔ جب تک اس کا قرض ادا نہیں ہوتا تب تک اس پر مسجد بنانے سے گریز کیا جائے۔ اللہ کی راہ میں وہ چیز وقف کرنی چاہیے جو اس قسم کے بوجھ اور تنازع کے امکانات سے مبرا ہو۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین

مجبوری میں مسجد کا کنارہ ختم کرنے کا حکم:

سوال ہمارے محلے میں مسجد ہے۔ مسجد کا ایک کنارہ روڈ کی طرف تھوڑا سا باہر ہے، اگر وہ تھوڑا گرینڈ کر کے برابر ہو جائے تو راستے میں آسانی بن جائے گی۔ کچھ بزرگ لوگ ہیں جو بائیک پر بھی نہیں جا سکتے ہیں، کافی مشکل ہوتی ہے۔ بالخصوص اگر کوئی بیمار ہو جائے یا ایمرجنسی بن جائے تو گاڑی تک نہیں گزر سکتی۔ تو آپ کیا کہتے ہیں؟ دلائل کے ساتھ وضاحت کر دیں تاکہ جو بھائی نالاں ہو رہے ہیں، ان کو قرآن و حدیث کے مطابق آگاہی مل جائے۔ جزاکم اللہ خیرا

(سائل: ملک برکات احمد راشد چکوال)

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

مسجد کو اس کی جگہ سے ہٹانا، یا اس کے بعض حصے کو کسی اور استعمال میں لانا، یہ تو جائز نہیں ہے۔ البتہ مسجد تعمیر کرتے وقت کوئی کنارہ غلطی سے تھوڑا سا باہر رہ گیا ہو، یا پھر ویسے ہی مصلحتِ عامہ کی خاطر راستہ ہموار کرنے کے لیے اسے گرینڈ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ ان شاء اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز

غیر اہلِ حدیث کی امامت میں نماز ادا کرنے کا حکم:

سوال شیخ محترم میرا تعلق پاکستان کے شہر کوٹری سے ہے۔ ہمارے شہر میں دو اہلِ حدیث کی مسجدیں ہیں اور ہمارے کچھ ساتھیوں کو وہ مسجدیں تھوڑی دور محسوس ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے وہ پانچ وقت کی نماز کے لیے ان مسجدوں میں نہیں پہنچ سکتے، تو کیا وہ قریب مسجد میں دیوبندی یا بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

ہمارے ایک ساتھی نے بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھی تو دوسرے ساتھی نے کہا کہ تیری نماز نہیں ہوئی تم اپنی نماز دوبارہ دہراؤ۔ شیخ محترم اس معاملے میں رہنمائی فرمادیں۔ جزاکم اللہ خیرا

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

اس بارے میں دو بنیادی باتیں سمجھنا ضروری ہیں:

① کسی کو امام بنانا ② کسی کے پیچھے نماز ہونا

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو جب کسی کے پیچھے نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے، یا کسی کو امام بنانے یا نہ بنانے میں اختیار حاصل ہو تو ایسی صورت میں کبیرہ گناہ کے مرتکب شخص یا صغیرہ گناہ پہ اصرار کرنے والے کو (جب تک توبہ نہ کرے) امام بنانا یا اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا منع ہے۔ سیدنا ابو سہلہ سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک آدمی نے امامت کروائی اور اس دوران میں اس نے قبلہ کی جانب تھوک دیا، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ)) یہ تمھیں آیندہ نماز نہ پڑھائے۔ پھر وہ دوبارہ کسی موقع پر جماعت کروانے کے لیے آگے بڑھا تو لوگوں نے روک دیا، پوچھنے پہ بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے، اس نے آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((نَعَمْ، إِنَّكَ آذَيْتَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ)) ہاں! کیونکہ تو نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے۔“ (سنن أبي داود: 481)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قبلہ کی جانب تھوکنے والے کو امام بنانے سے منع فرما دیا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ عمل بہت بڑا گناہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا جب کبیرہ گناہ کے مرتکب کو امام بنانا منع ہے تو اکبر الکبائر کے مرتکب کو امام بنانا بالاولی منع ہے۔

ہمارے ہاں کسی بھی امام کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کی ہم پہ کوئی پابندی نہیں، ہم جسے چاہیں امام بنالیں اور جس کے پیچھے چاہیں نماز ادا نہ کریں، تو ایسی صورت میں کفریہ و شرکیہ عقائد کے حاملین کی اقتدا میں نماز ادا کرنے سے گریز کرنا ضروری ہے۔ پھر بدعتی بھی عموماً ایسی بدعت کا مرتکب ہوتا ہے جو کم از کم کبیرہ گناہ ہوتی ہے، تو ایسے شخص کو اپنی امامت کا حق دینا درست نہیں۔ اسی طرح اس میں اہل بدعت کی توقیر کا پہلو بھی ہے جو مضرِ دین ہے۔

اس حوالے سے ایک اہم بات نماز میں سکون اور تعدیلِ ارکان کی بھی ہے، جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے مسئی صلاۃ (غلط طریقے سے نماز پڑھنے والے) کو نماز میں عدمِ اطمینان کی وجہ سے تین مرتبہ فرمایا تھا:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((ارْجِعْ فَصَلِّ ؛ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ)) (صحيح البخاري: 757)

”واپس جا اور نماز پڑھ، تو نے نماز نہیں پڑھی۔“

جب امام ایسا ہو کہ جو سکون سے نماز نہ پڑھائے تو اس کی اقتدا کرنے والا کیسے اطمینان سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور جب نماز میں اطمینان ہی نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی، سو ایسی نماز دہرانے کا حکم خود رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے۔

دوسری بنیادی بات کسی کی اقتدا میں نماز ہو جانے سے متعلق ہے، تو اس میں اصول یہ ہے کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے، خواہ وہ فاسق ہی ہو۔ اس کی دلیل بھی سنن ابی داود کی محولہ بالا روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ رو تھوکنے والے کی اقتدا میں پڑھی گئی نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا، گو اسے آیندہ امام بنانے یا اس کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے منع فرما دیا تھا جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی اقتدا میں پڑھی گئی نماز درست تھی۔

ان دونوں بنیادی باتوں کو سمجھنے کے بعد نتیجہ واضح ہے کہ کسی بھی بدعتی شخص کو امام بنانا یا اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا منع ہے، البتہ اگر کوئی لاعلمی کی وجہ سے ایسا کر بیٹھے تو اسے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں، بشرطیکہ اس کی نماز اطمینان وسکون اور تعدیلِ ارکان والی ہو۔ اور اگر جلد بازی والی نماز تھی تو اسے دہرایا جائے گا۔ وصلی الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وبارك وسلم

نماز میں پاؤں سے پاؤں اور کندھے سے کندھا ملانا:

سوال پاؤں سے پاؤں اور کندھے سے کندھا ملانے سے متعلق ایک حدیث مروی ہے:

”عَنِ النُّعْمَانَ بْنِ بَشِيرٍ يَقُولُ: أَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثَلَاثًا، وَاللهِ لَتُقِيمُنَّ صُفُوفَكُمْ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ، قَالَ: فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَلْزَقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ وَكَعْبَهُ بِكَعْبِهِ"

(سنن أبي داود: 662)

رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم لوگ اپنی صفیں درست کرو (یہ جملہ آپ نے تاکید کے طور پر) تین بار (کہا:) اللہ کی قسم! تم لوگ اپنی صفیں درست کرو گے، ورنہ اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں پھوٹ ڈال دے گا۔ نعمان بن بشیر کہتے ہیں: تو میں نے آدمی کو اپنے ساتھی کے مونڈھے سے مونڈھا، گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہوتے دیکھا۔

شیخ محترم! کچھ لوگ مندرجہ بالا حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ چونکہ گھٹنے سے گھٹنا ملایا ہی نہیں جا سکتا، اس لیے پاؤں ملانے سے حقیقی ملانا مراد نہیں، بلکہ برابر کرنا مراد ہے۔ کیا یہ بات درست ہے؟ براہِ مہربانی اس حدیث کا درست معنی ومفہوم واضح فرما دیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

جو حدیث اوپر نقل کی گئی ہے، ویسے تو اس کا معنی واضح ہی ہے، لیکن اس کی مختلف روایات کو دیکھا جائے تو اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ ذیل میں ہم اس حدیث کو تین حصوں میں تقسیم کر کے اس کے مختلف الفاظ ذکر کرتے ہیں۔

صف درست کروانے کا طریقۂ نبوی:

نبی کریم ﷺ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ نماز سے پہلے صفیں درست کروایا کرتے تھے اور بعض دفعہ دوبارہ تاکید کر لیا کرتے تھے کہ صف میں کہیں کوئی خرابی تو نہیں رہ گئی، جیسا کہ درج ذیل روایات میں ہے:

❁ «كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الْقِدَاحَ حَتَّى رَأَى أَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ، ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ، حَتَّى كَادَ يُكَبِّرُ فَرَأَى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ)) (صحيح مسلم: 436)

''نبی کریم ﷺ ہماری صفیں اس طرح سیدھا کرتے تھے جیسے تیروں کو سیدھا کیا جاتا ہے۔ جب آپ ﷺ کو اطمینان ہو گیا کہ ہم نے یہ سنت اچھی طرح سمجھ لی ہے تو ایک دن آپ نماز کے لیے تشریف لائے، نماز کھڑی ہوئی، قریب تھا کہ آپ تکبیرِ تحریمہ کہتے، لیکن آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی کا سینہ صف سے باہر ظاہر ہو رہا ہے۔''

✿ ''كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُسَوِّينَا فِي الصُّفُوفِ كَمَا يُقَوَّمُ الْقِدْحُ حَتَّى إِذَا ظَنَّ أَنْ قَدْ أَخَذْنَا ذَلِكَ عَنْهُ، وَفَقِهْنَا أَقْبَلَ ذَاتَ يَوْمٍ بِوَجْهِهِ إِذَا رَجُلٌ مُنْتَبِذٌ بِصَدْرِهِ'' (سنن أبي داود: 663)

''نبی کریم ﷺ ہمیں صفوں میں اس طرح سیدھا کرتے تھے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے۔ جب آپ ﷺ کو اطمینان ہو گیا کہ ہم نے یہ سنت اچھی طرح سیکھ اور سمجھ لی ہے تو ایک دن آپ (نماز کے وقت) اچانک ہماری طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک آدمی کا سینہ آگے ابھرا ہوا ہے۔''

✿ ''كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَتَخَلَّلُ الصَّفَّ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلَى نَاحِيَةٍ يَمْسَحُ صُدُورَنَا وَمَنَاكِبَنَا'' (سنن أبي داود: 664)

''نبی کریم ﷺ صف کو چیک کرتے ہوئے ہمارے سینوں اور کندھوں کو ہاتھ سے سیدھا کرتے ہوئے ایک کونے سے دوسرے کونے تک تشریف لے جاتے۔''

✿ ''كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّي صُفُوفَنَا، فَخَرَجَ يَوْمًا فَرَأَى رَجُلًا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خَارِجًا صَدْرُهُ عَنِ الْقَوْمِ" (سنن الترمذي: 227)

"حضور ﷺ صفیں درست کروایا کرتے تھے، ایک دن آپ تشریف لائے تو ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کا سینہ لوگوں سے باہر نکلا ہوا ہے۔"

❀ "كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُقَوِّمُ الصُّفُوفَ كَمَا تُقَوَّمُ الْقِدَاحُ، فَأَبْصَرَ رَجُلًا خَارِجًا صَدْرُهُ مِنَ الصَّفِّ" (سنن النسائي: 810)

"رسول اللہ ﷺ صفوں کو اس طرح سیدھا کرتے، جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے، پھر آپ نے ایک آدمی کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا۔"

❀ "كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّي الصَّفَّ، حَتَّى يَجْعَلَهُ مِثْلَ الرُّمْحِ أَوِ الْقِدْحِ قَالَ، فَرَأَى صَدْرَ رَجُلٍ نَاتِئًا" (سنن ابن ماجه: 994)

"رسول اللہ ﷺ صف کو برابر کرواتے یہاں تک کہ اسے نیزے یا تیر کی مانند بنا دیتے، پھر آپ نے ایک آدمی کا سینہ ابھرا ہوا دیکھا۔"

❀ ایک روایت میں ہے:

"يُقِيمُ الصُّفُوفَ كَمَا تُقَامُ الرِّمَاحُ أَوِ الْقِدَاحُ"

(مسند أحمد: 335/30 برقم: 18385)

"آپ صفوں کو یوں کھڑا کرتے جیسے نیزہ یا تیر کھڑا کیا جاتا ہے۔"

❀ ایک روایت میں صراحت ہے کہ جب حضور تکبیر کہنے لگے تو ایک آدمی کو دیکھا جس کا سینہ اٹھا ہوا تھا:

"فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يُكَبِّرَ، رَأَى رَجُلًا شَاخِصًا صَدْرُهُ"

(مسند أحمد: 349/30 رقم: 18400)

یہاں نبی کریم ﷺ کے فعلِ مبارک کو بیان کرنے کے لیے درج ذیل الفاظ بولے گئے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يُسَوِّى: برابر کرنا، اس طرح کہ اس میں کوئی اونچ نیچ نہ رہ جائے۔

يَتَخَلَّلَ: صفوں میں داخل ہو کر چیک کرنا کہ کہیں کوئی خلا نہ ہو۔

يُقِيمُ: کھڑا اور سیدھا کرنا، تاکہ اس میں کوئی جھول نہ رہ جائے۔

يَقَوِّمُ: بالکل سیدھا کرنا، کمی کوتاہی دور کرنا۔ یہاں بھی تسویہ اور اقامت والے معنیٰ کی تاکید ہی مراد ہے۔

ان چاروں لفظوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ صف کی درستی کا انتہائی زیادہ اہتمام کرتے تھے اور آگے پیچھے، دائیں بائیں، ہر اعتبار سے اس کے سیدھا اور ملے ہوئے ہونے کی تاکید و تسلی کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صف بندی کی نقشہ کشی:

نبی کریم ﷺ جب اس قدر اہتمام کے ساتھ صف بندی کرواتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفیں کیسی ہوتی ہوں گی؟ یہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبانی ملاحظہ کریں:

❀ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَكُونُ كَعْبُهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهِ، وَرُكْبَتُهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ، وَمَنْكِبُهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ"

(صحيح ابن خزيمة: 82/1 برقم: 160)

"میں نے دیکھا کہ ہر آدمی کا ٹخنہ ساتھ والے کے ٹخنے سے اور گھٹنا ساتھ والے کے گھٹنے سے اور کندھا ساتھ والے کے کندھے کے ساتھ ہوتا تھا۔"

❀ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"فَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَإِنَّ الرَّجُلَ مِنَّا لَيَلْتَمِسُ بِمَنْكِبِهِ مَنْكِبَ أَخِيهِ، وَبِرُكْبَتِهِ رُكْبَةَ أَخِيهِ، وَبِقَدَمِهِ قَدَمَ أَخِيهِ"

(فوائد تمام: 129/2، برقم: 1332)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”ہم خود کو دیکھتے تھے کہ ہم سے ہر آدمی اپنے کندھے کو اپنے بھائی کے کندھے کے ساتھ، ٹخنے کو اپنے بھائی کے ٹخنے کے ساتھ، اور قدم کو اپنے بھائی کے قدم کے ساتھ لگانے کی بھرپور کوشش کرتا۔“

❁ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”وَكَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ، وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ“

(صحيح البخاري: 725)

”ہم میں سے ہر شخص اپنے کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے سے، اور قدم کو اس کے قدم کے ساتھ جوڑتا تھا۔“

❁ ایک اور روایت میں مزید اضافہ ہے:

”وَلَوْ ذَهَبْتَ تَفْعَلُ ذَلِكَ لَتَرَى أَحَدَهُمْ كَأَنَّهُ بَغْلٌ شَمُوسٌ“

(مصنف ابن أبي شيبة: 308/1 برقم: 3524)

”اور اگر آج آپ اسی طرح پاؤں ملانے کی کوشش کریں تو آپ دیکھیں گے ساتھ والا ایسے دور بھاگے گا جس طرح کوئی سرکش خچر۔“

صف درست نہ کرنے کا انجام:

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حوالے سے سخت وعید فرمائی، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

”عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ، أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ“ (صحيح مسلم: 436)

”اے اللہ کے بندو! تم ضرور بالضرور صفیں برابر رکھو گے، ورنہ اللہ تعالیٰ تمھارے چہروں کو ایک دوسرے سے پھیر دے گا۔“

❁ ”وَاللّٰهِ لَتُقِيمُنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ“

(سنن أبي داود: 662)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”اللہ کی قسم! تم ضرور بالضرور صفیں درست رکھو گے، ورنہ اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا۔“

✿ ”سَوُّوا صُفُوفَكُمْ، أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ“

(سنن ابن ماجه: 994)

”صفیں برابر کرلیں، ورنہ اللہ تعالیٰ تمھارے چہروں کو ایک دوسرے سے پھیر دے گا۔“

مذکورہ بالا حدیث سے نبی کریم ﷺ کی سنتِ مبارکہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ پاؤں، کندھے ملاتے ہوئے صف بندی کا بھرپور اہتمام کرنا چاہیے اور اس میں سستی اور کوتاہی کرنے والا سخت وعید کا مستحق ہوسکتا ہے۔

اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ نمازی صف میں کھڑے ہوتے ہوئے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے، جیسا کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ“ (بخاري: 828)

”آپ ﷺ نے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کیا۔“

اور پھر پاؤں اپنے وجود کے مطابق کھولتے ہوئے جس قدر ممکن ہو سکے پاؤں اور کندھے ایک دوسرے کے ساتھ ملائے جائیں۔ اگر انگلیاں قبلہ رخ نہ ہوں یا پھر پاؤں وجود سے زیادہ کھول لیے جائیں تو ایک دوسرے سے پاؤں ملانے میں دقت اور مشکل پیش آتی ہے۔

رہی یہ بات کہ ٹخنے ایک دوسرے سے نہیں ملتے، لہٰذا پاؤں سے پاؤں ملانے والا حکم ختم! تو یہ ہرگز درست نہیں۔ سطورِ بالا میں صف بندی اور پاؤں سے پاؤں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ملانے کا تاکیدی حکم معلوم ہو چکا ہے، آخر اس کے برعکس کیا دلیل ہے کہ جس پر اعتماد کر کے اس قدر تاکیدی حکم کو چھوڑا جائے؟

ایسے مقامات پر علمائے اصولِ فقہ کے ہاں ایک دلیل کا ذکر کیا جاتا ہے جسے رفع المشقۃ، رفع الحرج جیسے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ شریعت میں تکلیفِ مالا یطاق یعنی ایسی مشقت نہیں ہے جس کو عام حالات میں انسان کے لیے کرنا ناممکن یا بہت مشکل ہو۔ ایسی صورتِ حال میں اصول یہی ہے کہ جس قدر مشقت و حرج ہوگا، اسی قدر کسی حکم کی ادائیگی میں رخصت اور چھوٹ مل جاتی ہے۔ مطلب "الضرورۃ تقدر بقدرھا" کے تحت رخصت اور چھوٹ حسبِ ضرورت ہوگی۔ یہ نہیں کہ ایک مشقت، تنگی اور عذر کا بہانہ بنا کر کسی دوسرے شرعی حکم یا احکامات سے کلی آزادی کا راستہ اختیار کر لیا جائے۔

لہٰذا ہم یہ کہیں گے کہ اگر آپ کے ٹخنے نہیں ملتے تو آپ ملانے میں تکلف نہ کریں، لیکن پاؤں سے پاؤں ملانے والے بقیہ حکم پر تو عمل پیرا ہوں، کیونکہ ان کے ملانے میں تو کوئی مشقت یا عذر نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ جو حکم صف بندی کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے ہم اس سے صف بندی میں سستی و کوتاہی کے دلائل کشید رہے ہیں!

آپ حدیث سے ایسا درست مفہوم کیوں نہیں لیتے جو دیگر نصوص کے بھی مطابق ہو کہ پاؤں کو ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر ملانے کی تاکید ہے گویا آپ ٹخنے سے ٹخنہ ملانا چاہتے ہیں۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ والی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وَفِيْ هٰذَا الْخَبَرِ مَا نَفَى الشَّكَّ وَالِارْتِيَابَ أَنَّ الْكَعْبَ هُوَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الْعَظْمُ النَّاتِئُ الَّذِي فِي جَانِبِ الْقَدَمِ الَّذِي يُمْكِنُ الْقَائِمُ فِي الصَّلَاةِ أَنْ يَلْزَقَهُ بِكَعْبِ مَنْ هُوَ قَائِمٌ إِلَى جَنْبِهِ فِي الصَّلَاةِ"

(صحيح ابن خزيمة: 82/1 تحت رقم: 160)

اس روایت سے بلا شک وشبہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کعب سے مراد قدم کے ایک طرف ابھری ہوئی وہ ہڈی ہے جسے نماز میں ساتھ کھڑے آدمی کے ٹخنے کے ساتھ ملانا ممکن ہوتا ہے۔

ٹخنے سے ٹخنہ ملنے کا امکان بھی تبھی ہوتا ہے جب پاؤں آپس میں اہتمام کے ساتھ ملائے جاتے ہیں۔ جب پاؤں ہی نہ ملے ہوئے ہوں اور ان میں فاصلہ ہو تو ٹخنے سے ٹخنہ ملنے کے امکان کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا۔

آخر میں ہم ایک اہم تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ پاؤں سے پاؤں اچھی طرح مل جائیں، لیکن ٹخنے سے ٹخنہ نہ مل رہا ہو تو پھر إلزاق الکعبین پر تکلف و اصرار درست نہیں، کیونکہ اس سے صف بھی خراب ہوتی ہے، انگلیاں قبلہ رخ رکھنے والی سنت بھی متاثر ہوتی ہے اور انسان خود بھی اور دوسروں کو بھی مشقت میں ڈالتا ہے، اور جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ ایسی مشقت شریعت میں مقصود نہیں ہے، لہٰذا اہلِ علم نے اس سے منع کیا ہے، بلکہ شیخ بکر ابو زید رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "لا جديد في أحكام الصلاة" میں اسے غلو اور بدعت قرار دیا ہے۔ هذا ما عندنا والله أعلم بالصواب

نماز میں پگڑی پر سجدہ کرنے کا حکم:

سوال دوران نماز ماتھے پر پگڑی وغیرہ ہو تو اس پر سجدہ کرنا کیسا ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

علماء کے مابین متفق علیہ مسئلہ ہے کہ سجدہ کرتے ہوئے براہِ راست پیشانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکھنا افضل ہے۔ (المجموع للنووي: 400/3) البتہ بوقتِ ضرورت یا کسی عذر کی بنا پر درمیان میں کپڑا، پگڑی وغیرہ بھی حائل ہوتو جائز ہے، جیسا کہ سنتِ نبوی اور آثارِ صحابہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ مِنْ شِدَّةِ الحَرِّ فِي مَكَانِ السُّجُودِ“ (صحیح البخاری: 385)

”ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے، تو ہم میں سے کچھ لوگ گرمی کی شدت کے سبب سجدے کی جگہ پر کپڑا رکھ لیا کرتے تھے۔“

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

”فَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَحَدُنَا أَنْ يُمَكِّنَ وَجْهَهُ مِنَ الْأَرْضِ بَسَطَ ثَوْبَهُ، فَسَجَدَ عَلَيْهِ“ (صحیح البخاری: 1208)

”اگر کسی کے لیے زمین پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہوتا تو وہ کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کر لیتا۔“

حسن بصری رحمہ اللہ نے بھی اس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

”كان أصحاب رسول الله ﷺ يسجدون وأيديهم في ثيابهم، ويسجد الرجل منهم على عمامته“ (السنن الکبریٰ للبیہقی: 2447)

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سجدہ کرتے تو ان کے ہاتھ کپڑوں میں ہوتے اور ان میں سے کچھ پگڑی پر بھی سجدہ کرتے۔“

مذکورہ بالا احادیث و آثار سے جہاں اس عمل کا جواز معلوم ہوتا ہے، ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرام گرامی، سردی یا کسی عذر کے سبب ایسا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کیا کرتے تھے۔ لہٰذا بلا سبب وضرورت اس عمل سے گریز کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اس عمل کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 2757) امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے بھی عمامے پر سجدے کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 763)

مرد کا گھر میں نماز ادا کرنا:

سوال کیا مرد گھر پہ نماز ادا کرسکتا ہے؟ مہربانی فرما کر گھر پہ نماز ادا کرنے اور نہ کرنے کی وجوہات بتائیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

مردوں کو مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم ہے:

﴿ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ [البقرة: ٤٣]

"رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔"

دورِ نبوی میں نماز باجماعت سے پیچھے رہنے والے کو واضح منافق خیال کیا جاتا تھا اور مردوں کو جماعت سے لیٹ ہو جانے کے باوجود گھر میں نماز کی اجازت نہ تھی۔ نماز باجماعت کے لیے مسجد میں آنا مسلمان مرد پہ لازم ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ، فَيُحْطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ، فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ» (بخاري: 644)

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے ارادہ کیا کہ میں لکڑیاں اکٹھی کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کے لیے اذان کا کہوں، پھر ایک آدمی کو کہوں وہ لوگوں کو امامت کروائے، پھر ان مردوں کا پیچھا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کروں (جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے) اور ان سمیت ان کے گھروں کو جلا ڈالوں۔“

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُسْلِمًا، فَلْيُحَافِظْ عَلَى هَؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادَى بِهِنَّ، فَإِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ ﷺ سُنَنَ الْهُدَى، وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى، وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هَذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ، لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ، وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُومُ النِّفَاقِ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتَى بِهِ يُهَادَى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتَّى يُقَامَ فِي الصَّفِّ“

(صحيح مسلم: 654)

”جسے یہ پسند ہو کہ کل اللہ سے مسلمان ہو کر ملاقات کرے تو اس پہ لازم ہے کہ ان نمازوں کی حفاظت کرے جہاں ان کے لیے اذان دی جاتی ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی کے لیے ہدایت کے طریقے مشروع کیے ہیں اور یہ بھی ہدایت کے طریقوں میں سے ہے، اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز ادا کرو گے جیسے یہ پیچھے رہنے والا ادا کرتا ہے تو تم اپنے نبی کے طریقے کو چھوڑ بیٹھو گے، اور اگر تم نے اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور بلاشبہ میں نے (رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں) اپنے (مسلمان) لوگوں کا حال دیکھا کہ اس (جماعت) سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہتا تھا، سوائے اس منافق کے جس کا نفاق (سب کو) معلوم ہوتا، اور یقیناً (مریض) آدمی کو دو آدمیوں کے سہارے (مسجد

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں) لایا جاتا، حتی کہ صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔“

کسی شرعی عذر کی وجہ سے مسلمان مرد گھر میں نماز ادا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ، فَلَا صَلَاةَ لَهُ، إِلَّا مِنْ عُذْرٍ))

(سنن ابن ماجه: 793)

”جس نے اذان سنی اور وہ نماز ادا کرنے کے لیے نہ آیا تو اس کی نماز نہیں ہے، سوائے عذر کے۔“

یعنی عذر کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے والے مرد کی نماز مقبول ہوگی اور بلا عذر گھر میں پڑھنے والے مرد کی نماز گویا کالعدم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مرض الموت میں جب مسجد جانے سے عاجز آ گئے تو گھر میں ہی نماز ادا کرتے رہے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو امامت کروائیں، پھر جب آپ نے طبیعت میں کچھ ہلکا پن محسوس فرمایا تو مسجد میں گئے اور بیٹھ کر امامت کروائی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں کھڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے تھے اور لوگ پیچھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کرتے تھے۔ (بخاري: 664)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بھی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ مسلمان مرد کو مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے، لیکن جب یہ ممکن نہ رہے تو گھر میں نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جنازہ کے مسائل

شوہر کا اپنی بیوی کو غسل دینا درست ہے؟

سوال کیا شوہر اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

میاں بیوی میں سے کوئی بھی فوت ہو تو دوسرا اسے غسل دے سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

«لَوْ مِتِّ قَبْلِي فَغَسَّلْتُكِ وَكَفَّنْتُكِ، ثُمَّ صَلَّيْتُ عَلَيْكِ وَدَفَنْتُكِ» (سنن ابن ماجه: 1456)

"اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہو گئی تو میں خود تمھیں غسل و کفن دے کر اور نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کروں گا۔"

فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے شوہر علی رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ وہ ان کو غسل دیں۔ (سنن الدار قطني: 79/2 وسنن البيهقي: 396/3) امام شوکانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو اس کا خاوند غسل دے سکتا ہے۔ (نيل الأوطار: 35/4)

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وفات کے ساتھ ہی میاں بیوی والا تعلق ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا مرد اور عورت ایک دوسرے کو چھو نہیں سکتے، یا غسل وغیرہ نہیں دے سکتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے، حالانکہ یہ نظریہ سنت کے خلاف ہے، جیسا کہ مذکورہ دلائل سے واضح ہوتا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لیے اجتماعی دعا کرنے کا حکم:

سوال نمازِ جنازہ کے بعد تدفین سے پہلے میت کے قریب جا کر دعا مانگنا بدعت ہے یا مباح؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

میت کے لیے دعا مانگنا مسنون ومشروع ہے اور یہ دعا کسی وقت بھی مانگی جا سکتی ہے۔ لیکن اس دعا کے لیے کسی متعین جگہ اور وقت کی خصوصیت کے لیے دلیل کا ہونا ضروری ہے، جیسا کہ میت کو دفن کرنے کے بعد دعا کرنے کا حکم موجود ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ وَسَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ»

(أبو داود: 3221)

”اپنے بھائی کے لیے مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا مانگو، کیونکہ اس سے اس وقت سوال کیا جا رہا ہے۔“

البتہ بعض لوگوں کے ہاں جنازہ کے بعد اور دفن سے پہلے دعا کرنا بھی رائج ہے جو ایک غیر ثابت اور غیر مسنون عمل ہے۔ کئی ایک اہلِ علم نے اس کو بدعت قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إذا صليتم على الميت، فأخلصوا له الدعاء»

(سنن أبي داود: 3199، سنن ابن ماجه: 1497)

”جب تم میت پر جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خلوص کے ساتھ دعا کرو۔“

اس سے بعض دفعہ یہ مسئلہ کشید کیا جاتا ہے کہ اس سے مراد جنازہ کے بعد دعا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کرنا ہے، حالانکہ اس سے مراد جنازہ پڑھتے ہوئے خلوصِ نیت کے ساتھ دعا کرنا ہے۔ جیسا کہ محدثین اور اہلِ علم نے اس کی وضاحت کی ہے، مثلاً امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اس پر یوں عنوان قائم کیا ہے:

"باب ما جاء في الدعاء في الصلاة على الجنازة"

"نماز جنازہ میں دعا کرنے کا بیان۔"

ویسے یہ عجیب بات ہے کہ جنازہ پر توجہ نہ دی جائے اور اس میں تو اہتمام سے دعا نہ کی جائے، جس کا مقصد ہی میت کے لیے دعا ہے، مگر جنازہ کے بعد کہا جائے کہ دعا کر لیں، جس کا قرآن و سنت میں کہیں ذکر تک نہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

تعزیت کے لیے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنے کا حکم:

سوال میت کی تعزیت کے لیے لوگ بیٹھتے ہیں اور جب بھی کوئی آدمی باہر سے آتا ہے، سب ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

ہمارے ہاں عام طور پر یہ رواج پایا جاتا ہے کہ کسی آدمی کی وفات کے موقع پر لوگ تعزیت اور فاتحہ خوانی کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ محلِ نظر ہے۔ سیدنا جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كُنَّا نَعُدُّ الِاجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ" (مسند أحمد: 6905)

"ہم میت کو دفن کر دینے کے بعد اہلِ میت کے ہاں جمع ہونے اور (ان جمع شدہ لوگوں کے لیے) کھانا پکانے کو نوحہ میں سے شمار کرتے تھے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر مروجہ طریقے کے مطابق ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں ہمارے مطابق وہ اس مسئلے میں صریح نہیں ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

پہلی دلیل:

ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے رجم ہو جانے کے بعد لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ کچھ لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ اس کے گناہ نے اسے ہلاک کر دیا اور کچھ یہ کہہ رہے تھے کہ ماعز سے بہتر بھی بھلا کسی کی توبہ ہو گی کہ اس نے اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کر دیا۔

"ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَهُمْ جُلُوسٌ، فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: فَقَالُوا: غَفَرَ اللّٰهُ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ" (صحیح مسلم: 1695)

"پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور لوگ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے سلام کہا، پھر بیٹھ کر فرمانے لگے: ماعز بن مالک کے لیے استغفار کرو، تو سب نے کہا: اللہ ماعز بن مالک کو معاف فرمائے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے ایک امت میں بھی تقسیم کر دیا جائے تو انھیں کافی ہو جائے گی۔"

یعنی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مختلف فیہ مسئلے کو حل فرما دیا کہ اس کی غلطی نے اسے ہلاکت میں نہیں ڈالا بلکہ اس کی توبہ اعلیٰ ترین توبہ ہے، لہٰذا تم بھی اس کے لیے استغفار کرو تو صحابہ نے بلا تاخیر فوراً ہی کہہ دیا کہ اللہ اسے بخشے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس حدیث میں نہ تو مروجہ اجتماعی دعا کا ثبوت ہے کہ ایک شخص دعا کروائے اور باقی سب اس کی دعا پر آمین کہیں، اور نہ ہی ہاتھ اٹھانے کا کوئی اشارہ ہے، اور نہ ہی میت کے گھر اکٹھ کا کوئی تذکرہ، جبکہ اس کے برعکس حدیثِ مبارک میں یہ بات واضح ہے کہ جب لوگ کسی فوت شدہ کا تذکرہ کریں تو اہلِ بصیرت پر لازم ہے کہ لوگوں کو اس کے لیے دعائے مغفرت کا کہیں۔

اور اس حدیث پر بحمد اللہ تعالیٰ تمام تر اہل الحدیث علماء وعوام کا عمل ہے کہ وہ بالکل اسی طرح مختصر الفاظ میں دعائے مغفرت کر دیتے ہیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی اور یہ کام تعزیت کے وقت بھی ہوتا ہے اور جب بھی اس کا ذکرِ خیر ہو اس طرح کے دعائیہ جملے کہے جاتے ہیں، مثلاً: اللہ اس پر رحم فرمائے، اللہ بخشے، وغیرہ۔ اور اس قسم کے دعائیہ کلمات ہاتھ اٹھائے بغیر کہے جاتے ہیں اور سبھی کہتے ہیں یا پھر کسی ایک کے کہنے پر باقی آمین کہہ کر اس دعا میں شامل ہو جاتے ہیں۔

دوسری دلیل:

ابو عامر رضی اللہ عنہ غزوہ اوطاس کے امیر تھے۔ انھیں ایک تیر لگا جس سے وہ نڈھال ہو گئے تو انھوں نے ابو موسیٰ (جن کا نام عبد اللہ بن قیس ہے) کو کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہنا اور میرے لیے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا، اس کے کچھ ہی دیر بعد وہ وفات پا گئے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو ابو عامر رضی اللہ عنہ کی خبر دی اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست بھی پیش فرمائی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس سے وضو فرمایا، پھر کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہا:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَوْقَ كَثِيرٍ مِنْ خَلْقِكَ، أَوْ مِنَ النَّاسِ"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”اے اللہ! ابو عامر عبید کو معاف فرما دے۔ اے اللہ! قیامت کے دن اسے اپنی مخلوق میں سے بہت سے لوگوں پر فوقیت عطا فرما۔“

تو میں نے عرض کی: اور میرے لیے بھی استغفار فرما دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہ معاف فرما اور اسے روزِ قیامت عزت والی جگہ میں داخل فرما۔“ (بخاري: 4323، مسلم : 2498)

اس روایت میں کوئی تعزیت کا موقع نہیں ہے بلکہ انھوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے لیے رسول اللہ ﷺ سے دعا کی اپیل کرنا، آپ نے ان کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ اس حدیث سے تعزیت کے موقع پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا مسئلہ کشید کرنا محلِ نظر ہے۔

تیسری دلیل:

جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بند فرمائیں اور فرمایا کہ جب روح قبض ہوتی ہے تو آنکھیں اس کا پیچھا کرتی ہیں۔ یہ بات سن کر ان کے گھر والے چیخنے لگے تو نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے لیے بھلائی ہی مانگو، کیونکہ جو کچھ بھی تم کہتے ہو، فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِيْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّينَ، وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِينَ، وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ، وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ، وَنَوِّرْ لَهُ فِيهِ“ (صحیح مسلم: 920)

”اے اللہ! ابوسلمہ کو معاف فرما دے اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اسے بلند مقام عطا فرما، اور اس کے بعد اس کے اہل وعیال میں اس کا خلیفہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بن جا، اور اے رب العالمین اسے اور ہمیں معاف فرما دے، اے اللہ اس کی قبر کو کشادہ فرما اور اس کے لیے اس میں روشنی کر دے۔“

اس حدیثِ مبارک میں بھی نہ تو ہاتھ اٹھانے کا کوئی تذکرہ ہے اور نہ ہی اجتماعی دعا کا کوئی ثبوت۔ صرف اتنا ہے کہ آپ ﷺ نے اہلِ میت کو جزع فزع کرنے سے منع کیا اور اچھی دعا کرنے کا کہا اور خود بھی میت کے لیے دعا فرمائی۔

چوتھی دلیل:

جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جنگِ موتہ میں شہید ہوئے تو رسول اللہ ﷺ تین دن ان کے اہلِ خانہ کے پاس نہیں گئے۔ تین دن کے بعد ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا: آج کے بعد میرے بھائی پر کسی نے رونا نہیں ہے، میرے بھائی کے بیٹوں کو میرے پاس لاؤ۔ انھیں لایا گیا تو وہ چوزوں کی طرح تھے، آپ نے فرمایا: حجامت کرنے والے کو بلاؤ، جب وہ آیا تو آپ نے اسے بچوں کے سر مونڈنے کا حکم دیا، پھر آپ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور دعا فرمائی:

”اَللّٰهُمَّ اخْلُفْ جَعْفَرًا فِيْ أَهْلِهِ، وَبَارِكْ لِعَبْدِ اللّٰهِ فِيْ صَفْقَةِ يَمِيْنِهِ“ (مسند أحمد: 1750)

”اے اللہ! جعفر کے اہل و عیال میں اس کا خلیفہ بن جا اور عبداللہ کی تجارت میں برکت دے۔“

اس حدیث میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر تو ہے، لیکن ہمارے ہاں مروجہ اجتماعی دعا والا تصور اس سے اخذ کرنا محلِ نظر ہے اور بالخصوص ہمارے ہاں پہلے تین دن میں یہ کام ہوتا ہے، حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ تو تین دن بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے تھے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مختصر یہ کہ میت کے لیے دعائے مغفرت کرنا ثابت ہے اور یہ دعائے مغفرت ورحمت میت کے گھر بھی کی جاسکتی ہے اور باہر بھی۔ دوسروں کو اس دعا کی تلقین بھی کی جاسکتی ہے، اسی طرح کسی موقع پر ہاتھ اٹھا کر بھی دعا کی جاسکتی ہے۔ لیکن میت کے گھر جمع ہونا اور اجتماعی دعا کرنے والا مروجہ طریقہ کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے۔ کئی ایک اہلِ علم نے اس کو صراحت کے ساتھ غیر مسنون یا بدعت قرار دیا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا:

''دفن کر کے میت کے گھر واپس آ کر سب لوگوں کا ہاتھ اٹھا کر سورۃ فاتحہ پڑھ کر یا بغیر اس کے پڑھے ہوئے دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟''

آپ نے جواب دیا:

''تعزیت اور تسلی کا یہ طریقہ آنحضرت ﷺ یا صحابہ سے ثابت نہیں۔ دعا کا یہ دستور محض رسمی اور غیر شرعی طریقہ ہے۔'' (فتاویٰ مبارکپوری، ص: 461)

مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''موت کے بعد میت کے لیے دعا اور صدقہ یقیناً مفید ہیں۔ جنازہ خود میت کے لیے دعا ہے لیکن صدقہ اور دعا کے لیے کسی وقت کا تعین شرعاً ثابت نہیں۔ موت کے بعد میت کے گھر بیٹھ کر عموماً دعاؤں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ ہر آنے والا دعا کے لیے اس انداز سے درخواست کرتا ہے گویا وہ اپنی حاضری نوٹ کرا رہا ہے۔ ایک سیکنڈ میں دعا ختم ہو جاتی ہے اور حقہ اور گپوں کا دور شروع ہو جاتا ہے اور دعا کے وقت بھی دل حاضر نہیں ہوتا، حالانکہ دل کی توجہ دعا کے لیے از بس ضروری ہے۔ میت کے لیے دعا ہر وقت بلا تخصیص کی جاسکتی ہے اور زندوں کی طرف سے یہی بہترین صلہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے جو میت کو دیا جاتا ہے، بشرطیکہ سنت کے مطابق ہو۔ تعزیت کا مطلب گھر والوں کی تسکین ہے۔ دعا اگر مجلس کی بجائے انفراداً کی جائے تو دعا کا مقصود پورا ہو سکتا ہے۔ غرض یہ تین دن کا جلسہ دعائیہ سنت سے ثابت نہیں۔ ان مجالس میں حقہ اور بھی ان کے مقصد کو برباد کر دیتا ہے۔''

حافظ ثناء اللہ مدنی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا:

''عام رواج پا چکا ہے کہ مرنے والے کے لیے اجتماعی دعا بار بار کی جاتی ہے۔ جو بھی تعزیت کے لیے آتا ہے کچھ دیر بیٹھنے کے بعد کہتا ہے کہ دعا کیجیے اور تمام حاضرین ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ حرام ہے؟ بدعت ہے؟ وضاحت فرما دیں۔''

آپ نے فرمایا:

''میت کے لیے دعا کرنا بلاشبہ ثابت ہے لیکن ہمارے ہاں موجودہ طریقہ کار ثابت نہیں۔ یعنی دعا کے لیے مجلس یا تعزیت وغیرہ کے لیے مجلس قائم کرنا بھی ثابت نہیں، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔''

(فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ: 214/1)

عالمِ اسلام کی معروف سعودی فتویٰ کمیٹی کو پاکستان سے کسی نے اس حوالے سے ایک تفصیلی سوال بھیجا، جس کے جواب میں انھوں نے مروجہ اجتماعی دعا کو بدعت قرار دیا۔ هذا ما عندنا، والله أعلم بالصواب، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

قبر کی مرمت کے لیے میت کو قبر سے نکالنا:

سوال شدید بارش کی وجہ سے میرے سسر صاحب کی قبر کے پھٹے ٹوٹ کر بہت زیادہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیٹھ گئی ہے، بلکہ بہت زیادہ لمبائی، چوڑائی سے زمین اندر چلی گئی ہے۔ ان کی وفات کو دس سال ہو گئے ہیں، کیا قبر کی مرمت کے لیے میت کو نکالا جا سکتا ہے یا پھر ویسے ہی مٹی ڈال کر اسے بند کر دیا جائے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

ایسی صورت میں اگر میت کو نکالے بغیر ممکن ہو تو اوپر سے قبر اتنی مرمت کر دی جائے جس سے معلوم ہو کہ یہاں قبر ہے تاکہ قبر سے متعلقہ احکام کو ملحوظ رکھا جا سکے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عیدین

چھت والی عمارت میں نمازِ عید پڑھنے کا حکم:

سوال جو جگہ چھت والی (لینٹر شدہ) ہو اور اس کی دیواریں نہ ہوں، کیا وہ عمارت کے حکم میں ہوگی یا کھلی جگہ کے حکم میں؟ اور ایسی جگہ نمازِ عید پڑھنا کس حکم میں ہوگا؟

جواب الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

نمازِ عیدین کے لیے مسنون یہ ہے کہ آبادی سے باہر کسی کھلی جگہ پر پڑھی جائے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى الْمُصَلَّى" (صحیح البخاری: 956، صحیح مسلم: 889)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے لیے نماز گاہ کی طرف جاتے تھے۔"

یہ نماز گاہ مدینہ کے باہر کھلی جگہ پر تھی۔ (زاد المعاد: 441/1) لہٰذا سلف صالحین اور اہلِ علم کا یہی موقف رہا ہے کہ نمازِ عیدین مسجد کے علاوہ باہر کھلی جگہ ادا کرنا افضل واولیٰ ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ کا یہی عمل رہا ہے۔ البتہ بوقتِ مجبوری جب کوئی کھلی جگہ، میدان یا گراؤنڈ وغیرہ میسر نہ ہو تو آبادی کی مسجد میں یا کسی اور بند جگہ پر نمازِ عیدین پڑھی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ حرمین شریفین میں بھی لوگ مسجد میں ہی عید کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز ادا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی اکثر عیدین کی نماز مسجدوں میں ہی ادا کی جاتی ہے، کیونکہ کھلے میدانوں کا ملنا کافی مشکل ہوگیا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں جو جگہ بیان کی گئی ہے کہ لینٹر شدہ ہے تو لینٹر ڈالنے کی دو ہی صورتیں ہیں: یا تو اس کی دیواریں ہیں، یا پھر صرف پلرز یعنی ستونوں پر کھڑا کیا گیا ہے۔ ہر دو صورتوں میں وہ چھت ہی ہے، کھلی جگہ کے حکم میں نہیں ہے۔ اگر کوئی کھلی جگہ میسر نہیں ہے، تو وہاں نمازِ عید ادا کی جاسکتی ہے۔ هذا ما عندنا، والله أعلم بالصواب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قربانی

قربانی کی شرعی حیثیت:

سوال قربانی کا حکم کیا ہے؟ قربانی کی فضیلت میں احادیث مروی ہیں؟ سلف صالحین میں سے کسی سے قربانی نہ کرنا ثابت ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

قربانی سنتِ ابراہیمی ہے اور اسوۂ حسنہ بھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [الكوثر: ٢]

''اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔''

قربانی کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر مروی ہے:

((مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ، وَلَمْ يُضَحِّ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا))

(ابن ماجه: 3123)

''جو شخص قربانی کی طاقت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔''

اس حدیث کی نسبت میں کلام ہے۔ بعض اہلِ علم نے اسے موقوفاً صحیح کہا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: التبيان في تخريج أحاديث بلوغ المرام: 111/11)، ہر دو صورتوں (موقوفاً یا مرفوعاً) میں یہ کم از کم قابلِ استیناس ہے، بالخصوص دیگر احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال قیام پذیر رہے اور ہر سال قربانی فرماتے رہے۔ (سنن الترمذي: 1507)

البتہ قربانی کی فضیلت سے متعلق بعض احادیث مروی ہیں جو پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «یوم النحر» یعنی قربانی والے دن جانور کا خون بہانے سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔ قیامت والے دن ذبیحہ کے سینگ، بال، ناخن تک اس کے نامہ اعمال میں شمار کیے جائیں گے اور خون تو زمین پر گرنے سے قبل اللہ کے ہاں پہنچ جاتا ہے۔

(ترمذی: 1439، ابن ماجہ: 3126)

یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، کئی ایک اہلِ علم نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(العلل للدارقطني: 3823، السلسلة الضعيفة: 526) مزید احادیث اور ان پر کلام ملاحظہ کرنے کے لیے حافظ ذہبی کی تلخیص المستدرک، اور تلخیص السنن الکبیر میں کتاب الضحایا ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ خلاصہ یہی ہے کہ قربانی کی خاص فضیلت سے متعلق وارد احادیث عموماً کلام سے خالی نہیں ہیں، جیسا کہ قاضی ابن العربي مالکی فرماتے ہیں:

"ليس في فضل الأضحية حديثٌ صحيحٌ، وقد روى الناس فيها عجائب لم تصح" (عارضة الأحوذي: 228/6)

"قربانی کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ کچھ لوگوں نے اس میں عجیب وغریب غیر صحیح باتیں نقل کی ہوئی ہیں۔"

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس قول کی تائید کی ہے، لیکن ساتھ اس کی توجیہ بھی کی ہے کہ ابن العربي نے صحت کی نفی کی ہے، حسن کی نفی نہیں کی۔ (تحفة الأحوذي: 63/5) اسی قسم کی بات حافظ ابن عبدالبر نے بھی فرمائی ہے کہ قربانی کی فضیلت میں بعض حسن درجے کے آثار وارد ہیں۔ (التمهيد: 192/23) بہرصورت قربانی کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنیادی فضیلت ومشروعیت قرآن وسنت سے ثابت ہے، جیسا کہ شروع میں گزرا۔

لہٰذا یہ سنتِ مبارکہ عہدِ نبوی سے لے کر دورِ صحابہ وتابعین اور آج تک مسلمانوں میں جاری وساری ہے۔کئی ایک اہلِ علم نے اس کی مشروعیت پر اجماع نقل کیا ہے، بلکہ خیر القرون میں قربانی کرنا اس قدر عام تھا کہ گویا یہ ایک واجب اور فرض کا درجہ رکھتی ہے، لہٰذا اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے کئی ایک سلف صالحین سے قربانی نہ کرنا بھی منقول ہے۔

- ''ابو سریحہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں میرے پڑوسی تھے اور دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔''

(معرفة السنن والآثار للبيهقي: 5633، مسند الفاروق: 332/1)

- امام نووی فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے صحیح ثابت ہے کہ وہ اس ڈر سے قربانی نہ کرتے تھے کہ لوگ اسے واجب نہ سمجھ لیں۔

(المجموع شرح المهذب: 383/8)

- ''حضرت عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ارادہ کیا کہ قربانی چھوڑ دوں، حالانکہ میں تم سب سے زیادہ استطاعت والا ہوں کہ کہیں لوگ قربانی کو واجب نہ سمجھنے لگیں۔'' (مصنف عبدالرزاق: 8148)

- ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قربانی واجب نہیں۔تم میں سے جو کوئی قربانی کرنا چاہے کر لے اور جو چاہے نہ کرے۔'' (مصنف عبدالرزاق: 8137)

اس قسم کے مزید بھی کچھ آثار سلف صالحین سے مروی ہیں۔ امام ابن عبد البر اس طرح کے بعض آثار ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''مَحْمَلُهُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لِئَلَّا يُعْتَقَدَ فِيهَا لِلْمُوَاظَبَةِ عَلَيْهَا أَنَّهَا وَاجِبَةٌ فَرْضًا وَكَانُوا أَئِمَّةً يَقْتَدِي بِهِمْ مَنْ بَعْدَهُمْ مِمَّنْ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

يَنْظُرُ فِي دِينِهِ إِلَيْهِم لِأَنَّهُم الْوَاسطة بَيْنَ النَّبِيِّ وَبَيْنَ أُمَّتِهِ فَسَاغَ لَهُمْ مِنَ الاِجْتِهَادِ فِي ذَلِكَ مَا لَا يَسُوغُ الْيَوْمَ لِغَيْرِهِمْ وَالْأَصْلُ فِي هَذَا الْبَابِ أَنَّ الضَّحِيَّةَ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ لأن رَسُول اللّٰه فَعَلَهَا وَوَاظَبَ عَلَيْهَا أَوْ نَدَبَ أُمَّتَهُ إِلَيْهَا وَحَسْبُكَ أَنَّ مِنْ فُقَهَاءِ الْمُسْلِمِينَ مَنْ يَرَاهَا فرضا" (التمهيد: 195/24)

"ان آثار کا اہلِ علم کے ہاں مطلوب و مقصود یہی ہے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانی پر ہمیشگی کی وجہ سے کوئی اسے فرض اور واجب نہ سمجھ لے، کیونکہ لوگ انھیں بطور امام و مقتدی سمجھتے تھے، کیونکہ وہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان واسطہ ہیں، لہٰذا ان کے لیے اس عذر کے باعث ترکِ قربانی والے اجتہاد کی گنجایش تھی، جبکہ درحقیقت یہ سنتِ موکدہ ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہ صرف کیا، بلکہ اس پر ہمیشگی فرمائی، اور امت کو ترغیب دلائی، اور اسی اہمیت کے پیشِ نظر بعض ائمہ کرام اسے فرض خیال کیا کرتے تھے۔"

قربانی کی جگہ اس کی قیمت صدقہ کر دینا:

سوال ہر سال قربانی کے موقع پر بعض لوگ یہ کہنا شروع ہو جاتے ہیں کہ قربانی کرنے کی بجائے اُتنی رقم کسی غریب کو صدقہ کر دی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

قربانی سنتِ ابراہیمی ہے اور اسوۂ حسنہ بھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ [الكوثر: ۲]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔''

قربانی کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر مروی ہے:

((مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ، وَلَمْ يُضَحِّ، فَلَا يَقْرُبَنَّ مُصَلَّانَا))

(ابن ماجہ: 3123)

''جو شخص قربانی کی طاقت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔''

رسول اللہ ﷺ کا معمول رہا کہ آپ ہر سال قربانی کیا کرتے تھے، یہی سنتِ مبارکہ بعد میں صحابہ و تابعین اور آج تک مسلمانوں میں جاری و ساری ہے۔

بلاشبہ صدقہ و خیرات اور غربا و مساکین کی مدد افضل ترین اعمال میں سے ہے، لیکن یہ قربانی کا متبادل نہیں ہوسکتا۔ اللہ نے ہم پر نماز فرض کی ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ وقت نکال کر اس فریضہ کی ادائیگی ضروری ہے، لیکن کوئی شخص کہے کہ جو وقت میں نے نماز میں صرف کرنا ہے، بہتر ہے کہ اس وقت میں اللہ کے بندوں کی خدمت کردوں تو ایسا شخص فریضہ نماز کا تارک ہونے کے سبب سخت ترین تادیب و سزا کا مستحق ہے۔ ہاں اگر کوئی نماز کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ خلقِ خدا کی خدمت بھی کرتا ہے تو یہ بہترین کام ہے۔ بالکل اسی طرح قربانی کی سنت جانوروں کا خون بہانے سے ادا ہوتی ہے، صدقہ و خیرات کر دینا اس سے کفایت نہیں کرے گا۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ﴾

[الحج: ٣٧]

''اللہ کو جانوروں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا ہے، البتہ تمھاری پرہیز گاری اس کے ہاں پہنچتی ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

گو اللہ تعالیٰ کو گوشت پوست کی ضرورت نہیں، لیکن جس عمل کو ہم نے تقویٰ و اخلاصِ نیت سے سرانجام دینا ہے وہ قربانی ہی ہے، تبھی تو جانوروں کے گوشت اور خون کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

شریعت نے غرباء و مساکین کی مدد کے لیے بہت سارے راستے کھولے ہیں۔ زکوۃ، نفلی صدقات و خیرات یہ سب امورِ غریب کی ہمدردی کے پیشِ نظر ہی ہیں۔ اسلام کی خوبصورتی ہے کہ اسلام میں قربانی اور غریب کی مدد دونوں حکم موجود ہیں۔ بلکہ قربانی تو سال میں ایک مرتبہ ہوتی ہے، جبکہ غریب کی مدد کی ترغیب و راہنمائی تو سارا سال ہی موجود ہے۔ اگر ہم غریب کی مدد والے حکم کو مدنظر رکھیں تو یہ الجھن پیدا نہیں ہوگی کہ قربانی کی جائے یا وہ رقم غریبوں میں تقسیم کی جائے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے صدقہ و خیرات اور غربا و مساکین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کے دینی احکامات کو تو پسِ پشت ڈالا ہی ہے، اب ہم اپنی اس کوتاہی کو درست کرنے کے بجائے دیگر عبادات پر بھی حملہ آور ہونا چاہتے ہیں غریب کی مدد والے حکم میں تو ہم پہلے ہی کوتاہی کر رہے ہیں اور معاشرے میں غربت عام ہے، لیکن اسی بہانے ہم قربانی والی سنت کو بھی ضائع کرنا چاہتے ہیں۔

اہم بات یہ بھی ہے کہ خود قربانی کا نظام اس قدر بابرکت ہے کہ اس سے پیسہ معاشرے کے مختلف طبقات میں سرکولیٹ ہوتا ہے۔ جانور پالنے والے لوگوں کی مدد ہوتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر سال 4 کھرب روپے سے زیادہ مویشیوں کا کاروبار ہوتا ہے۔ 3 ارب روپے سے زیادہ چارے کے کاروبار والے کماتے ہیں۔ 23 ارب روپے قصائی مزدوری کے طور پر کماتے ہیں، اس کے علاوہ مختلف شکلوں میں بہت سارے لوگوں کا کاروبار اور روزگار چلتا ہے۔ بلکہ کھالیں زیادہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونے کی وجہ سے ملک میں چمڑہ زیادہ مقدار میں پیدا ہوتا ہے، جس سے ملکی معیشت بھی بہتری کی طرف آتی ہے۔ ثابت ہوا کہ قربانی صرف عبادت وسنت ہی نہیں، بلکہ غریب کی ہمدردی اور ملکی معیشت کی بہتری کا زبردست ذریعہ بھی ہے۔

دوسری طرف حج، قربانی، مساجد و مدارس کی تعمیر کے موقع پر غریب و مسکین کے حقوق کی دہائی دینے والے طبقے کی اپنی صورتِ حال یہ ہے کہ مہنگی ترین فاسٹ فوڈ چینز پر ہزاروں روپے بہاتے ہیں، نت نئے برانڈز کی خریداری، عالیشان کوٹھیاں، محلات، پھر ان میں آرایش و زیبایش، آئے روز بیش قیمت گاڑیاں و موبائلز پر فضول خرچی کی جاتی ہے۔ لاکھوں کروڑوں کے ہیرے جواہرات استعمال کر کے، مہنگے ترین سوٹ پہن کر، شادیوں، ولیموں پر غیر ضروری اخراجات، بلکہ ویلنٹائن ڈے جیسے حیا باختہ تہواروں پر لاکھوں لٹانے اور بہانے کے بعد غریب ہمیں یاد آتا ہے تو صرف حج اور قربانی کے موقع پر؟ کیا سگریٹ نوشی، شراب، جوا جیسی محرمات پر ضائع ہونے والا پیسہ فضول خرچی نہیں ہے؟ حالانکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں غربا و مساکین کو یاد کرنے کی ضرورت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شعائرِ اسلامیہ پر اس قدر سستی تنقید و ہلکی جملے بازی کرنے والوں کو غریب سے ہمدردی ہے نہ قربانی پر ذبح ہونے والے جانوروں سے کوئی پیار، بلکہ انھیں بغض و کراہیت ہے اس دینِ اسلام سے جو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جو اللہ مالک الملک کے حقوق کی اہمیت واضح کرنے کے ساتھ، مخلوقِ خدا کی بہتری و ترقی کے لیے بھی بہترین رہنمائی کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینِ اسلام پر یکسوئی سے گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قربانی کرنے کے بعد حجامت بنوانے کا حکم:

سوال حجامت وغیرہ کب کروانی ہے: نماز عید کے بعد؟ قربانی کرنے کے بعد؟ اگر کسی نے قربانی دوسرے تیسرے دن کرنی ہے تو کیا وہ حجامت بھی لیٹ کرے گا؟ اگر کوئی مصروفیت کے سبب حجامت نہ کرواسکے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

جواب الحمد للّٰہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

حجامت کا تعلق قربانی کے ساتھ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے فرمان میں یہ صراحت ہے کہ جو قربانی کرنے والا ہے جب تک اپنی قربانی کو ذبح نہیں کر لیتا اس وقت تک وہ اپنے بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتا۔ (صحیح مسلم: 1977) لہٰذا اس کا تعلق نماز عید کی بجائے قربانی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص پہلے دن قربانی کرے تو قربانی کرنے کے بعد اپنے بال اور ناخن کاٹ سکتا ہے لیکن اگر وہ دوسرے یا تیسرے دن قربانی کرتا ہے تو وہ قربانی ذبح کرنے کے بعد ہی بال اور ناخن کاٹے گا۔

اور یہ اجازت ہے، لازم نہیں ہے کہ قربانی کرنے کے بعد فوراً بال کاٹنا فرض ہے۔ اگر فوراً ضرورت نہ ہو تو بعد میں جب ضرورت ہو تب اپنے بال کاٹ لے۔ اس میں کوئی حرج والی بات نہیں ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

حرام کمائی والے کی قربانی کا گوشت کھانے کا حکم:

سوال ہمیں پتا ہے کہ ایک بندہ حرام کی کمائی کماتا ہے اور وہ قربانی کر کے گوشت تقسیم کرے تو کیا ہم اس کی قربانی کا گوشت لے سکتے ہیں اور اس کو کھا سکتے ہیں؟

جواب الحمد للّٰہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

اگر اس کی کمائی میں حلال وحرام دونوں جمع ہیں پھر تو درست ہی ہے اور اگر اس کی کمائی مکمل حرام سے ہے تو بھی جائز ہے۔ نبی اکرم ﷺ یہود وغیرہ کی دعوت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قبول کرتے تھے۔ اور معلوم ہے کہ ان کے ہاں حرام آمدن موجود تھی، البتہ اجتناب اولیٰ ہے اور اگر یہ صورتِ حال کسی داعی اور متبعِ سنت کو پیش آئے تو اسے ایسے ماحول میں لینے نہ لینے میں دعوتی مصلحت کو ضرور مدِنظر رکھنا چاہیے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

وکالتاً قربانی کرنے والے کی نمازِ عید اور قربانی کا وقت:

سوال پاکستان کی بعض تنظیمات کی طرف سے قربانی فی سبیل اللہ کو مشتہر کیا گیا ہے کہ شام، فلسطین، افغانستان، کشمیر وغیرہ کے مسلمانوں کے لیے قربانی کی مد میں رقم جمع کروائیں تاکہ ان کو تازہ گوشت بر وقت مہیا کیا جا سکے۔ جبکہ عرب ممالک میں عید ایک روز پہلے ہو جاتی ہے اور پاکستان میں ایک دن بعد۔ یہ بھی مسئلہ ہے کہ قربانی عید کی نماز کے بعد ہے؛ اگر پہلے کر لی تو صدقہ ہو گا، قربانی نہیں۔ صورتِ مسئولہ میں کیا کسی پاکستانی کی طرف سے قربانی ایک روز قبل ہو سکتی ہے؟

جواب الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

قربانی جب وکالتاً ہوتی ہے تو اعتبار وکیل کی عید نماز کے وقت اور دن کا ہوتا ہے، نہ کہ قربانی کے حصہ داروں کا۔ یہی صورت پاکستان میں بھی ہے۔ سارے حصہ داروں کی نماز کا انتظار نہیں کیا جاتا، بلکہ وکیل نمازِ عید پڑھ کر جانور قربان کرنا شروع کر دیتا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں جس ملک کے لیے قربانی صدقہ کی گئی ہے، وہاں کے حساب سے قربانی کرنے سے ہو جائے گی۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

کئی افراد کا پیسے جمع کر کے ایک قربانی کرنا:

سوال ایک بچیوں کا مدرسہ ہے وہاں کی معلّمہ اپنی تلامذہ سے مشترکہ طور پر قربانی کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہتی ہے۔ ہر بچی اپنی طاقت کے مطابق حصہ ملاتی ہے اور ایک قربانی کر دی جاتی ہے۔ کیا سات سے زائد افراد کی طرف سے اس طرح قربانی ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب الحمد للّٰہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

وہ معلّمہ اپنی تلامذہ سے پیسے اکٹھے کر کے جو قربانی کرتی ہے، اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ وہ قربانی بچیوں کی طرف سے ہو، یہ تو ناجائز ہے، کیونکہ ایک قربانی میں اگر گائے اونٹ بھی ہو تو سات جمع ہو سکتے ہیں، زیادہ نہیں۔ اس میں جو ہر بچی نے پیسے ڈالے ہیں ان کی سات سے تعداد کہیں زیادہ ہے، لہٰذا یہ صورت ناجائز ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ جو پیسے اکٹھے ہوئے ہیں، سب بچیاں اس سے قربانی کا جانور لے کر اپنی استانی صاحبہ کو دے دیں، تاکہ وہ اپنی طرف سے قربانی کر لے، اس میں قربانی کرنے والوں کو بھی ثواب ملے گا اور پیسے جمع کرنے والی بچیاں بھی اجر کی مستحق ہیں، کیونکہ انھوں نے خیر کے ایک عظیم کام میں تعاون کیا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زکاۃ

مالِ تجارت کی زکات کیسے ادا کی جائے؟

سوال دکان میں جو مالِ تجارت ہے، اس کی زکاۃ کیسے ادا کی جائے گی؟ وضاحت کر دیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

اموالِ تجارت کی زکاۃ میں قیمتِ فروخت شرعاً معتبر ہوتی ہے؛ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کی زکاۃ کا سال جس دن مکمل ہوتا ہے، اس دن دکان میں جتنی اشیاء موجود ہوں ان کی اس دن کی قیمتِ فروخت کا حساب کر کے کل مالیت کا اڑھائی فیصد بطورِ زکات ادا کرنا آپ پر لازم ہوگا۔ نیز اگر بھاؤ تاؤ کی وجہ سے قیمتِ فروخت مختلف ہوتی ہو تو اس صورت میں دکان دار جس قیمت پر عموماً فروخت کرتا ہے، اس قیمت کا اعتبار کر کے کل سرمایہ کا حساب کیا جائے گا۔

عملی طور پر زکاۃ نکالنے کا طریقہ یہ ہے:

① سامانِ تجارت میں سے جو کچھ اس کے پاس ہے اس کی موجودہ مارکیٹ کے حساب سے قیمت لگائے۔

② جو نقدی اس کے پاس ہے چاہے اس کو تجارت میں استعمال کیا ہو یا نہ کیا ہو اس کو اس کے ساتھ ملا دے۔

③ جو اس نے لوگوں سے قرض لینا ہے اس کو بھی ساتھ جمع کر دے۔ بشرطیکہ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ملنے کی امید ہو، خواہ دیر سے ہی کیوں نہ ہو۔

④ اور جو اس نے قرض دینا ہے اس کو اس ساری مالیت سے نفی کر دے۔ البتہ وہ قرض نفی نہیں ہوگا جو فضولیات کے لیے لیا گیا ہو یا ادا کرنے میں جان بوجھ کر سستی کی یا ٹال مٹول سے کام لیا ہو۔

یعنی تاجر تجارت کے سامان کی قیمت کو، اپنے پاس موجود نقدی کو، اور جو اس نے قرض لینا ہے، تینوں چیزوں کو ملا کر کل رقم کا اڑھائی فیصد بطورِ زکات ادا کرے گا۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

زکاۃ کی رقم سے مسجد میں امام یا خادم کی رہائش تعمیر کرنا:

سوال مسجد کی چھت پر امام، خطیب، مدرس، خادم یا متولی کے لیے مالِ زکاۃ سے رہائش تعمیر کرنا کیا شرعاً جائز ہے؟ أفيدونا مأجورين وجزاكم الله خيرا

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

یہاں دو مسئلے ہیں: ایک تو مسجد کی چھت پر مسجد کے متعلقین کی رہائش تعمیر کرنا، دوسرا اس تعمیر پر مالِ زکاۃ خرچ کرنا۔

جہاں تک تعلق ہے مسجد پر رہائش رکھنے کا، تو اگر مسجد کو تعمیر کرتے وقت رہائش کے لیے کوئی جگہ خاص کی گئی تھی، مثلاً: تعمیر کردہ جگہ کا ایک پورشن یا اس کا کوئی حصہ رہائش کے لیے خاص تھا، تو وہاں رہائش بنائی جا سکتی ہے۔ اور اگر وہ سب مسجد کے لیے ہی خاص تھا اور رہائش وغیرہ کی جگہ نہیں تھی تو ایسی صورت میں وہاں رہائش بنانا درست نہیں، ایسی صورت میں مسجد کے متعلقین و خادمین کے لیے الگ سے رہائش کا بندوبست کرنا ضروری ہے۔

زکاۃ کے بیان کردہ مصارفِ ثمانیہ میں مسجد اور اس کی ضروریات نہیں آتیں،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جبکہ مسجد کے امام، خطیب، مدرس یا خادم کی رہائش مسجد کی ایک ضرورت ہونے کی وجہ سے مسجد کے حکم میں ہے، لہٰذا ہماری سمجھ کے مطابق اس پر زکاۃ کی رقم خرچ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مسجد اہلِ محلہ، اہلِ دیہہ یا کسی جگہ کے باسیوں کی ایک ضرورت ہے اور سب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی جیب سے مسجد اور اس کی ضروریات کو پورا کریں۔ جس طرح وہ اپنی کسی اور ضرورت پر زکاۃ کی رقم خرچ نہیں کر سکتے، اسی طرح مسجد کی تعمیر یا مسجد کے متعلقین کی ضروریات پر زکاۃ استعمال نہیں کی جا سکتی۔ واللہ أعلم

زکات کی رقم سے قبرستان کے لیے جگہ خریدنا:

سوال کیا زکاۃ کی رقم سے قبرستان کے لیے زمین خریدی جا سکتی ہے، اس زمین کو وقف کرنے کا ارادہ ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کیا اس کو ہم کسی وقت اپنے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام علی من لا نبي بعده، أما بعد!

قرآن کریم میں زکاۃ کے بیان کردہ مصارفِ ثمانیہ میں قبرستان وغیرہ نہیں ہے، لہٰذا اس کام کے لیے زکاۃ خرچ نہیں کی جا سکتی۔ اگر آپ قبرستان کے لیے زمین وقف کرنا چاہتے ہیں تو زکاۃ سے ہٹ کر مال سے جگہ خریدیں اور پھر اسے وقف کریں۔ اور اس انداز سے اگر جگہ وقف کرتے ہیں اور یہ بھی نیت کر لیتے ہیں کہ یہ جگہ ہمارے لیے استعمال ہوگی تو یہ بالکل درست ہے۔ البتہ زکاۃ کے پیسوں سے قبرستان کی جگہ خریدنا جائز نہیں، نہ اپنے لیے نہ دوسروں کے لیے۔ واللہ اعلم بالصواب.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نکاح

نکاح کی شرعی حیثیت:

سوال میرے دوست کی بیٹی ہے، وہ جوان ہوگئی ہے، اس کے رشتے بھی آتے ہیں، لیکن وہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔ کہتی ہے کہ شادی کرنا کوئی ضروری تو نہیں، میری مرضی ہے کہ میں شادی کروں یا نہ کروں۔ کوئی مجھے زبردستی مجبور نہیں کر سکتا، اس حوالے سے ہماری رہنمائی فرمائیں کہ اس بچی کو کیسے قائل کیا جائے؟

سوال الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

نکاح کرنا فرض اور ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴾ [النور: ٣٢]

''تم میں سے جو مرد عورت بے نکاح کے ہوں ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک بخت غلام اور لونڈیوں کا بھی۔ اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں اپنے فضل سے غنی بنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔''

یہ آیت نص یعنی واضح حکم اور دلیل ہے بے نکاح مرد وعورتوں کا نکاح کرنے پر۔ اس کے علاوہ حدیثِ مبارک بھی ہے:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ التَّبَتُّلِ» (سنن الترمذي: 1082)

''نبی اکرم ﷺ نے بے شادی زندگی گزارنے سے منع فرمایا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث کتنی واضح ہے کہ شریعت میں بغیر نکاح کے رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک اور حدیث ہے:

«رد رسول اللہ ﷺ علی عثمان بن مظعون التبتل، ولو أذن له لاختصینا» (صحیح البخاري: 5073، صحیح مسلم: 1402)

''رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون کو بغیر شادی کے زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دی، اگر آپ انھیں اس کی اجازت دے دیتے تو ہم خصی ہو جاتے۔''

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ بغیر نکاح کے رہنا جائز نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ» (سنن ابن ماجه: 1846) ''نکاح میرا طریقہ ہے۔''

یہاں سنت سے مراد سنتِ لازمہ یعنی فرض ہے جیسا کہ رکعاتِ مغرب کے بارے میں آپ نے فرمایا:

«صَلُّوْا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ قَالَ فِيْ الثَّالِثَةِ: لِمَنْ شَاءَ. كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً» (صحیح البخاري: 1183)

''مغرب سے پہلے دو رکعتیں ادا کرو۔ تیسری مرتبہ فرمایا: جس کا دل چاہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ مبادا لوگ اسے فرض بنا لیں۔''

مذکورہ حدیث میں لفظ سنت بمعنی فرض استعمال ہوا ہے۔

اسی طرح نکاح کے متعلق آپ کا فرمان:

«فمن لم یعمل بسنتي فلیس مني» (سنن ابن ماجه: 1846)

''جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا، وہ مجھ سے نہیں۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

«فمن رغب عن سنتي فليس مني» (سنن الدارمي: 2215)

"جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں۔"

کے الفاظ فرضیت پہ دال ہیں کہ زجر و توبیخ غیرِ فرض کے ترک پہ نہیں ہوا کرتی۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ شادی سے کنارہ کشی کوئی اچھی خوبی نہیں، اس میں کوئی بہتری ہوتی تو اللہ تعالی اپنے پسندیدہ بندوں انبیاء کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتا، حالانکہ انبیاء تقوی، پرہیزگاری میں سب سے افضل تھے۔ اللہ تعالی نے ان پاکباز ہستیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ﴾

[الرعد: ٣٨]

"ہم نے آپ سے قبل کئی رسول بھیجے ہیں۔ اور ہم نے ان کو اہل و عیال عطا کیے تھے۔"

اس فطری ضرورت سے اعراض کرنا فتنہ و فساد اور مشکلات و مصائب کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُم مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ» (سنن الترمذي: 1084)

"جب تمھیں کوئی ایسا شخص شادی کا پیغام دے جس کی دین داری اور اخلاق سے تمھیں اطمینان ہو تو اس سے شادی کر دو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فسادِ عظیم برپا ہوگا۔"

لہٰذا جب مناسب رشتہ میسر ہو، پھر بھی شادی سے انکار اور تاخیر فتنہ و فساد کا باعث ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب تک عورت کی شادی نہیں ہوتی اس کے والدین اس کو سنبھالتے اور اس کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں، پھر شادی کے بعد اسے خاوند کی صورت میں، بعد میں اولاد کی صورت میں بہترین گھرانہ مل جاتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ جب انسان دوسروں کے پیار محبت، تعلق و مدد کا محتاج ہوجاتا ہے تو خاوند کے لیے بیوی اور بیوی کے لیے خاوند اور ان کی اولاد و احفاد ان کی دلجوئی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ جو لوگ ان سب نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں، ان کے لیے زندگی کے مختلف مراحل سخت مشکل ہوجاتے ہیں۔

نکاح مرد اور عورت کی فطری ضرورت اور ذہنی سکون اور آسودگی کا ذریعہ ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

[الروم:۲۱]

''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھیں میں سے تمھارے لیے جوڑے بنائے، تاکہ تم سکون حاصل کرسکو، اور تمھارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے پیار و محبت بنایا، غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں کئی ایک نشانیاں ہیں۔''

جس طرح کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اسی طرح نکاح بھی اس کی کچھ فطری ضروریات کی تکمیل کا ایک شرعی ذریعہ ہے۔ اگر انسان کا دل کھانے پینے سے اکتا جائے، اسے بھوک پیاس محسوس نہ ہوتو ہم اسے ایک بیماری سمجھ کر اس کا علاج کرتے ہیں، اسی طرح نکاح سے بے رغبتی والے مسئلے کو بھی سنجیدگی سے لینا چاہیے اور غور وفکر کرنا چاہیے کہ اس کی کیا وجوہات اور اسباب ہو سکتے ہیں، اور انھیں حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیٹی کا والدین کو یہ کہنا کہ شادی کرنا نہ کرنا میرا ذاتی مسئلہ ہے، کوئی مجھے مجبور نہیں کرسکتا، یہ غلط فہمی اب معاشرے میں عام ہو چکی ہے کہ بہت سارے لوگ دینی احکام وعبادات کو فرد کا ذاتی مسئلہ کہہ کر ان سے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ واجبات و فرائض کو چھوڑنے اور محرمات کے ارتکاب میں ہمارے پاس یہی دلیل ہوتی ہے کہ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ حالانکہ اگر بات واقعتاً ایسے ہی ہوتی تو شریعت میں عبادات کی اہمیت وفضیلت اور تاکید، بلکہ ان کی فرضیت اور ان کو چھوڑنے پر وعیدوں کا ذکر نہ ہوتا۔ گناہوں پر دنیاوی اور اخروی سخت سے سخت سزاؤں کا اعلان نہ ہوتا۔ اوپر حدیث گزری ہے کہ ایک صحابی نے شادی کے بغیر زندگی گزارنے کا عزم کیا، لیکن حضور ﷺ نے ان کے موقف کو رد کردیا۔ پھر فرمایا کہ اگر شادی اور نکاح کا اہتمام نہ کیا جائے گا تو معاشرہ فتنہ وفساد کا شکار ہو جائے گا۔ یہ سب چیزیں اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ نکاح جیسی عظیم سنت اور فریضے کو ذاتی مسئلہ سمجھ کر اس سے اعراض و نفرت کرنا درست نہیں۔ اس میں اس کا اپنا اور جس معاشرے کا وہ حصہ ہے دونوں کا نقصان ہے۔

لہٰذا ایسی صورت حال میں اگر کوئی ناسمجھی اور عدمِ شعور کی بنا پر کسی شرعی حکم سے اعراض کرے تو اس کو سمجھانے کے ساتھ ساتھ اس پر حسبِ حال سختی بھی کی جا سکتی ہے۔ اسلام فرائض پہ عمل کروانے میں سختی کی بھی اجازت دیتا ہے۔ حدیث میں یہ تو صراحت ہے کہ لڑکے کے انتخاب میں لڑکی کی پسند ناپسند کا خیال رکھا جائے اور کسی کے ساتھ نکاح کے لیے اس کی رضامندی ضروری ہے، لیکن اگر وہ سرے سے کسی سے بھی نکاح کرنے پر تیار نہ ہو تو والدین کوئی بھی مناسب رشتہ دیکھ کر اس کا نکاح کردیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ هذا ما عندنا، والله أعلم بالصواب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ولی کی موجودگی میں بغیر اجازت نکاح کرنے کا حکم:

سوال ایک لڑکے اور لڑکی کے آپس میں ناجائز تعلقات تھے، انھوں نے آپس میں عہد و پیمان کر رکھا تھا کہ ہم نکاح کریں گے۔ لیکن اتفاق ایسے ہوا کہ لڑکے کی آگے شادی ہو جاتی ہے۔ اس لڑکی کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی اور وہ ابھی تک بضد ہے کہ وہ اسی لڑکے سے شادی کروائے گی۔ مگر لڑکی کا باپ نہیں مان رہا، کیونکہ سابقہ ناجائز تعلقات کی بنا پر وہ نہیں چاہتا کہ میں اپنی بیٹی اس شخص کے نکاح میں دوں۔

اب ہوا یوں ہے کہ لڑکی کی ماں اپنے بیٹے کے ساتھ مل کر بیٹے کو ولی بنا کر بیٹی کی ادھر ہی لڑکے کے ساتھ شادی کر دیتی ہے، جس کی پہلے شادی ہو چکی ہے۔ باپ کی اجازت کے بغیر بیٹے کو ولی بنا کر شادی کرنے کے بعد ماں نے بیٹی کی رخصتی بھی کر دی ہے۔ کیا اس صورت میں نکاح جائز ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

ایک ولی اقرب اور ایک ابعد ہوتا ہے۔ ولی اقرب کی موجودگی میں ابعد کو ولی نہیں بنایا جاسکتا اِلا یہ کہ کوئی معقول عذر اور وجہ ہو۔

یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ باپ اس لیے ادھر شادی نہیں کرنا چاہتا کہ بیٹی اور اس لڑکے کے آپس میں ناجائز تعلقات تھے، جبکہ بیٹی اس ناجائز محبت کی وجہ سے ادھر شادی کرنا چاہتی ہے، ہمارے خیال میں باپ کا موقف درست ہے۔

اب ماں نے جو کردار ادا کیا ہے یہ بالکل غلط ہے کہ اپنے بیٹے یعنی لڑکی کے بھائی کو ولی بنا کر شادی کروا دی ہے اور باپ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ جب باپ موجود ہے اور وہ عاقل و بالغ ہے، سمجھدار ہے، تو اس کی موجودگی میں بیٹے، یعنی لڑکی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھائی، کو کس طرح ولی بنایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔

درست رستہ یہ ہے کہ اگر وہاں نکاح کرنا بھی ہے تو اس کے لیے باپ کو اعتماد میں لیا جائے، اسے اس رشتے کے لیے قائل کیا جائے، اور اگر وہ بات نہیں مانتا تو پھر باپ کو نظر انداز کر کے نکاح کرنا درست نہیں۔ اس میں جہاں ماں گناہگار ہے، وہاں بھائی اور لڑکی بھی گناہگار ہے۔ باپ کو چھوڑ کر اور اسے نظر انداز کر کے آگے شادی کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

عدت مکمل کیے بغیر نکاح کی شرعی حیثیت:

سوال عدت مکمل کیے بغیر نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

عورت سے اس کی عدت میں نکاح کرنا حرام ہے۔ خواہ وہ عدت طلاق رجعی کی ہو، طلاق بائن کی ہو، یا وفات کی ہو۔ کسی بھی عدت میں نکاح کرنا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾ [البقرة: ٢٣٥]

”اور نکاح کی گرہ پختہ نہ کرو یہاں تک کہ لکھا ہوا حکم اپنی مدت کو پہنچ جائے۔“

اس فرمانِ باری تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عدت میں عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ ممانعت اور روکنا اس کے حرام ہونے کی دلیل ہے۔ نکاح تو بعد کا مسئلہ ہے، شریعتِ اسلامیہ میں عورت کی عدت میں اسے واضح طور پر نکاح کا پیغام بھیجنا بھی جائز نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کہا تھا (جب انھیں تینوں طلاقیں ہو چکیں) کہ جب تمھاری عدت گزر جائے تو مجھے اطلاع دینا۔ جب فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے عدت گزرنے کی اطلاع دی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسامہ سے نکاح کرلو۔ (مسلم:3697)

یہاں رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کی عدت کے دوران میں نکاح کا پیغام تک نہیں دیا، نکاح کرنا کروانا تو بعد کی بات ہے۔ لہٰذا جب صراحتاً نکاح کے پیغام (منگنی) کی اجازت نہیں تو عدت میں نکاح کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَقَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّهُ لَا يَصِحُّ الْعَقْدُ فِي الْعِدَّةِ"

(تفسیر ابن کثیر: 484/1)

"تمام علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے دوران میں نکاح صحیح نہیں ہے۔"

جب تمام اہلِ علم متفق ہیں کہ عدت میں نکاح جائز نہیں تو ایسا نکاح باطل ہوگا اور ان دونوں کو فوراً ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا واجب اور ضروری ہے۔ وہ اپنے پہلے خاوند کی عدت مکمل کرے گی۔ پھر اگر دوسرا شخص عدت میں نکاح کے بعد دخول بھی کر چکا تھا تو امام مالک، شافعی اور احمد کے قول کے مطابق یہ عورت دوسرے کی بھی عدت گزارے گی۔ یہی فتوی عمر رضی اللہ عنہ سے بھی وارد ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس اس طرح کا ایک معاملہ آیا تو آپ نے فرمایا:

"أَيُّما امرأةٍ نكَحتْ فِيْ عِدَّتِها، فإن كَانَ الَّذِيْ تزوَّجَها لم يدخُلْ بها، فُرِّق بينهما، ثم اعتَدَّتْ بقيَّةَ عِدَّتِها مِن الْأَوَّلِ، وإن كان دخَل بها، فُرِّق بينهما، ثم اعتَدَّتْ بقيَّةَ عِدَّتِها مِن الأَوَّلِ، ثم اعتَدَّتْ مِن الآخِرِ" (شرح السنة: ۲۳۹۲)

"ان دونوں کے درمیان علیحدگی کروا دی جائے۔ پھر جس کے ساتھ اس کا نکاح ہوا ہے، اگر اس نے دخول نہیں کیا تو خاتون اپنے پہلے خاوند کی عدت کو ہی پورا کرے گی اور اگر دخول ہوگیا تھا، تو یہ اپنے پہلے خاوند کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عدت پورا کرنے کے بعد دوسرے کی عدت کو بھی پورا کرے گی۔"

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

مطلقہ بائنہ کا پہلے خاوند سے نکاح کرنا کب جائز ہوتا ہے؟

سوال ایک عورت کی شادی ہوئی جس سے بچے بھی تھے، پھر وہ اس شوہر سے مطلقہ بائنہ ہوگئی اور اس کا آگے نکاح ہو گیا، لیکن رخصتی سے پہلے پہلے اس کا دوسرا شوہر ایکسیڈنٹ سے وفات پا گیا ہے تو کیا وہ اپنے پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے کہ نہیں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

مدخولہ عورت کو جب طلاقِ بائن مل جاتی ہے تو پھر اسی شوہر سے دوبارہ نکاح کے لیے قرآن کریم نے یہ شرط بیان کی ہے:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾

[البقرة: ٢٣٠]

"اگر شوہر طلاق (بائن) دے دے، تو پھر وہ اس کے لیے تب تک حلال نہ ہوگی، جب تک کہ وہ خاتون اس کے علاوہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کر لے۔"

اور نکاح سے مراد یہاں صرف عقدِ نکاح نہیں، بلکہ رخصتی اور خلوتِ صحیحہ ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس رفاعۃ قرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی آئی، انھوں نے کہا: مجھے رفاعۃ نے طلاق بائن دے دی تھی، پھر میں نے کسی اور سے شادی کی، لیکن میں اس سے مطمئن نہیں ہوں، آپ نے فرمایا:

«أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة؟ لا! حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك» (صحيح البخاري: 2639)

"کیا آپ رفاعۃ کے پاس واپس جانا چاہتی ہیں؟ یہ تب تک ممکن نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب تک کہ تم دونوں ایک دوسرے کا مزہ نہ چکھ لو۔"

لہٰذا یہ خاتون، جس کا خاوند وفات پا گیا ہے، عدت (چار ماہ دس دن) گزار کر کسی اور مرد سے شادی تو کر سکتی ہے، لیکن پہلے والے سے تب تک شادی جائز نہیں جب تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح و خلوتِ صحیحہ نہ کر لے۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

سسر کے بھائی سے نکاح درست ہے:

سوال میرے بیٹے کی وفات ہوئی ہے، کیا میں عدت گذرنے کے بعد اپنی بیوہ بہو کا نکاح اپنے بھائی سے کر سکتا ہوں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

قرآن مجید میں جہاں محرمات کا بیان ہوا ہے، وہاں سسر، بہو کا ذکر تو ہے، جیسا کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿ وَحَلَـٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَـٰبِكُمْ ﴾ [النساء: ٢٣]

"تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں۔"

لہٰذا سسر اپنی بہو سے نکاح کسی صورت نہیں کر سکتا، البتہ سسر کا بھائی اس عورت کا سسر نہیں ہے، ہمارے یہاں اگرچہ اس کو چچا سسر کہتے ہیں، لیکن بہرصورت وہ حقیقی سسر کے حکم میں نہیں ہے، اس لیے اس کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔ لہٰذا آپ اپنی بہو کی عدت (چار ماہ دس دن) گزرنے کے بعد، اس کا اپنے بھائی سے نکاح کر سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج اور مانع نہیں ہے۔ هذا ما عندنا والله أعلم بالصواب.

زانیہ عورت سے نکاح اور طلاق کا حکم:

سوال ہماری شادی ہوئی، لیکن مجھے تین ماہ بعد پتا چلا کہ میری بیوی پہلے سے حاملہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اس وقت اس کے پیٹ میں چھے ماہ کا بچہ ہے، لہٰذا میں نے اسے یکبارگی تین طلاقیں دے دیں۔ پھر بعد میں اسقاطِ حمل کروا دیا گیا۔ اب ہم دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی ہے اور ہم دوبارہ آپس میں ملنا چاہتے ہیں، کیا اس کی کوئی صورت ہے؟ کیا حالتِ حمل میں نکاح ٹھیک تھا؟ اور اس کے بعد طلاق بھی ہوگئی تھی، اور اب رجوع کا کیا طریقہ ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

زانیہ عورت سے نکاح کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [النور: ٣]

''زانی شخص زانیہ یا مشرکہ عورت سے ہی نکاح کرسکتا ہے، اسی طرح زانیہ عورت سے بھی زانی یا مشرک شخص ہی نکاح کرتا ہے، اہلِ ایمان پر یہ حرام قرار دے دیا گیا ہے۔''

ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے، زمانۂ جاہلیت میں عناق نامی ایک بدکار عورت کے ساتھ ان کی راہ و رسم تھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی کہ میں اس عورت سے نکاح کرسکتا ہوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں (اوپر بیان کردہ) حکم نازل فرما دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ آیت سنائی اور اس عورت سے نکاح کرنے سے منع کر دیا۔ (دیکھیں: سنن أبي داود: 2051)

مذکورہ آیت اور حدیثِ مبارک اس بارے میں صریح اور واضح ہے کہ زانیہ عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ (دیکھیں: عون المعبود: 34/6، تفسير السعدی: ص: 561)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدکار عورت سے نکاح کی ممانعت میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے نسب کا اختلاط ہو جاتا ہے۔ ایک ہی عورت کے ساتھ جب ایک سے زائد لوگ تعلقات رکھیں گے تو نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں فیصلہ کرنا ناممکن ہے کہ اس کا باپ کون ہے؟!

بلکہ ایک دفعہ جنگ کے موقع پر جب مالِ غنیمت کے طور پر کچھ لونڈیاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حصہ میں آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ يَعْنِي: إِتْيَانَ الْحَبَالَى» (سنن أبي داود: 2158)

''اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی اور کی کھیتی کو پانی دے، یعنی کسی حاملہ لونڈی سے صحبت کرے۔''

گویا جو شخص پہلے سے حاملہ عورت کے ساتھ صحبت کرے گا وہ گویا کسی اور کی کھیتی کو پانی دے گا۔ اسی لیے شریعت نے حاملہ عورت کی عدت بھی وضع حمل (یعنی بچہ پیدا ہونا) رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق: ٤]

''حاملہ عورتوں کی عدت وضعِ حمل ہے۔''

یعنی جب تک عورت کا وضعِ حمل کے بعد پیٹ (رحم) خالی نہیں ہو جاتا، تب تک اسے کسی اور کے ساتھ نکاح کی اجازت نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں کیا گیا نکاح باطل ہے اور اس کے بعد جو دوسرا سوال ہے وہ خود بخود ہی ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ جب ان کا نکاح ہی نہیں ہوا ہے تو جو اس پر مرتب ہونے والے طلاق وغیرہ جیسے احکام ہیں، خود ہی باطل ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک بات یاد رکھیں، حمل جائز ہو یا ناجائز ہو، اس کا اسقاط کبیرہ گناہ ہے، لیکن بہرصورت وضع حمل یا اسقاط کے بعد چونکہ استبرائے رحم (یعنی پیٹ صاف ہوجاتا ہے) ہو جاتا ہے، لہٰذا نکاح کرنا جائز ہے۔ اس لیے آپ دونوں دوبارہ نکاح کر کے اکٹھے ہوسکتے ہیں۔ واللہ أعلم بالصواب

مسلمان ہونے سے عیسائی بیوی سے نکاح ختم ہو جاتا ہے؟

سوال ایک شخص مسمی (حامد) جو عیسائی تھا۔ اس نے عیسائی مذہب کے مطابق مسماۃ (صائمہ) دختر صدیق مسیح سے شادی کی، پھر وہ مسلمان ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد اپنی سالی مسماۃ (مریم) جو اس کی بیوی کی حقیقی بہن ہے اور عیسائی تھی، پھر مسلمان ہو گئی، ان دونوں نے شادی کر لی ہے۔ اس معاملے میں شرعی راہنمائی فرمائیں کہ پہلی بیوی جو عیسائی ہے اس کا نکاح برقرار ہے یا فسخ ہو گیا اور دوسری بیوی جو مسلمان ہو گئی تھی اس کے نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ﴾ [المائدۃ: ۵]

"آج سے تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں، اہلِ کتاب اور تمھارا کھانا ایک دوسرے کے لیے حلال ہے، اور تمھارے لیے مومن اور اہلِ کتاب کی عورتیں بھی حلال ہیں، جب تم انھیں حق مہر دے کر، پاکیزگی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی نیت سے نکاح کرلو، نہ کہ زنا کاری و وقت گزاری کا ارادہ ہو۔"

اس آیت کی بنا پر عیسائی جوڑے میں سے اگر خاوند مسلمان ہو جائے تو دین بدلنے سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا، بلکہ یہ نکاح برقرار رہے گا۔ جب یہ نکاح برقرار ہے تو بیوی کی بہن سے نکاح حرام ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ [النساء: ٢٣]

"حرام کی گئی تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری دودھ شریک بہنیں اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور تمھاری پالی ہوئی لڑکیاں، جو تمھاری گود میں ان عورتوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو، پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمھاری پشتوں سے ہیں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو، مگر جو گزر چکا۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔"

اس بنا پر مسلمان شخص کا اپنی بیوی کی حقیقی بہن سے نکاح حرام ہے۔ اگر نکاح کرلیا ہے تو یہ باطل ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ انھیں فوراً علاحدہ ہو جانا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگنا چاہیے۔ واللہ أعلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رضاعت کیسے ثابت ہوتی ہے؟

سوال میرا نام یاسر اقبال ہے۔ میری عمر 27 سال ہے۔ دو سال سے کم عمر میں ایک بار میری خالہ نے مجھے دودھ پلایا تھا، جب میں رو رہا تھا اور دودھ پیتے پیتے سوگیا تھا۔ کیا اس ایک دفعہ دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے؟ کیا میرا نکاح میری خالہ کی بیٹی سے ہوسکتا ہے کہ نہیں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

بلاشبہ رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو نسبی وخونی رشتہ داری سے حرام ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب" (صحيح مسلم 1445)

''رضاعت سے بھی وہی حرمت حاصل ہوتی ہے جو نسب سے ہوتی ہے۔''

البتہ رضاعت سے حرمت کے ثبوت کے لیے دو شرطیں ہیں:

اول: دودھ مدتِ رضاعت یعنی دو سال کی عمر کے اندر اندر پیا گیا ہو۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«إنما الرضاعة من المجاعة» (صحيح البخارى: 2647)

''رضاعت بھوک سے ہے۔''

یعنی رضاعت اسی عمر میں ثابت ہوتی ہے جب وہ دودھ براہِ راست بچے کی غذا بنتا ہو، اور اس کی بھوک مٹاتا ہو۔ ایک اور روایت میں ہے:

«لا رضاع إلا في الحولين»

(موطا مالك: 1290، سنن الدارقطني: 174/4)

''رضاعت صرف دو سال کی عمر میں ثابت ہوتی ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوم: بچے نے دودھ کم ازکم پانچ دفعہ پیا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"كان فيما أنزل من القرآن عشر رضعات معلومات يحرمن، ثم نسخن بخمس معلومات، فتوفي النبي ﷺ والأمر على ذلك" (صحيح مسلم: 1452)

"شروع میں دس رضاعتیں حرام کرتی تھیں، پھر پانچ رضاعتوں سے حرمت کا حکم نازل ہوا، نبی کریم ﷺ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو یہی فیصلہ تھا۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

«لا تحرم المصة ولا المصتان» (صحيح مسلم: 1451)

"ایک دو دفعہ دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔"

پانچ دفعہ شمار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ وہ دودھ پینا شروع کرے اور پھر اپنی مرضی سے دودھ پینا چھوڑ دے، تو یہ ایک مرتبہ شمار ہو گی۔ پیتے پیتے اگر وہ کھانسی وغیرہ کی وجہ سے پستان منہ سے نکال کر دوبارہ شروع کرے تو پھر بھی وہ ایک دفعہ ہی شمار ہو گی۔

سوال کے مطابق مسئولہ صورت میں دوسری شرط مفقود ہے، لہٰذا سائل کی اپنی خالہ سے رضاعت ثابت نہیں ہوئی جو اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح میں رکاوٹ ہو۔ لہٰذا یہ نکاح کرنا درست ہے۔ والله أعلم بالصواب، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

رضاعت سے نکاح کی حرمت:

سوال ایک لڑکے کی اپنی خالہ کی بیٹی کے ساتھ شادی ہوئی ہے، لیکن اس لڑکے کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چھوٹا بھائی کہتا ہے: میری پندرہ سال عمر تھی، اس وقت میں نے اپنی امی سے سنا تھا کہ میں نے اس لڑکی کو (جس کے ساتھ بڑے بھائی کی شادی ہوئی ہے) اپنا دودھ پلایا ہے۔ اور وہ چھوٹا بھائی اس پر حلف دینے کو بھی تیار ہے، البتہ اسے یہ متعین نہیں کہ دودھ کتنی بار پلایا تھا؟ سوال یہ ہے کہ اب یہ نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

اگر ماں کے علاوہ کوئی دوسری عورت بچے کو مدتِ رضاعت میں دودھ پلائے تو حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ دودھ پینے والا بچہ اس عورت کی حقیقی اولاد کی طرح اس کے اصول وفروع پر حرام ہو جاتا ہے۔ شریعتِ اسلامی میں نسب کی طرح رشتہ رضاعت کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے کیونکہ رضاعی رشتوں کو بھی وہی تقدس دیا گیا ہے جو نسبی رشتوں کا ہے۔ جس طرح نسبی رشتوں سے نکاح جائز نہیں اسی طرح رضاعی رشتے بھی نکاح کے لیے حرام ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾ [النساء: ٢٣]

”اور تمھاری (وہ) مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری رضاعت میں شریک بہنیں (تم پر حرام ہیں)۔“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ» (صحيح مسلم: 1445)

”رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔“

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ جب بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ پی لے تو وہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں بن جاتی ہے اور وہ بچہ اس عورت کی رضاعی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اولاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ البتہ رضاعت سے حرمت کے ثبوت کے لیے درج ذیل امور ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہیں:

دودھ مدتِ رضاعت یعنی دو سال کی عمر کے اندر اندر پیا گیا ہو۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«إنما الرضاعة من المجاعة» (صحيح البخاري: 2647)

''رضاعت بھوک سے ہے۔''

یعنی رضاعت اسی عمر میں ثابت ہوتی ہے جب وہ دودھ براہ راست بچے کی غذا بنتا ہو اور اس کی بھوک مٹاتا ہو۔ ایک اور روایت میں ہے:

«لا رضاع إلا في الحولين»

(موطأ مالك: 1290، سنن الدارقطني: 174/4)

''رضاعت صرف دو سال کی عمر میں ثابت ہوتی ہے۔''

بچے نے دودھ کم از کم پانچ دفعہ پیا ہو۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں:

"كان فيما أنزل من القرآن عشر رضعات معلومات يحرمن، ثم نسخن بخمس معلومات، فتوفى النبي ﷺ والأمر على ذلك" (صحيح مسلم: 1452)

''شروع میں دس رضاعتیں حرام کرتی تھیں، پھر پانچ رضاعتوں سے حرمت کا حکم نازل ہوا، نبی کریم ﷺ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو یہی فیصلہ تھا۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

«لا تحرم المصة ولا المصتان» (صحيح مسلم: 1451)

''ایک دو دفعہ دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پانچ دفعہ شمار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ وہ دودھ پینا شروع کرے اور پھر اپنی مرضی سے دودھ پینا چھوڑ دے تو یہ ایک مرتبہ شمار ہو گی۔ پیتے پیتے اگر وہ کھانسی وغیرہ کی وجہ سے پستان منہ سے نکال کر دوبارہ شروع کرے تو پھر بھی وہ ایک دفعہ ہی شمار ہو گی۔

اسی طرح اگر رضاعت کی تعداد میں شک پیدا ہو جائے کہ پانچ تھیں یا نہیں؟ تو بھی حرمت ثابت نہیں ہو گی، کیونکہ اصل رضاعت کا نہ ہونا ہے، اس لیے کہ یقینی بات شک سے زائل نہیں ہو سکتی۔ البتہ احتیاط کرتے ہوئے ایسی شادی نہ کی جائے تو بہتر ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ» (صحيح البخاري: 52)

”جو کوئی بھی مشتبہات سے اجتناب کرتا ہے تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت دونوں کو محفوظ کر لیا۔“

اور نبی کریم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ» (سنن الترمذي: 2518)

”جس میں تمھیں شک ہو، اسے ترک کر کے اسے لے لو جس میں تمھیں شک نہیں۔“

صورتِ مسئولہ میں اگر دودھ پلانے والی عورت خود اقرار کرتی ہے کہ میں نے اس لڑکی کو دودھ پلایا تھا تو پھر رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ اگر دودھ پلانے والی عورت فوت ہو گئی ہے تو پھر دو گواہوں سے رضاعت ثابت ہو گی۔

رہا صرف چھوٹے بھائی کا کہنا تو وہ اس وقت کہاں تھا جب بڑے بھائی کی اس لڑکی کے ساتھ منگنی ہو رہی تھی۔ نکاح سے پہلے بات چیت ہوتی رہی، پھر منگنی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہوئی، پھر نکاح ہوا۔ اگر اس قسم کی کوئی بات تھی تو اُس وقت بتا دیتا۔ اُس وقت خاموش رہنا اور بعد میں یہ دعویٰ کرنا اس کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ یہ فساد کی صورت محسوس ہو رہی ہے، اس لیے یہ نکاح درست ہے۔

تاہم اگر مندرجہ بالا امور کو سامنے رکھتے ہوئے ثابت ہو جاتا ہے کہ لڑکی لڑکے کے درمیان رضاعت کا رشتہ تھا تو پھر یہ نکاح سرے سے قائم ہی نہیں ہوا، کیونکہ قرآن و حدیث کے مطابق رضاعی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ لہٰذا انھیں فوراً الگ ہو جانا چاہیے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طلاق

ایک ہی مجلس میں تین طلاقوں کی شرعی حیثیت:

سوال میں نے گھریلو جھگڑے کے سبب اپنی بیوی کو غصے میں آ کر تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کہہ دیا ہے۔ یہ پانچ جون 2020ء رات دس بجے کا واقعہ ہے۔ پھر میری بیوی اپنے میکے چلی گئی۔ تین چار دن قبل ہم کچھ لوگ مل کر میرے سسرال گئے، ہماری صلح ہوئی اور ہم نے گھر بسانے کا فیصلہ کیا، اور وہیں بیٹھے بیٹھے ہم نے عزیز الرحمٰن صاحب سے مسئلہ پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ایک طلاق ہوئی ہے اور آپ رجوع کر سکتے ہیں، پھر میں اپنی بیوی کو گھر لے آیا۔ براہِ مہربانی راہنمائی کریں کہ کیا واقعتاً میرے پاس رجوع کا حق موجود ہے کہ نہیں؟

میں حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ میں اہلِ سنت بریلوی خاندان سے ہوں، لیکن اب توبہ کر کے منہجِ قرآن وسنت پر چلنے کا وعدہ کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ جب لکھا ہوا فتوی لینے آؤں گا، تو نماز سنا کر جاؤں گا، ان شاء اللہ۔

(شاہد علی، ابوالخیر، کوٹ عبدالمالک۔ ضلع شیخوپورہ)

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

مسئلہ طلاق بڑی نزاکت کا حامل ہے لیکن ہم لوگ اس سلسلے میں بہت بے پروا واقع ہوتے ہیں۔ معمولی گھریلو ناچاکی کی بنیاد پر یکبار تین طلاق دے دینا ہماری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عادت بن چکی ہے، حالانکہ طلاق دینے کا یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ کو انتہائی ناپسند تھا۔ آپ ﷺ نے اس انداز سے طلاق دینے کو اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل اور مذاق قرار دیا ہے۔ (سنن النسائي، الطلاق: 3430)

البتہ کتاب و سنت کی رو سے ایک مجلس میں دی ہوئی بیک وقت تین طلاقیں دینے سے ایک رجعی طلاق ہوتی ہے بشرطیکہ طلاق دینے کا پہلا یا دوسرا موقع ہو۔ اس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

(۱) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ نبوت، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سالہ دورِ حکومت میں تین طلاقیں ایک طلاق کا حکم رکھتی تھیں، لیکن کثرتِ طلاق کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے اس معاملے میں جلدی کی ہے جس میں ان کے لیے نرمی اور آسانی تھی۔ اگر میں اسے نافذ کر دوں تو بہتر ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اسے نافذ کر دیا۔ (صحیح مسلم، الطلاق، 1472) تاہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام تعزیری و انتظامی نوعیت کا تھا، جیسا کہ اس بات کو کئی ایک حنفی اکابر علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: جامع الرموز کتاب الطلاق و حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار)

(۲) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ لیکن اس کے بعد بہت افسردہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے اسے طلاق کس طرح دی تھی؟ عرض کی: تین مرتبہ۔ آپ ﷺ نے دوبارہ پوچھا: ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں؟ عرض کی: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر یہ ایک ہی طلاق ہوئی ہے۔ اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو۔“ راوی حدیث سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق انھوں نے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

رجوع کر کے اپنا گھر آباد کر لیا تھا۔ (مسند أحمد: ص 123/4، ت: أحمد شاكر)

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"هذا الحديث نص في المسألة لايقبل التأويل"

(فتح الباري: 362/9)

''یہ حدیث مسئلہ طلاق ثلاثہ کے متعلق ایک فیصلہ کن دلیل کی حیثیت رکھتی ہے جس کی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی۔''

بعض علمائے احناف نے بھی دلائل کے پیشِ نظر ان احادیث کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ ان علماء میں مولانا پیر کرم شاہ بھیروی، مولانا عبدالحلیم قاسمی، مولانا حسین علی واں بھچراں، مولانا احمد الرحمان اسلام آباد اور پروفیسر محمد اکرم ورک سرِفہرست ہیں۔ ان کے فتاویٰ کی تفصیل ''ایک مجلس میں تین طلاق'' نامی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بہر حال ان حقائق کی روشنی میں ایک باغیرت مسلمان کے لیے گنجایش ہے کہ اگر اس نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں تو دورانِ عدت بلاتجدیدِ نکاح رجوع کر سکتا ہے، اور اگر عدت گزر چکی ہے تو بھی تجدیدِ نکاح سے اپنا گھر آباد کر سکتا ہے۔ قرآن و حدیث کا یہی فیصلہ ہے اس کے علاوہ ہمارے ہاں رائج الوقت عائلی قوانین اور دیگر اسلامی ممالک میں بھی یہی فتوی دیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ آپ کے پاس رجوع کا حق موجود تھا جسے آپ نے استعمال کیا۔ اور آپ نے یہ بھی بہت اچھا کیا کہ کسی عالمِ دین سے مسئلہ پوچھ کر پھر کوئی فیصلہ کیا۔ آپ کا یہ فیصلہ بھی بہت قابلِ تعریف ہے کہ آپ نے قرآن وسنت کو سیکھنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کا عہد کیا ہے۔

ہم آپ کو یہ نصیحت بھی کرنا چاہتے ہیں کہ غصے، غمی یا خوشی کی حالت میں بے قابو ہونے کی وجوہات کو تلاش کریں۔ نماز، روزہ، ذکر و اذکار اور تلاوتِ قرآن کریم کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پابندی کیا کریں، وقتاً فوقتاً صدقہ وخیرات کریں اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں۔ ان نیکیوں کی برکت سے امید ہے اللہ تعالیٰ آپ کے تمام مسائل اور پریشانیوں کو حل فرما دیں گے۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب اہلِ خانہ کو سعادت مندی اور نیکی وتقویٰ سے بھرپور لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین

سوال گھر والوں کی آپس میں لڑائی کے سبب مجھے مجبور کیا گیا کہ میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دوں۔ گھر والوں نے بیک وقت تین طلاقوں کا خود ہی اشٹام تیار کروایا اور پھر مجھ سے زبردستی دستخط کروا لیے اور میں نے بھی ان کے ڈر سے دستخط کر دیے۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین بار طلاق طلاق کہہ دے تو کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

جواب الحمد لله والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

طلاق دینا نہ دینا یہ خاوند کا حق ہے۔ کسی کو طلاق پر مجبور کرنا انتہائی مکروہ فعل ہے۔ اگر میاں بیوی آپس میں زندگی گزار رہے ہیں تو کسی کے کہنے پر طلاق جیسا انتہائی اقدام کرنا درست نہیں ہے۔ طلاق پر مجبور کرنے والوں کو سمجھانا چاہیے کہ یہ رویہ درست نہیں اور اگر واقعتاً انتہائی مجبوری بن جائے اور اکراہِ حقیقی کی صورت ہو تو پھر اہلِ علم کے نزدیک ایسی طلاق واقع ہی نہیں ہوتی، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«لا طلاق في إغلاق» (سنن أبي داود: 2193، وحسنه الألباني في الإرواء: 2047)

''مجبوری میں کوئی طلاق نہیں۔''

صورتِ مسئولہ میں یہ واضح نہیں ہو سکا کہ سائل واقعتاً مجبور تھا یا پھر اپنی ایک غلطی کو مجبوری کا نام دیا جا رہا ہے، بہرصورت اگر تو واقعتاً مجبوری اور اکراہِ حقیقی کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صورت ہو تو طلاق واقع ہوئی ہی نہیں، لیکن اگر کسی نہ کسی حد تک اس کی رضا مندی شامل تھی تو پھر یہ طلاق واقع ہو چکی ہے، البتہ یہ تین نہیں، بلکہ ایک طلاق ہو گی۔

کتاب وسنت کی رو سے ایک مجلس میں دی ہوئی بیک وقت تین طلاقیں دینے سے ایک رجعی طلاق ہوتی ہے بشرطیکہ طلاق دینے کا پہلا یا دوسرا موقع ہو۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ لیکن اس کے بعد بہت افسردہ ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے اسے طلاق کس طرح دی تھی؟ عرض کی: تین مرتبہ۔ آپ ﷺ نے دوبارہ پوچھا: ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں؟ عرض کی: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر یہ ایک ہی طلاق ہوئی ہے اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو۔'' راوی حدیث سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق انھوں نے رجوع کر کے اپنا گھر آباد کر لیا تھا۔ (مسند أحمد: ص 123/4، ت: أحمد شاكر)

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''هذا الحديث نص في المسئلة لا يقبل التاؤيل''

(فتح الباري: 362/9)

''یہ حدیث مسئلہ طلاق ثلاثہ کے متعلق ایک فیصلہ کن دلیل کی حیثیت رکھتی ہے جس کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔''

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

سوال بخدمت جناب مفتی صاحب! میں سعودی عرب میں محنت مزدوری کرتا ہوں۔ 6/ 7/ 2020 کو میری بیوی اور میری والدہ کے درمیان جھگڑا اس وقت ہوا جب میں والدہ سے بات کر رہا تھا۔ میری والدہ کی چیخ نکلی اور موبائل بند ہو گیا۔ مجھے نہیں پتہ کہ میری بیوی نے کیا کہا ہے۔ میں شوگر کا مریض ہوں۔ مجھے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کچھ پتہ نہیں۔ جب فون دوبارہ کیا تو بیوی کو بول دیا ہے کہ آپ کو میری طرف سے 9 طلاق ہیں۔ اگر آپ نے میری والدہ سے معافی نہ مانگی۔ اور بہت گالی بھی دی۔ آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں فتوی جاری کریں۔ (محمد شہبال ولد محمد سلیم ضلع پونچھ، آزاد کشمیر)

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

مسئلہ طلاق بڑی نزاکت کا حامل ہے لیکن ہم لوگ اس سلسلے میں بڑے بے پروا واقع ہوتے ہیں۔ معمولی گھریلو ناچاکی کی بنیاد پر یکبار ایک سے زائد طلاق دے دینا ہماری عادت بن چکی ہے۔ حالانکہ طلاق دینے کا یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ کو انتہائی ناپسند تھا۔ آپ ﷺ نے اس انداز سے طلاق دینے کو اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل اور مذاق قرار دیا ہے۔ (سنن النسائي، الطلاق: 3430)

البتہ کتاب و سنت کی رو سے ایک مجلس میں دی ہوئی بیک وقت ایک سے زائد طلاقیں دینے سے ایک رجعی طلاق ہوتی ہے بشرطیکہ طلاق دینے کا پہلا یا دوسرا موقع ہو۔ اس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

① سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ نبوت، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سالہ دورِ حکومت میں تین طلاقیں، ایک طلاق کا حکم رکھتی تھیں، لیکن کثرتِ طلاق کی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے اس معاملے میں جلدی کی ہے جس میں ان کے لیے نرمی اور آسانی تھی۔ اگر میں اسے نافذ کر دوں تو بہتر ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اسے نافذ کر دیا۔ (صحيح مسلم، الطلاق، 1472) تاہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام تعزیری و انتظامی نوعیت کا تھا، جیسا کہ اس بات کو کئی ایک حنفی اکابر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: جامع الرموز کتاب الطلاق و حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار)

② سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ لیکن اس کے بعد بہت افسردہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے اسے طلاق کس طرح دی تھی؟ عرض کی: تین مرتبہ۔ آپ ﷺ نے دوبارہ پوچھا: ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں؟ عرض کی: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر یہ ایک ہی طلاق ہوئی ہے۔ اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو۔'' راوی حدیث سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق انھوں نے رجوع کر کے اپنا گھر آباد کر لیا تھا۔ (مسند أحمد: ص 123/4، ت: أحمد شاکر)

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''هذا الحديث نص في المسألة لايقبل التاويل''

(فتح الباري: 362/9)

''یہ حدیث مسئلہ طلاق ثلاثہ کے متعلق ایک فیصلہ کن دلیل کی حیثیت رکھتی ہے جس کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔''

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ آپ کے پاس رجوع اور صلح کا حق موجود ہے، جسے آپ استعمال کر سکتے ہیں۔

یہاں ایک انتہائی اہم بات جان لینا بھی ضروری ہے کہ طلاق کی دو قسمیں ہیں: ایک منجز یعنی جو فوری واقع ہو جاتی ہے اور دوسری معلق۔ معلق کا مطلب ہے کہ طلاق کو کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کے ساتھ جوڑ دینا، جیسا کہ سائل نے کہا کہ اگر تم نے میری ماں سے معافی نہ مانگی تو تمھیں طلاق۔ گویا اگر بیوی معافی مانگ لے تو طلاق سرے سے ہوگی ہی نہیں۔ اسی طرح اگر بیوی معافی نہیں مانگتی، لیکن خاوند اپنی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس بات پر نادم وشرمندہ ہے تو اس کی اس تعلیق کو قسم کے معنی میں لیا جائے گا، لہٰذا اگر وہ شخص چاہے تو قسم کا کفارہ دے کر اپنی اس بات سے رجوع کر سکتا ہے، اس صورت میں بھی طلاق نہیں ہوگی۔ ہاں البتہ اگر یہ دونوں صورتیں نہیں ہیں تو پھر ایک طلاق واقع ہو جائے گی، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ ساس کا احترام و اکرام ضروری ہے، لہٰذا اگر مذکورہ خاتون نے ان کو کسی قسم کی اذیت یا تکلیف دی ہے تو ان سے اس دنیا میں ہی معافی مانگ لیں، تاکہ اخروی مواخذے سے محفوظ رہ سکیں۔ ساس کو بھی چاہیے کہ بڑے ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے بہو کی کمیوں کوتاہیوں سے درگزر کرے اور بیٹوں بیٹیوں کی طرح معاملات کو سلجھانے پر توجہ کریں۔ سائل کا بیوی کو گالیاں دینا بالکل غلط اور نازیبا فعل ہے، جس کی اللہ سے توبہ اور بیوی سے معذرت کرنی چاہیے۔

ہم دونوں میاں بیوی سے یہ نصیحت بھی کرنا چاہتے ہیں کہ اختلاف اور لڑائی جھگڑا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں، لیکن غصے، غمی یا خوشی کی حالت میں بے قابو ہو کر انتہائی اقدام کرنا خطرناک ہے، لہٰذا اس کی وجوہات کو تلاش کریں، پھر ذہنی جسمانی روحانی جو بھی وجہ ہے، اسے حل کرنے کی کوشش کریں۔ نماز، روزہ، ذکر و اذکار اور تلاوتِ قرآن کریم کی پابندی کیا کریں۔ وقتاً فوقتاً صدقہ و خیرات کریں، اور رشتہ داروں (بالخصوص والدین) کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں۔ ان نیکیوں کی برکت سے امید ہے اللہ تعالیٰ آپ کے تمام مسائل اور پریشانیوں کو حل فرما دیں گے۔ ہم دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب اہلِ خانہ کو سعادت مندی اور نیکی و تقویٰ سے بھرپور لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین

سوال السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میں قمر الزمان سکنہ ضلع نارووال اپنی بہن کی طلاق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا مسئلہ آپ سے بیان کر رہا ہوں۔ میری بہن کی شادی پسرور کے رہائشی محمد عدنان سے ہوئی جن سے ان کی ایک بیٹی بھی ہے۔ عدنان مسقط میں نوکری کرتا ہے۔ میری بہن فروری کے اواخر میں اپنی بڑی بہن سے ملنے شکرگڑھ گئی۔ وہاں عدنان سے فون پر کسی بات پر تلخ کلامی ہوئی۔ اس نے کہا کہ میں تمھیں طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں۔ یہ سن کر بہن رونے لگ گئی۔ دوسری بہن نے پوچھا کہ کیا ہوا تو اس نے بتایا کہ عدنان نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد عدنان کا دوبارہ فون آتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں نے تمھیں طلاق نہیں دی، بلکہ تمھیں ڈرا رہا تھا۔ خیر دوبارہ سے ان کی بات چیت ہوتی رہی۔ بہن ہمارے گھر آ گئی۔ تقریباً 15 سے 16 دن بعد دوبارہ ان کا آپس میں جھگڑا ہوتا ہے، پھر وہ طلاق طلاق کہتا ہے اور بہن رونے لگ جاتی ہے، پھر آدھے گھنٹے بعد فون آتا ہے پھر وہی بات کہ میں تمھیں ڈرا رہا تھا، پھر بہن نے ہم میں سے کسی کو نہیں بتایا اور وہ اپنے سسرال چلی جاتی ہے۔

اسی دوران میں رمضان المبارک کا مہینا آ جاتا ہے اور عدنان کے رشتے داروں میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے۔ ہمارے گھر والے وہاں گئے، جنازہ پڑھا اور آ گئے۔ دوبارہ بہن کو عیدی دینے گئے اور پھر فوتگی والے گھر گئے اور بیٹھ کر آ گئے۔ اسی رات کو عدنان اپنے گھر والوں کو فون کرتا ہے کہ میرے گھر والے کہتے ہیں کہ تمھارے سسرال والے فوتگی والے گھر میں فاتحہ نہیں پڑھ کر آئے۔ اسی بات کو لے کر عدنان کی پھر بہن سے لڑائی ہوتی ہے اور وہ پھر اسے طلاق طلاق کہتا ہے۔ بہن ہمارے گھر والوں کو فون کرتی ہے اور ہم اسی رات کو جھگڑا کر کے گھر واپس لے آتے ہیں اور اسی دن سے لے کر آج تک لڑکا عدنان یہی کہہ رہا ہے کہ میں نے طلاق نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دی۔ بہن پہلے تو کہتی رہی کہ اس نے تین بار تین تین دفعہ طلاق دی تھی۔ اب بہن یہ کہتی ہے کہ مجھ سے سننے میں غلطی ہوئی ہے وہ مجھے ڈرانے کے لیے کہہ رہا تھا شاید کہ میں تمھیں طلاق دے دوں گا۔

اب آپ علمائے کرام سے میری درخواست ہے کہ ہمیں بتایا جائے کہ ہم اس معاملے کو اسلام سے کس طرح حل کریں تاکہ کل عنداللہ ہماری پکڑ نہ ہو۔ بارك الله فيكم

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

سوال کے مطابق ہمیں یہ بات سمجھ آرہی ہے کہ لڑکے نے تین مختلف اوقات میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ لہٰذا اب ان کا نکاح ختم ہو چکا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے میاں بیوی نہیں رہے۔ لیکن طلاق دینا چونکہ خاوند کا حق ہے، لہٰذا اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی، بلکہ میں ڈرانے دھمکانے کے لیے یہ کہتا رہا ہوں کہ میں تمھیں طلاق دے دوں گا اور یہ نہیں کہا کہ تمھیں طلاق ہے، تو ایسی صورت میں لڑکے کی بات کا اعتبار کیا جائے گا، بالخصوص جب لڑکی بھی یہ بیان دے رہی ہے کہ لڑکے نے طلاق نہیں دی، بلکہ میں نے اس کی دھمکی کو غلطی سے طلاق سمجھ لیا تھا۔ تو پھر طلاق نہیں ہوئی۔ اب لڑکے یا لڑکی کی بات میں کس قدر سچائی ہے، اس کے وہ اللہ کے ہاں خود ذمہ دار ہیں۔

نکاح ایک مقدس اسلامی رشتہ ہے اور طلاق بامر مجبوری اس سے خلاصی کا ایک ذریعہ۔ لہٰذا اسلامی تعلیمات واصطلاحات کو یوں ڈرانے دھمکانے کے لیے استعمال کرنا قطعاً نامناسب رویہ ہے۔ جو لوگ بات بات پر طلاق طلاق والا کھیل کھیلتے ہیں، گویا اللہ کے بنائے ہوئے نظام کا استہزاء واستخفاف کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غصہ یا خوشی ہر انسان کے ساتھ موجود ہوتے ہیں، لیکن بطور ایک اچھے مسلمان اور ذمہ دار انسان ہمیں خوشی یا غصے دونوں حالتوں میں خود پر اتنا ضبط اور کنٹرول ہونا چاہیے کہ ہم کسی بھی انتہائی اقدام سے بچ سکیں، جس کی بعد میں ہمیں ہمیشہ پشیمانی رہے۔ اور اگر واقعتاً محسوس ہو کہ بعض دفعہ ہمیں خود پر کنٹرول نہیں رہتا تو اس کی وجوہات تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، یقیناً اس کی کوئی جسمانی، نفسیاتی یا روحانی وجہ ہوسکتی ہے کہ انسان شیطان کے ہاتھوں اس قدر مغلوب ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے عزیز و اقارب جن کے ساتھ اس کی پوری زندگی جڑی ہوئی ہے، ان سے نفرت و بغض اور علیحدگی کے اظہار میں ذرا وقت نہیں لگاتا۔

جہاں جیتے جاگتے انسان رہتے ہیں، وہاں اختلافات بھی ہوتے رہتے ہیں، لیکن ہمارے یہ اختلافات اس قدر سنگین شکل اس لیے اختیار کر جاتے ہیں کیونکہ ہم دین کی تعلیمات سے دور ہو جاتے ہیں، اللہ کے ذکر سے اعراض کر لیتے ہیں، اس کی بندگی میں کوتاہی کرتے ہیں، نیتجتاً اللہ تعالیٰ ہماری ہنسی خوشی والی زندگی کو مشکل بنا دیتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے گھریلو معاملات، عزیز رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات و اختلافات معقول حد تک رہیں، تو ہمارے لیے ان خامیوں کوتاہیوں کو دور کرنا ضروری ہے۔

سائل سے ہم گزارش کرتے ہیں کہ لڑکا لڑکی دونوں کو بٹھا کر نصیحت کریں، انھیں نکاح و طلاق کی اہمیت سمجھائیں اور ان سے تاکید کر لیں کہ واقعتاً لڑکے نے طلاق دی ہے یا نہیں دی؟ اور یہ کہ اس معاملے میں جھوٹ بولنا اور غلط بیانی کرنا انتہائی خطرناک جرم ہے۔ اگر وہ اقرار کریں کہ واقعتاً طلاق دے دی تھی تو انھیں فوراً علاحدہ کر دیا جائے، کیونکہ تین مرتبہ طلاق واقع ہونے کے بعد رجوع اور نکاحِ جدید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دونوں حق ختم ہو جاتے ہیں، الا یہ کہ لڑکی کی کہیں اور شادی ہو جائے، اور پھر اس خاوند کی وفات یا اس سے طلاق کے بعد وہ دوبارہ اس لڑکے سے شادی پر رضا مند ہو۔ اور اگر وہ کہیں کہ طلاق نہیں دی تو اللہ کا شکر ادا کریں اور انھیں نصیحت کر کے ایک اچھے میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی تلقین کریں۔

تین طلاقوں کے بعد میاں بیوی میں رجوع کی گنجایش نہیں ہے:

سوال میں نے اپنی بیوی کو شادی کے تین ماہ بعد ایک طلاق دی، پھر ایک ماہ بعد دوسری طلاق، اور اٹھارہ دن بعد تیسری۔ اس کے بعد ہمارے والدین نے ہماری صلح کروا دی اور تجدید نکاح کروا دیا، اور کچھ دیر بعد میں اسے اپنے گھر لے آیا۔ اب ہم پریشان ہیں کہ ہم حلال ہیں یا نہیں؟ اس بارے رہنمائی فرما دیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

ہمارے علم اور فہم کے مطابق تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔ اب نہ رجوع ہو سکتا ہے نہ نیا نکاح ہوسکتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ [البقرة: ٢٢٩]

''یہ طلاقیں دو مرتبہ ہیں، پھر یا تو اچھے طریقے سے ٹھہرا لینا، یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم نے انھیں جو دے دیا ہے اس میں سے کچھ بھی لو، ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو، اس لیے اگر تمھیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لیے کچھ دے ڈالے،
اس میں دونوں پر گناہ نہیں، یہ اللہ کی حدود ہیں خبردار ان سے آگے نہ
بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ وحدہ لاشریک نے دو رجعی طلاقوں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں دورانِ عدت مرد کو حقِ رجوع حاصل ہے اور اگر اس طلاق کے بعد عدت گزر چکی ہو تو تجدیدِ نکاح ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [البقرة: ٢٣٢]

''اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو انھیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو، جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں۔ یہ نصیحت انھیں کی جاتی ہے جنھیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین وایمان ہو، اس میں تمھاری بہترین صفائی اور پاکیزگی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

معلوم ہوا کہ اختتامِ عدت پر رجعی طلاقوں میں نکاح پڑھا جاتا ہے۔

لیکن مذکورہ صورتحال میں یہ مواقع (Chances) ختم ہو چکے ہیں اور تیسری بار طلاق دی جا چکی ہے، جس کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴾ [البقرة: ٢٣٠]

''پھر اگر اس کو (تیسری بار) طلاق دے دے تو اب اس کے لیے حلال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں جب تک وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرے، پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جنھیں وہ جاننے والوں کے لیے بیان فرما رہا ہے۔''

اور وہ اسے اپنی مرضی سے طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائے تو عدت گزارنے کے بعد یہ آپس میں اس شرط پر جمع ہو سکتے ہیں کہ انھیں یقین ہو کہ اب حدود اللہ کی مخالفت نہیں کریں گے اور احکام شرعی نہیں پھلانگیں گے۔ اور یہ دوسرے شوہر سے نکاح بسنے کی نیت سے ہو نہ کہ وقتی اور عارضی نکاح، جو نکاح صرف اس غرض سے کیا جائے کہ کچھ دنوں بعد طلاق لے کر پھر پچھلے شوہر سے نکاح کر لیں، تو یہ حلالہ ہے جو شریعتِ اسلامیہ میں حرام ہے۔

آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ، وَالْمُحَلَّلَ لَهُ)) (صحيح أبي داود: 1811)

''حلالہ کرنے اور کروانے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔''

صورتِ مسئولہ میں عورت خاوند پر قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے ان میں علاحدگی ضروری ہے۔ طلاقِ ثلاثہ کے بعد جو نکاح پڑھا گیا وہ بالکل عبث و حرام ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ نکاح خواں کو بھی اللہ وحدہ لاشریک کے حضور معافی مانگنی چاہیے۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

طلاق کے بعد رجوع کا طریقۂ کار:

سوال میں نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ طلاق دی تھی، طلاق دینے کے 15 سے 20 دن کے اندر رجوع کا ورقہ بھیج دیا، اور اس رجوع کا پتہ میری بیوی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اہلِ خانہ کو بھی ہے، لیکن میرے سسرال والے کہہ رہے ہیں کہ ہمیں کوئی فتویٰ دکھاؤ، جس سے ثابت ہو کہ تم میاں بیوی دونوں اکٹھے رہ سکتے ہو۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

پہلی اور دوسری طلاق کے بعد عورت کی عدت کے اندر اندر خاوند رجوع کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ﴾ [البقرة: ٢٢٨]

اور آخر میں ہے:

﴿ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ﴾ [البقرة: ٢٢٨]

طلاق دی گئی عورتیں تین حیض انتظار کریں اور اس مدت کے دوران ان کے خاوندان کو لوٹانے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔

لہٰذا دورانِ عدت انسان بیوی سے رجوع کر سکتا ہے، حق مہر و نکاح وغیرہ کسی چیز کی ضرورت نہیں، لیکن اگر انسان کو عدت گزر جانے کے بعد رجوع کا خیال آیا، تو چونکہ عدت ختم ہونے سے نکاح ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اس خاتون کو رشتہ ازدواجیت میں لانے کے لیے دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [البقرة: ٢٣٢]

”جب تم نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی، پھر وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو انھیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔“

لہٰذا معلوم ہوا کہ عدت ختم ہونے کے بعد بذریعہ نکاحِ جدید دونوں رشتہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ازدواج میں منسلک ہو سکتے ہیں۔ اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ طلاق کے بعد اگر میاں بیوی ملنا چاہتے ہیں تو ان کے اولیا کو رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ بیان کردہ صورتِ حال کے مطابق آپ کے پاس رجوع کا حق تھا، جو آپ نے استعمال کیا، لہٰذا آپ میاں بیوی کے پاس اکٹھے رہنے کا حق موجود ہے۔

دو طلاقوں کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے:

سوال میرا 3 مارچ 2019ء کو نکاح ہوا، لیکن رسمی طور پر رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ ہمارے گھر پاس پاس ہیں، اس لیے ہمارے میاں بیوی کے تعلقات قائم بھی ہو گئے، پھر پندرہ دن بعد فون پر بات کرتے ہوئے ہمارا اختلاف ہوا اور میں نے بیوی کو کہا کہ اگر آپ نے میرا کہنا نہ مانا تو میں آپ کو طلاق دے دوں گا۔ اس نے فون بند کر دیا۔ لیکن گھنٹے بعد دوبارہ ہماری صلح ہو گئی اور ہم نے راضی خوشی بات کرنا شروع کر دی۔ www.kitabosunnat.com

ایک ماہ بعد دوبارہ وہی مسئلہ ہوا کہ میری اہلیہ کہیں جانا چاہتی تھیں، میں نے روکا اور کہا کہ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو میں تمھیں طلاق دے دوں گا۔

کچھ دنوں بعد ہماری باقاعدہ رخصتی ہونے والی ہے، لیکن میری بیوی کہتی ہے کہ آپ تو مجھے دو دفعہ طلاق دے چکے ہیں، اب ہماری شادی کیسے ہو سکتی ہے؟

براہ مہربانی راہنمائی کیجیے کہ یہ طلاقیں واقع ہوئی ہیں کہ نہیں؟ اور اگر ہوئی ہیں تو پھر رجوع کا طریقہ کار کیا ہے؟

جواب الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

سوال سے واضح ہوتا ہے کہ سائل نے بیوی کو طلاق کی دھمکی تو دی ہے، لیکن طلاق نہیں دی، لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوئی۔ ہاں البتہ اگر حقیقت میں سائل نے بیوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو طلاق دی ہے، جیسا کہ ان کے بقول ان کی بیوی کا کہنا ہے، تو پھر ایسی صورت میں یہ دو طلاقیں واقع ہو چکی ہیں، بلکہ رجوع کا حق بھی ختم ہو چکا ہے، کیونکہ رخصتی یعنی خلوتِ صحیحہ سے قبل دی گئی طلاق کی نہ کوئی عدت ہوتی ہے اور نہ رجوع۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ﴾

[الأحزاب: ٤٩]

”اے ایمان والو! اگر تم نکاح کرو، پھر عورت کو چھونے سے قبل ہی طلاق دے دو، تو ان کے ذمے عدت گزارنا نہیں ہے۔“

ہاں البتہ تجدیدِ نکاح ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر سائل اپنی بات میں سچا ہے تو پھر اس کا نکاح باقی ہے اور وہ کسی بھی وقت رخصتی کر سکتا ہے، اور اگر اس کی بیوی سچی ہے کہ اس کے خاوند نے طلاق دی ہے، تو پھر رخصتی سے قبل دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے۔

ایک اہم بات جس پر توجہ دینا ضروری ہے کہ ابھی آپ کا صرف نکاح ہوا ہے اور آپ نے انتہائی مختصر مدت کے اندر اندر طلاق جیسا انتہائی اقدام دو مرتبہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ رویہ معاشرتی زندگی کے لیے کسی طور بھی درست نہیں ہے۔ اختلاف اور لڑائی جھگڑا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں، لیکن غصے، غمی یا خوشی کی حالت میں بے قابو ہو کر انتہائی اقدام کرنا خطرناک ہے۔

نوٹ: یہ فتویٰ فریقِ واحد سے ممکنہ چھان بین کے بعد تحریر کیا گیا ہے اور پوری کوشش کی گئی ہے کہ فریقِ ثانی بھی اپنا موقف دے دے، لیکن سائل کے بقول وہ بات کرنے پر راضی نہیں ہیں، لہٰذا معلومات میں کسی قسم کی کمی بیشی کا ذمہ دار براہِ راست سائل ہو گا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

وقفے سے دو طلاقیں دینے کے بعد رجوع کا طریقۂ کار:

سوال ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اسے کہا کہ گھر سے دفع ہو جاؤ۔ عورت ساتھ ہمسائیوں یا رشتہ داروں کے گھر چلی گئی، اس نے جا کر ساری صورتِ حال بتائی تو انھوں نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ آئیں، ہم اسے سمجھاتے ہیں اور آپ کو گھر چھوڑ کر آتے ہیں، لہٰذا گھنٹے آدھے بعد وہ اس عورت کو لے کر دوبارہ اس کے گھر چھوڑ آئے، لیکن اس عورت کے خاوند نے دوبارہ پھر اس عورت کو تین طلاقیں دے کر گھر سے باہر نکال دیا۔ یہ واقعہ تقریباً دو ماہ پہلے کا ہے۔ اب عورت اس وقت اپنے ماں باپ کے گھر ہے اور ان کے رشتہ دار پوچھ رہے ہیں کہ اس صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوئی ہیں اور رجوع کی کوئی صورت ممکن ہے تو کیسے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

مذکورہ سوال میں تین باتیں قابلِ وضاحت ہیں:

1. ایک ہی دفعہ دی گئی تین طلاقیں۔
2. وقفے کے بعد دوبارہ پھر طلاق کا اعادہ۔
3. رجوع کا طریقہ کار۔

تینوں کو بالترتیب الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

① ایک ہی دفعہ دی گئی تین طلاقیں:

کتاب و سنت کی رو سے ایک مجلس میں دی ہوئی بیک وقت تین طلاقیں ایک طلاق ہی شمار ہوتی ہے۔ جس کے دلائل گزر چکے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

② وقفے کے بعد دوبارہ پھر طلاق کا اعادہ:

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ ایک ہی دفعہ ایک سے زائد مرتبہ طلاق طلاق کہنے سے ایک طلاق واقع ہوئی تھی، دوبارہ گھنٹے آدھے بعد عورت کے گھر واپس آنے پر خاوند نے جو دوبارہ طلاق کا کہا ہے، اس کی دو صورتیں ہیں، اگر تو اس کی مراد پہلے کی ہی تاکید تھی، تو پھر یہ دوسری طلاق واقع نہیں ہوئی، بلکہ یہ پہلے والی ایک ہی شمار کی جائے گی، لیکن اگر اس کی مراد دوسری طلاق واقع کرنا تھی، تو پھر دو طلاقیں واقع ہوگئی ہیں۔

③ رجوع کا طریقہ کار:

پہلی اور دوسری طلاق کے بعد عورت کی عدت کے اندر اندر خاوند رجوع کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ﴾ [البقرة: ٢٢٨]

اور آخر میں ہے:

﴿ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ﴾

[البقرة: ٢٢٨]

"طلاق دی گئی عورتیں تین حیض انتظار کریں اور اس مدت کے دوران ان کے خاوندان کو لوٹانے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔"

لہٰذا دورانِ عدت انسان بیوی سے رجوع کرسکتا ہے، حق مہر و نکاح وغیرہ کسی چیز کی ضرورت نہیں، لیکن اگر انسان کو عدت گزر جانے کے بعد رجوع کا خیال آیا تو چونکہ عدت ختم ہونے سے نکاح ختم ہوجاتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اس خاتون کو رشتہ ازدواجیت میں لانے کے لیے دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ [البقرة: ٢٣٢]

''جب تم نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی، پھر وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو انھیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔''

لٰہذا معلوم ہوا کہ عدت ختم ہونے کے بعد بذریعہ نکاحِ جدید دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ بیوی نکاحِ جدید کے لیے راضی ہو، کیونکہ جیسے ولی کی اجازت شرط ہے اسی طرح بیوی کی رضامندی بھی شرط ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«اَلْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ» (سنن أبي داود: ......)

بیوہ اپنے ولی کی بہ نسبت، اپنے بارے میں زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے بھی اس کے اپنے بارے میں مشورہ کیا جائے گا، اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت شمار ہو گی۔ اس کے علاوہ حق مہر بھی نیا ہو گا، کیونکہ پہلا حق مہر نکاح کے ختم ہونے سے ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ نکاح بند کمرے میں نہ ہو، بلکہ گواہوں کی موجودگی لازمی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ دورانِ عدت رجوع، یا عدت ختم ہونے کے بعد نکاح کا حق صرف پہلی اور دوسری طلاق میں ہی ہوتا ہے، تیسری طلاق کے بعد یہ دونوں حق ختم ہو جاتے ہیں۔

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ہمارے گھر میں ناچاقی کی وجہ سے کچھ مسائل ہیں، جن کا میں فتوی لینا چاہتی ہوں۔ یہ مسائل ہم میاں بیوی کے درمیان ہیں، ان کا کوئی گواہ نہیں ہے۔ تقریباً چھے سال پہلے میرے شوہر نے کہا تھا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر گھر سے باہر نکلی تو طلاق ہو جائے گی! اور میں گھر سے نکل کر ابو کے گھر چلی گئی تھی۔ (پھر گھر والوں نے صلح کروا دی تھی)

کچھ عرصہ بعد پھر لڑائی ہوئی تو میرے شوہر نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے منہ پر مارا اور بولے: یہ ایک طلاق ہو گئی۔ پھر کچھ دیر بعد آئے اور دوسرا پکڑ کر اپنے منہ کی دوسری طرف مارا اور بولے: دوسری ہو گئی (دوسری بولے، طلاق کا نام نہیں لیا)۔ ہمارے تین بچے ہیں، ان بچوں کی پریشانی کی وجہ سے دونوں کے خاندان والے صلح کروانا چاہتے ہیں۔

① صلح جائز ہے یا نہیں؟

② اگر جائز ہے، تو صلح کی صورت کیا ہوگی؟

③ صرف رجوع ہوگا یا دوبارہ نکاح ہوگا؟

④ اگر دوبارہ نکاح ہوگا تو کیا پہلے والی طلاقیں برقرار رہیں گی یا ختم ہو جائیں گی؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

اس سوال میں کئی چیزیں قابلِ وضاحت ہیں:

① طلاقِ معلق۔

② ایک ہی وقت میں ایک سے زائد طلاقیں۔

③ رجوع کا طریقہ۔

④ رجوع کے بعد پہلی والی طلاق شمار ہوگی کہ نہیں۔

① سب سے پہلی جو اس نے طلاق دی ہے، اسے طلاقِ معلق کہا جاتا ہے، یعنی طلاق کو کسی چیز کے ساتھ معلق کر دینا کہ اگر ایسے ہو گیا تو طلاق .... وغیرہ۔ یہاں بھی یہی صورت تھی کہ خاوند نے کہا تھا کہ اگر تم گھر سے باہر گئی تو تجھے طلاق۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور بیوی گھر سے نکل کر والدین کے گھر چلی گئی، لہٰذا ایک طلاق واقع ہوگئی۔

② دوسری مرتبہ منہ پر ہاتھ مار کر جو اس نے دو مرتبہ طلاق دی ہے، تو یہ ایک ہی مجلس میں دو طلاقیں ہیں، جو ہمارے نزدیک قرآن وسنت کی رو سے ایک ہی ہوئی ہے۔

ایک پہلی طلاقِ معلق، اور ایک یہ والی، یہ دو طلاقیں ہوگئی ہیں۔

③ طلاق سے رجوع کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ عدت کے اندر اندر تعلقات بحال کر لیے جائیں اور اگر عدت کے اندر اندر رجوع نہیں کیا گیا تو پھر از سرِ نو نکاح کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل (بچے کی ولادت) ہوتی ہے، اور اگر غیر حاملہ ہو، تو اس کی عدت تین حیض ہوتی ہے۔ صورتِ مسئولہ میں ہمیں معلوم نہیں کہ یہ طلاق کب ہوئی تھی، اگر تو عدت باقی ہے تو پھر بلا نکاح رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اگر عدت ختم ہو چکی ہے تو پھر نکاح کرنا ضروری ہے۔

④ انسان کو صرف تین طلاقیں دینے کا اختیار ہوتا ہے، دو کے بعد رجوع کر سکتا ہے، تیسری کے بعد رجوع کا بھی حق نہیں ہوتا، لہٰذا رجوع کرنے کے بعد، پہلے جتنی طلاقیں ہو چکی ہوں، وہ شمار کی جاتی ہیں، وہ ختم نہیں ہوتیں۔ پہلے دی ہوئی طلاقیں اس صورت میں ختم ہوتی ہیں جب فیصلہ کن (تیسری) طلاق ہو جائے اور خاتون عدت گزرنے کے بعد آگے نکاح کر لے، پھر اگلا خاوند بھی اتفاق سے اس کو طلاق دے دے، یا فوت ہو جائے، تو خاتون پھر پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کر لے تو ایسی صورت میں پہلے والی طلاقیں معدوم ہو جائیں گی۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ خاوند دو طلاقیں دے چکا ہے۔ لہٰذا رجوع سے پہلے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اب اس کے پاس آیندہ ایک مرتبہ طلاق دینے کا اختیار تو ہے، لیکن رجوع کا اختیار نہیں ہے، لہٰذا اگر اس نے ایک طلاق اور دے دی تو یہ طلاق فیصلہ کن شمار ہوگی اور اس کے بعد رجوع کرنے کی کوئی گنجایش نہیں ہوگی، نہ صلح سے اور نہ ہی تجدیدِ نکاح سے۔ لہٰذا اگر بچوں کو سامنے رکھتے ہوئے آپ لوگ صلح کرنا چاہتے ہیں تو ضرور کریں، لیکن اس سے پہلے ان مسائل کا حل اور تدارک کی کوشش کریں جن کی وجہ سے بات بار بار طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ ہمارے ہاں بعض دفعہ طلاق کے بعد مسائل کو سمجھے اور حل کیے بغیر رجوع میں جلدی کی جاتی ہے، لیکن اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ دوبارہ پھر طلاق ہوجاتی ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين

عدت ختم ہونے کے بعد رجوع کے لیے نیا نکاح ہوگا:

سوال میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی، پھر دورانِ عدت ہی میں نے رجوع کا ارادہ کر لیا، اور بیوی کو گھر لانے کی کوشش کی، والدین کو دو دفعہ سسرال بھیجا لیکن سسرال والے نہ تو بیوی کو بھیجنے پر راضی ہوئے اور نہ ہی میری اس سے بات کروا رہے ہیں۔ اب عدت بھی گزر چکی ہے تو کیا میرا رجوع کی کوشش کرنا، رجوع سمجھا جائے گا کہ نہیں؟

جواب الحمد للّٰه وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

اگر بیوی کو ایک یا دو طلاق دیں تو ایسی طلاق کو ''طلاقِ رجعی'' کہتے ہیں۔ طلاقِ رجعی کے بعد شوہر کے لیے اپنی بیوی کی عدت میں رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے، اگر عدت میں قولاً یا فعلاً رجوع کر لیا یعنی زبان سے یہ کہہ دیا کہ میں نے رجوع کر لیا ہے یا ازدواجی تعلقات قائم کر لیے تو اس سے رجوع درست ہو جائے گا اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نکاح برقرار رہے گا، اور اگر شوہر نے عدت میں رجوع نہیں کیا تو پھر نکاح ختم ہو جائے گا۔ بعد ازاں اگر میاں بیوی باہمی رضامندی سے دوبارہ ساتھ رہنا چاہیں تو شرعی گواہان کی موجودگی میں نئے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا۔ اور دونوں صورتوں میں (عدت میں رجوع کرے یا عدت کے بعد نکاحِ جدید کرے) شوہر نے اگر اس سے پہلے کوئی اور طلاق نہ دی ہو تو ایک طلاقِ رجعی دینے کی صورت میں اس کو مزید دو طلاقوں کا اختیار ہوگا اور اگر دو طلاقیں دیں تو آیندہ ایک طلاق کا اختیار باقی ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر خاوند نے رجوع کا اظہار کر دیا ہے۔ دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دیا ہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے، اگرچہ اس کی بیوی کو اس کے گھر والوں نے نہیں بھیجا یا بیوی کے سامنے نہیں کہا، تب بھی رجوع ہو گیا ہے، کیونکہ طلاق اور رجوع یہ مرد کا حق ہے، جسے وہ استعمال کرے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ ہاں اگر رجوع کا خیال اپنے دل میں رکھا اور اس کا اظہار نہیں کیا تب رجوع نہیں ہوگا۔ هذا ما عندنا والله أعلم بالصواب

حاملہ بیوی کو طلاق دینا:

سوال مفتی صاحب میری اپنی بیوی سے تلخ کلامی ہوئی، میں نے اسے کہا کہ اگر آپ رات 12 بجے سے پہلے نہ آئی تو میری طرف سے طلاق طلاق طلاق ہے، اور تو مجھ پر حرام ہے۔ وہ 12 بجے کے بعد بھی نہیں آئی۔ اب میں شرمندہ ہوں اور رجوع کرنا چاہتا ہوں، جب طلاق دی تھی تو وہ حاملہ تھی، اب وضع حمل بھی ہو گیا ہے۔ براہِ مہربانی شریعت کی رو سے ہماری راہنمائی کریں۔ (عادل فرقان ولد عبداللہ خان، گلی اختر اعوان، حضرت بلال کالونی، تھویا فاضل ڈیرہ)

جواب الحمد لله والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صورتِ مسئولہ میں ہمارے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگئی ہے اور چونکہ بیوی حاملہ تھی تو آپ وضع حمل سے پہلے پہلے بلا نکاح رجوع کر سکتے تھے، اب جبکہ وضعِ حمل ہو چکا ہے تو اب رجوع کے لیے نکاح ضروری ہے۔ چونکہ عدت ختم ہونے سے نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرۃ: ۲۳۲]

”جب تم نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی، پھر وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو انھیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو، جبکہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہو جائیں۔“

لہٰذا معلوم ہوا کہ عدت ختم ہونے کے بعد بذریعہ نکاحِ جدید دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ بیوی نکاحِ جدید کے لیے راضی ہو۔ کیونکہ جیسے ولی کی اجازت شرط ہے، اسی طرح بیوی کی رضامندی بھی شرط ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں:

”اَلْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا“ (صحیح مسلم: 1421)

”بیوہ اپنے ولی کی بہ نسبت، اپنے بارے میں زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے بھی اس کے اپنے بارے میں مشورہ کیا جائے گا، اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت شمار ہوگی۔“

اس کے علاوہ حق مہر بھی نیا ہوگا، کیونکہ پہلا حق مہر نکاح کے ختم ہونے سے ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ نکاح بند کمرے میں نہ ہو، بلکہ گواہوں کی موجودگی لازمی ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بدچلن بیوی کو طلاق دینا اور رجوع کرنا:

سوال محمد سلیم نے اپنی بیٹی غزالہ کی شادی گھلا وٹواں تحصیل وضلع شیخوپورہ کے رہائشی محمد ادریس ولد رحمت علی کے ساتھ 25 مارچ 2006 کو کی۔ میاں بیوی خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی گزارتے رہے۔ محمد ادریس مزدوری کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے بھی نوازا۔ 2 بیٹے اور ایک بیٹی عطا فرمائی۔

وقت گزرتا رہا۔ غزالہ اپنے خاوند کی غیر موجودگی میں اپنے آشنا ابوبکر ولد ریاض قوم وٹو جو اسی گاؤں کا رہنے والا ہے اس کے ساتھ ناجائز تعلقات جوڑ رکھے تھے۔ ایک دن محمد ادریس نے اپنی بیوی اور اس کے آشنا کو زنا کرتے ہوئے پکڑ لیا۔ یوں ادریس اور غزالہ بچے لے کر غزالہ کے والدین کے گھر مکی 525 میں آ کر رہنے لگے۔ غزالہ نے خاوند سے معافی مانگ لی اور وعدہ کیا کہ آیندہ ایسی حرکت نہیں کروں گی۔

ایک دن غزالہ 17 مارچ 2021 کو اپنے آشنا کے ساتھ فرار ہوگئی اور پھر 30 مارچ 2021 کو غزالہ کو ڈھونڈ کر بذریعہ پنچایت واپس لایا گیا اور پنچایت نے غزالہ کو تحفظ دینے کا اسٹام غزالہ کے والد سے لیا۔ یوں غزالہ اپنے خاوند اور بچوں کے ساتھ 26 جولائی 2021 تک اپنے والدین کے گاؤں مکی 525 میں رہائش پذیر رہی۔ یوں ادریس بیوی بچوں کو لے کر اپنے گھر گھلا وٹواں میں آ کر رہنے لگا اور غزالہ 07 ستمبر 2021 کو اپنے گھر سے اپنی بچی کی دوائی لینے کے بہانے نکلی اور اپنے آشنا ابوبکر ولد ریاض کے ساتھ فرار ہوگئی۔ بچی نور جس کی عمر 6 سال ہے اس کو بھی ساتھ لے گئی اور غزالہ نے عدالت سے خلع لے لیا جس کا خاوند کو علم ہی نہیں۔

غزالہ نے جو تنسیخِ نکاح کا دعویٰ دائر کیا اس کی تاریخ 22 اپریل 2021 ہے اور دعوی دائر کرنے کے بعد بھی حقِ زوجیت ادا کرتی رہی اور تنسیخِ نکاح کے کاغذات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غزالہ کے شوہر ادریس کو 25 ستمبر 2021 کو ملے۔ اس کے دوران جو عرصہ گزرا دونوں میاں بیوی اکٹھے رہے اور بیوی حقِ زوجیت ادا کرتی رہی۔ خاوند کو علم ہی نہیں کہ خلع کا دعویٰ ہوا ہے، حالانکہ بیوی جانتی ہے۔ کیا بیوی قصوروار نہیں ہے؟ غزالہ 07 ستمبر 2021 کو گھر سے فرار ہوئی اور نکاح جو عدالت میں کیا 20 ستمبر 2021 کو ہو رہا ہے۔ یعنی 13 دن بعد۔ جو 13 دن آشنا کے ساتھ گزارے کیا وہ زنا نہیں ہے؟

مفتیان کرام! فتویٰ اس کے متعلق درکار ہے کہ کیا شرعی طور پر خلع خاوند کی اجازت کے بغیر عدالت دے سکتی ہے عورت کو؟ اور جو 13 دن نکاح کے بغیر آشنا کے ساتھ گزارے اس کی سزا؟ خلع کے مقدمے کے دوران میاں بیوی اکٹھے رہے۔ اس سارے مسئلے کو غور سے دیکھیں اور راہنمائی فرمائیں کہ عدالتی نکاح کی کیا حیثیت ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

یہ طویل سوال ہم نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کے پڑھا ہے اور ہمیں بچی کے والدین، خاونداور خاوند کے والدین کی سادگی پر افسوس بھی ہو رہا ہے۔ ان کے سامنے یہ سب کچھ ہوتا رہا لیکن اس کے باوجود انھوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ اس کے خاوند نے اپنی بیوی کو اس کے آشنا کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے موقع پر پکڑا لیکن اس کا پھر بھی کوئی نوٹس نہیں لیا، بلکہ اسے لے کر اپنے سسرال رہنے لگا۔ پھر وہ سترہ مارچ کو اپنے آشنا کے ساتھ فرار ہوگئی۔ پھر 30 مارچ کو بذریعہ پنچایت اسے واپس لایا گیا اور پنچایت والے بھی اس قدر بے وقوف تھے کہ الٹا اس کے والدین سے تحفظ کا اسٹام لکھوا کر اسے دے دیا گیا۔ جبکہ وہ اس سے پہلے 22 اپریل کو عدالت میں تنسیخ کا دعویٰ دائر کر چکی تھی جس کا فیصلہ 7 جولائی کو تنسیخِ نکاح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس فیصلے کے کاغذات اس کے شوہر کو 25 ستمبر کو ملے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تنسیخِ نکاح کے فیصلے کے بعد وہ اپنے خاوند سے بدکاری کا ارتکاب کرتی رہی۔ 7 ستمبر کو پھر وہ اپنی بچی کو ساتھ لے کر فرار ہوئی اور 20 ستمبر کو عدالتی نکاح ہوا۔ اب اس میں یہ پوچھا جا رہا ہے کہ جو تیرہ دن اس نے آشنا کے ساتھ بغیر نکاح کے گزارے اس کی سزا کیا ہے اور پھر تنسیخِ نکاح کے بعد وہ اپنے خاوند کے ساتھ میاں بیوی کی حیثیت سے رہے ہیں تو اس کی سزا کیا ہے اور اس عدالتی نکاح کی کیا حیثیت ہے۔

عدالتی نکاح تو ہوتا ہی نہیں ہے جب تک والد کی اجازت نہ ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ولی کے بغیر نکاح ہوتا ہی نہیں، اور جو نکاح بھی ولی کے بغیر ہوتا ہے وہ باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔" (سنن أبي داود: 2083، 2085 سنن الترمذي: 1101، 1102، إرواء الغليل: 1840)

ہمیں افسوس تو اس بات پر ہے۔ پہلے ان کے سامنے سب کچھ ہوتا رہا، اس وقت نوٹس نہیں لیا، جب پانی سر سے گزر گیا تو پھر علماء کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ اور پھر سوال بھی یہ پوچھا جا رہا ہے کہ جو تیرا دن وہ آشنا کے ساتھ رہی ہے تو اس کی سزا کیا ہے۔ ہم یا آپ اس کی کیا سزا دے سکتے ہیں۔ سزا دینا تو عدالت کا کام ہے۔ وہ تو اپنے خاوند کے ساتھ بھی بدکاری کرتی رہی ہے کیونکہ تنسیخِ نکاح کے بعد اپنے خاوند کے ساتھ رہی ہے۔

ہم تو یہی کہیں گے کہ عقل کے ناخن لیے جائیں اور اپنی گھریلو زندگی پر توجہ دی جائے کہ معاشرہ کس قدر دین سے دور ہوتا جا رہا ہے اور عورتیں کیسے ہمیں بے وقوف بنا رہی ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں جو بے حیائی پھیلی ہوئی ہے اللہ پاک ہم سب کو اس سے بچائے۔ اللہ پاک ہمارے بچوں اور بچیوں کو اپنی ناموس وعزت کی حفاظت کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

مجنون عورت کو طلاق دینے کا حکم:

سوال میری بہن شادی شدہ ہیں۔ چھے سال قبل ان کی شادی ہوئی تھی اور پانچ بچے ہیں۔ دو سال قبل اس کا ذہنی توازن خراب ہونا شروع ہو گیا اور اب وہ تقریباً ایک سال سے مکمل پاگل ہے۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی ہے۔ شوہر بالکل صحیح سلامت ہے، مینٹلی طور پر فٹ ہے، لیکن بیوی کا ذہنی توازن مکمل خراب ہے، کیا اس حالت میں طلاق واقع ہو جائے گی؟ اگر ہاں، تو رجوع کا کیا طریقہ کار ہو گا؟ (محمد ارسلان، رام پورہ، لاہور)

جواب طلاق کی اہلیت شوہر کے پاس ہوتی ہے، اگر شوہر کا ذہنی توازن درست تھا تو طلاق واقع ہو چکی ہے، اس کے لیے بیوی کا بقائی ہوش و حواس ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر کوئی عورت خلع (عورت کا مرد سے علیحدگی طلب کرنا) لینا چاہے تو اس کے لیے عورت کا ذہنی توازن درست ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح رجوع کرنا بھی شوہر کا حق ہے۔ جب وہ رجوع کرنا چاہے تو بیوی کے ساتھ مصالحت کر کے وہ رجوع کر سکتا ہے، بشرطیکہ عدت ختم نہ ہوئی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۚ﴾

[البقرۃ: ۲۲۸]

”طلاق دی گئی عورتیں تین حیض انتظار کریں اور اس مدت کے دوران میں ان کے خاوند ان کو لوٹانے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا دورانِ عدت انسان بیوی سے رجوع کر سکتا ہے، حق مہر و نکاح وغیرہ کسی چیز کی ضرورت نہیں، البتہ یہ طلاق شمار ہو گی ہے۔

لیکن اگر انسان کو عدت گزر جانے کے بعد رجوع کا خیال آیا تو چونکہ عدت ختم ہونے سے نکاح ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اس خاتون کو رشتہ ازدواجیت میں لانے کے لیے دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة: ٢٣٢]

”جب تم نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی، پھر وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو انھیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔“

لہٰذا معلوم ہوا کہ عدت ختم ہونے کے بعد بذریعہ نکاحِ جدید دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ بیوی نکاحِ جدید کے لیے راضی ہو۔ کیونکہ جیسے ولی کی اجازت شرط ہے اسی طرح بیوی کی رضامندی بھی شرط ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا، وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا؟ قَالَ: ”نَعَمْ“ (سنن أبي داود: ٢٠٩٨)

”بیوہ اپنے ولی کی بہ نسبت، اپنے بارے میں زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے بھی اس کے اپنے بارے میں مشورہ کیا جائے گا، اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت شمار ہو گی۔“

اس کے علاوہ حق مہر بھی نیا ہو گا، کیونکہ پہلا حق مہر نکاح کے ختم ہونے سے ختم ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ نکاح بند کمرے میں نہ ہو، بلکہ گواہوں کی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

موجودگی لازمی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ دورانِ عدت رجوع یا عدت ختم ہونے کے بعد نکاح کا حق صرف پہلی اور دوسری طلاق میں ہی ہوتا ہے، تیسری طلاق کے بعد یہ دونوں حق ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک ہی صورت باقی رہتی ہے کہ عورت کسی دوسرے مرد سے آباد رہنے کی نیت سے نکاح کرے، خاوند فوت ہو جائے یا وہ اس کو طلاق دے دے تو پھر اس عورت کا پہلے خاوند سے نکاح درست ہوگا، ورنہ نہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ دورانِ عدت مرد کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے، اس میں عورت سے صلح ہو تو بہتر، ورنہ رجوع کے لیے عورت کی رضامندی ضروری نہیں، لیکن اگر عدت ختم ہو جائے تو پھر نکاح کے لیے مرد کے ساتھ ساتھ عورت کی رضامندی بھی ضروری ہے، جیسا کہ اوپر گزرا۔ اگر بیوی مجنونہ اور عقل وشعور کھو چکی ہو تو پھر آثار وقرائن سے اس کی رضامندی معلوم کرنے کی کوشش کی جائے، کیونکہ دیوانگی میں انسان ایک حالت میں نہیں رہتا۔ اگر رضامندی یا عدم رضامندی کا پتا چل جائے تو بہتر ہے، اگر معلوم نہ ہو تو اس کی طرف سے باپ یا بھائی بطور ولی نیابتاً نکاح کرے گا۔

آخر میں ہم یہ نصیحت کرنا چاہتے ہیں کہ اس خاوند کو، جس نے بیوی کو پاگل پن کی وجہ سے طلاق دی ہے، کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے اس سے رجوع کرے، حسبِ استطاعت اس کا علاج کروائے، اس کا خیال رکھنے کی کوشش کرے۔ مریض تو کوئی عام انسان ہو تو اس کے بھی حقوق ہوتے ہیں، جبکہ یہ خاتون تو پھر اس کے پانچ بچوں کی ماں ہے۔ عصرِ حاضر میں اللہ کی نعمتیں اور وسائل عام ہیں۔ جدید ترین طریقہ ہائے علاج دریافت ہو چکے ہیں، بہت سارے لوگ جن کو ہم پاگل اور مجنون سمجھ کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چھوڑ دیتے ہیں، اگر ان پر ذرا توجہ دی جائے تو وہ دوبارہ نارمل زندگی گزار سکتے ہیں۔ کسی ماہر ڈاکٹر یا اچھے حکیم سے رابطہ کریں، نیک بزرگ سے دعا اور دم کروائیں، اور خود بھی اللہ کے حضور قبولیت کے اوقات میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ صحت و عافیت والی زندگی عطا فرمائے۔

یہ بات ہمیشہ یاد رہنی چاہیے کہ صحت و عافیت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اللہ کسی بھی وقت کسی کو یہ نعمت دے بھی سکتا ہے اور چھین بھی سکتا ہے۔ صحت و عافیت کی نعمت کی قدر کرتے ہوئے ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، لیکن جو اس نعمت سے محروم ہیں، ان مریضوں کی حسبِ استطاعت خدمت کی جائے، نہ کہ انھیں نفرت و بیزاری کا نشانہ بنا کر در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ اللہ تعالی ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے اور عافیت سے رکھے۔

دباؤ میں آ کر طلاق دینے کا حکم:

سؤال میرا یہ سوال ہے کہ ایسا شخص جس کی بیوی بھی ہے، بچے بھی ہیں اور وہ کسی غلط عورت کے چکر میں پڑ کے اس سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ اس کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا جبکہ وہ ڈرنکر بھی ہے۔ اور سموکر بھی ہے تو گھر والے زور زبردستی کر کے طلاق نامہ لکھ کے سائن کروا لیتے ہیں کہ تم سائن کرو اور اسے دھمکی بھی دی جاتی ہے کہ سائن کرو، ورنہ ماں یہ کر لے گی، وہ کر لے گی اور وہ ماں کی محبت میں آ کے سائن تو کر دیتا ہے لیکن بعد میں پتا چلتا ہے کہ اس نے سائن اپنے چینج کر دیے ہیں یا اس نے دل سے نہیں کیے تو کیا ایسی صورت میں اس کی طلاق ہو گئی یا نہیں ہوئی؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طلاق دینا بندے کا حق ہے۔ نکاح کے بعد اسے طلاق دینے کے تین حق ملتے ہیں، پہلی اور دوسری طلاق کے بعد دورانِ عدت صلح ہو سکتی ہے۔ کسی قسم کے نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر عدت گزر جانے کے بعد صلح کا ارادہ ہو تو تجدیدِ نکاح سے گھر آباد کیا جا سکتا ہے اور تیسری طلاق کے بعد یہ آپشن بھی ختم ہو جاتا ہے، یعنی طلاق دیتے ہی نکاح ختم ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی ماں کی محبت میں آ کر یا اس کے دباؤ میں آ کر طلاق دے رہا ہے تو یہ طلاق ہو جاتی ہے۔ جس دباؤ میں طلاق نہیں ہوتی وہ اس وقت ہے جب اس کی جان کو خطرہ ہو اور کوئی اسے مار دینے کی دھمکی دے اور اس کو یقین ہو کہ اگر میں طلاق نہیں دوں گا تو یہ اپنی نیت کے مطابق عملی اقدام کرتے ہوئے مجھے مار دے گا۔ اس وقت یہ جبری طلاق کہلائے گی جو نافذ نہیں ہوتی ہے۔

باقی انسان جب طلاق دیتا ہے خواہ وہ دل سے نہ ہو، جب اس نے طلاق کا لفظ لکھ یا بول دیا ہے، تو وہ شرعی طور پر طلاق ہو جائے گی۔ البتہ اگر دورانِ عدت وہ صلح کرنا چاہتا ہے تو اس سے صلح کر لے۔ و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین.

سوال میرے سسرال اور میرے خاندان کا آپس میں کوئی جھگڑا تھا جس کے سبب میرے سسرال والے آئے اور میری بیوی کو سامان سمیت لے گئے، اور پھر میرے والد صاحب سے مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ ہماری بیٹی کو طلاق دو، ہماری پنچائتیں بھی ہوئیں۔ بہرصورت گھر والوں کے کہنے پر آج سے تقریباً دو ماہ دس دن پہلے میں نے اپنی بیوی کو ایک ہی بار تین دفعہ طلاق دے دی، اب میری جب بیوی سے براہِ راست بات ہوئی تو پتہ چلا ہے کہ ہم دونوں میاں بیوی طلاق نہیں چاہتے تھے، بلکہ ہمارے والدین نے یہ طلاق کروائی ہے۔ اب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم چاہتے ہیں کہ رجوع کر لیں، تو کیا اس کی کوئی صورت موجود ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

یہ ایک مکروہ و ناپسندیدہ رویہ ہے کہ آپ لین دین یا کسی معاشرتی اختلاف کے سبب خود یا اپنے بیٹے بیٹی کو طلاق پر مجبور کر دیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سائل کے بقول اگر تو لڑکے لڑکی کے والدین نے انھیں دھوکے سے طلاق دلوائی ہے تو انھیں اللہ تعالیٰ سے اس گناہِ عظیم کی معافی مانگنی چاہیے۔ اور اگر لڑکا لڑکی خود اپنی صوابدید پر یہ غلطی کر چکے ہیں اور اب اپنے والدین کو ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں تو انھیں کسی پر الزام تراشی کی بجائے اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہیے۔ جو حقیقت میاں بیوی کے لیے ابھی کھلی ہے، بہت اچھا ہوتا کہ پہلے ہی اس انداز سے ایک دوسرے سے بات کلیئر کر لی جاتی، تاکہ معاملہ طلاق تک پہنچتا ہی نہیں اور یوں شیطان کو خوش ہونے کا موقع نہ ملتا۔

اگر خدانخواستہ طلاق تک نوبت آ بھی جائے تو درست طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے۔ اکٹھی تین طلاق دینے والا طریقہ رسول اللہ ﷺ کو انتہائی ناپسند تھا، آپ ﷺ نے اس انداز سے طلاق دینے کو اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل اور مذاق قرار دیا ہے۔ (سنن النسائي، الطلاق: 3430)

بہرصورت کتاب و سنت کی رو سے ایک مجلس میں دی ہوئی بیک وقت تین طلاقیں دینے سے ایک رجعی طلاق ہوتی ہے بشرطیکہ طلاق دینے کا پہلا یا دوسرا موقع ہو۔

عورت کا بدچلن خاوند سے طلاق لینے کا حکم:

سوال ایک عورت جو کسی حد تک دین دار ہے، اپنے گھر میں فہم قرآن کلاس اور دروس وغیرہ کا اہتمام بھی کرتی ہے۔ اس کے شوہر کے غیر محرم عورتوں سے بہت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غلط تعلقات ہیں۔ کیا اس عورت کا اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ درست ہے؟ یا کوئی بیچ کا راستہ ممکن ہو تو راہنمائی فرمائیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

یہ بے حیائی تو ایک فیشن کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے۔ اس حوالے سے راہنمائی درج ذیل نکات میں ملاحظہ فرمائیں:

درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ ایک بہترین کام ہے، لیکن بعض مرد و خواتین اس نفلی کام میں اس قدر مصروف ہوتے ہیں کہ کئی ایک بنیادی فرائض ہی اس سے متاثر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور کئی ایک گھریلو مسائل جنم لیتے ہیں، جن کا واحد حل یہی ہے کہ اعتدال و میانہ روی کا دامن نہ چھوڑا جائے۔ لہٰذا سب سے پہلے تو یہ خاتون توجہ کریں کہ کہیں ان کی بیپر وائی کی وجہ سے خاوند ان غلط کاموں میں تو نہیں پڑ گیا۔ اگر ایسا معاملہ ہے تو پھر گھر کے کام کاج اور دیگر مصروفیات سے وقت نکال کر اسے ٹھیک ٹھاک وقت دیں حتی کہ وہ صحیح ہو جائے۔

لیکن اگر بلا وجہ حرام تعلقات کی عادت ہے تو اسے سمجھانے کی کوشش کی جائے، عورت خود سمجھائے، نہ سمجھے تو اس کی والدہ یعنی خاتون اپنی ساس وغیرہ سے مدد لے، البتہ کسی ایسے فرد کو اس معاملے کی خبر نہ ہو جس کے سامنے راز کھلتا دیکھ کر خاوند مزید سیخ پا ہو جائے۔

اگر اس کو سمجھا کر اصلاح ناممکن ہے تو پھر عورت اپنے گھر والوں سے مشورہ کرے اگر وہ اس کا بوجھ برداشت کر سکتے ہیں تو خاوند کو کہہ دے کہ وہ اس حالت میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور چھوڑ کر گھر آ جائے۔ ہو سکے تو طلاق لینے کی دھمکیاں بھی دے۔ جس قدر ہو سکے اسے طلاق کے عواقب و نتائج سے ڈرائے، کئی حرام خور اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرحلے میں آ کر سمجھ جاتے ہیں، کیونکہ طلاق کی صورت میں صرف عورت ہی نہیں مرد کو بھی کئی ایک مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ پھر بھی نہ سمجھے تو عورت کو اپنے والدین کے مشورے سے اس بدکردار شخص سے طلاق (نہ دے تو خلع) لے لینا چاہیے۔ اور جس قدر ممکن ہو مناسب رشتہ دیکھ کر عقدِ ثانی کر لیا جائے، تاکہ عورت کی عزت و آبرو پر حرف گیری نہ ہو۔

یہاں یہ بات کرنا کہ طلاق یا خلع لینا بہت بری بات ہے، درست نہ ہو گا، کیونکہ طلاق و خلع کا آپشن شریعت میں ہے تو اسے اس قسم کی آزمایشوں سے نکلنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ بات بھی غلط ہے کہ عورت علیحدگی کی طاقت رکھنے کے باوجود صبر کرے، کیونکہ اس قسم کی صورتِ حال میں صبر کا کہہ دینا آسان ہے، لیکن عملاً ایسی گندگی پر صبر مزید کئی مشکلات و مصیبتوں کو جنم دیتا ہے، جو ساری ساری رات دوسروں کی بیویوں بیٹیوں سے محوِ گفتگو رہتا ہے۔ تو اس کے گھر میں رہنے والی عورت کب تک مکافاتِ عمل سے بچی رہے گی؟ اور اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ گند میں رہتے ہوئے اس کے چھینٹوں سے متاثر نہیں ہو گی؟

لہٰذا جہاں ہم اپنی بہنوں بیٹیوں کو عمومی گھریلو مشکلات پر صبر کرنا سکھاتے ہیں، وہیں اس قسم کے حالات میں انھیں مصیبت سے نکالنے میں بھرپور مدد بھی کرنی چاہیے۔ مردوں عورتوں کی آپس میں چیٹنگ اور آنکھ مٹکا یہ ایک وبا بن چکی ہے، اس قسم کے کیسز میں حتی الامکان ایک فیصد بھی کمپرومائز نہیں کرنا چاہیے۔ اگر عورت خراب ہو تو مرد کی جان چھڑوائیں اور اگر مرد خراب ہو گیا ہے تو عورت کو اس مصیبت سے نکلنے میں بھرپور مدد کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن اگر عورت کے والدین اس کا بوجھ برداشت نہ کر سکتے ہوں، خاوند کی اصلاح بھی ممکن نہ ہو تو ایسی خاتون کو پھر صبر کرنا چاہیے، کیونکہ ایک بدکار شوہر سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو ایک بے راہ رو معاشرے کے سپرد کرنا اس عورت کے لیے مزید نقصان کا باعث ہوسکتا ہے، جہاں قدم قدم پر شرم و حیا سے عاری لوگ بے آسرا خواتین کو تنگ کرنے کے لیے بیٹھے ہوتے ہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

چار شادیوں والے شخص کا مزید شادی کے لیے ایک بیوی کو طلاق دینا:

سوال اگر کسی شخص کی چار بیویاں موجود ہیں، لیکن اسے مزید کوئی خاتون پسند آ گئی ہے تو کیا کسی ایک کو طلاق دے کر پسند آنے والی خاتون سے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

دینِ اسلام میں نکاح ایک اہم ذمہ داری اور بامقصد فریضہ ہے۔ یہ مختلف ذائقے چکھنے کا ذریعہ نہیں، بلکہ ایک سنجیدہ معاہدہ ہے، جسے بلاوجہ توڑنا جائز نہیں۔

طلاق اگرچہ جائز ہے، لیکن ایک نئی عورت پسند آ جانا، پہلی بیوی کو طلاق دینے کی یہ وجہ ناکافی ہے۔ صرف اس وجہ سے اگر وہ کسی بھی بیوی کو طلاق دے گا تو یہ ظلم ہے، جس پر وہ بیوی قیامت والے دن اس شخص کا گریبان پکڑ سکتی ہے۔ تاہم اگر چار بیویوں کے باوجود بھی اس کی جنسی تشنگی باقی ہے تو اسے روزے رکھنے چاہئیں۔ هذا ما عندنا والله أعلم بالصواب.

میاں بیوی کے درمیان شرائطِ صلح کی پابندی کرنا ضروری ہے:

سوال عرض ہے کہ میری بیٹی کا نکاح طیب طاہر سے ہوا۔ شادی کی پہلی رات سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی معاملہ کچھ خراب بن گیا۔ خاوند نے بیوی کو پہلی رات ہی کہہ دیا کہ تو مجھے پسند نہیں تھی۔ میں نکاح کسی اور سے کرنا چاہتا تھا لیکن میرے ابو نے تیرے ساتھ کروا دیا۔ معاملہ پھر چلتا رہا۔ دو مہینے کے اندر اندر خاوند نے بیوی کو مارا، اور بیوی والدین کے گھر لوٹ آئی۔ اس طرح معاملہ طلاق تک پہنچ گیا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ گھر اجڑ رہا ہے تو صلح کی کوشش کی گئی۔ لڑکی کے گھر والوں نے صلح کی شرط رکھ لی کہ صلح اسٹام پیپر پر ہوگی۔ اسٹام پیپر پر شرائط موجود ہیں۔ پھر بیوی اپنے گھر واپس لوٹ گئی۔

پھر دو مہینے کے اندر اندر خاوند نے دوبارہ مارا اور شدید مارا۔ لڑکی پھر واپس والدین کے گھر لوٹ آئی۔ چار مہینے بیوی اپنے والدین کے گھر رہی۔ اس کے بعد لڑکے نے طلاق بھیج دی۔ طلاق کے بعد عدت بھی مکمل ہوگئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ لڑکے نے طلاق دے دی تو اسٹام پیپرز پر مکان دینے کا معاہدہ تھا۔ اس طلاق کی صورت میں اب لڑکا اپنی بیوی کو جو اسٹام پیپرز پر معاہدہ کیا ہے اس معاہدے کے مطابق گھر دے گا یا نہیں۔ یعنی اس معاہدہ پر عمل کرے گا یا نہیں۔ آیا لڑکی اس کے گھر کی حق دار ہے یا نہیں؟ اسٹام پیپرز اس سوال کے ساتھ موجود ہے۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

گھر کو آباد رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اتفاق، اتحاد، محبت، پیار اور یگانگت ہو۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پھر شرائط و معاہدے سب بے کار ثابت ہوتے ہیں بلکہ الٹا اثر ہوتا ہے کہ دل پر گرہ لگ جاتی ہے کہ فلاں نے مجھ سے شرائط لکھوا کر مجھے باندھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن پھر بھی اگر کوئی شرط اور معاہدہ طے پاتا ہے تو اس وعدہ و شرط کو پورا کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((المسلمون علی شروطھم)) (سنن أبي داود : 3994)

”مسلمان اپنی شرطوں کی پاسداری کرتے ہیں۔“

لہٰذا جو معاہدہ اور شرط ہو، اسے پورا کرنا مومن کی نشانی اور ایمان کی علامت ہے۔ جہاں تک تعلق ہے صورتِ مسئولہ میں موجود شرط کا، تو یہ کافی گھمبیر مسئلہ ہے، اسٹام پیپر موجود تو ہے، لیکن وہ مبہم سا ہے، جس میں وضاحت نہیں ہے کہ بیوی کو مکان، موبائل وغیرہ لے کر دینے کی جو بات کی گئی ہے وہ اس صورت میں ہے کہ وہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے ہوں یا پھر طلاق وغیرہ کے بعد بھی وہ اس شرط کو پورا کرنے کا پابند ہوگا۔

ہمیں معلوم ایسے ہو رہا ہے کہ یہ تمام شرائط اسی شکل میں تھیں کہ جب وہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گزار رہے تھے اگر اس نے طلاق سے قبل یہ چیزیں نہیں دیں تو اب جب طلاق دے کر فارغ کر دیا ہے تو وہ اس بات کا پابند نہیں ہے کہ سابقہ بیوی کو کوئی چیز لے کر دے یا نام لگوائے۔

تحریر کے اندر اختلاف کی صورت میں ثالثی کا بھی ذکر ہے، لہٰذا مناسب ہوگا کہ ایک مجلس مقرر کر کے فریقین اتفاقِ رائے سے ثالث مقرر کر لیں اور جو فیصلہ ہو اس کے مطابق عمل درآمد کریں۔ اسٹام پیپر میں بعض ایسی چیزیں ہیں جو خلافِ شرع ہیں، مثلاً یہ کہ اگر زیادتی کی جائے گی تو قصاص لیا جائے گا۔ اس طرح کی باتیں گھر کو آباد کرنے والی تو نہیں ہوتی۔ واللّٰہ أعلم بالصواب، وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین.

سوال میری شادی ایک شخص سے ہوئی جو یوکے کا رہنے والا ہے۔ شادی کے تقریباً 15 دن بعد ہی ہمارے درمیان ایشوز چلنا شروع ہو گئے۔ نویں مہینے میں اس

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نے مجھے واٹس ایپ کے ذریعے ایک طلاق بھجوائی، پھر گیارھویں مہینے میں دو طلاقیں اکٹھی بھجوا دیں۔

اور یہ تینوں طلاقوں کے پیپرز کی اس نے مجھے تصاویر واٹس ایپ کی ہیں، فزیکلی کوئی چیز مجھے موصول نہیں ہوئی۔ اب اس نے میرا نمبر وغیرہ بھی بلاک کر دیا ہے، میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں۔ آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا یہ طلاق ہو گئی ہے؟ اور کیا رجوع کا کوئی امکان ہے کہ نہیں؟

جواب الحمد لله والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

صورتِ مسئولہ میں دو طلاقیں واقع ہوگئی ہیں۔ گیارھویں مہینے میں جو دو اکٹھی دی گئی ہیں، وہ مذکورہ بالا دلائل کی رو سے ایک ہی شمار ہوگی اور جو اس سے پہلے نویں مہینے میں دی گئی ایک وہ ہوگی۔ آخری دفعہ دی گئی طلاق کو اب تقریباً چھے سات ماہ کا عرصہ گزرنے والا ہے، لہٰذا عدت ختم ہونے کے باعث اب رجوع تو ممکن نہیں، چونکہ عدت ختم ہونے سے نکاح ختم ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة: ٢٣٢]

”جب تم نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی، پھر وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو انھیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔“

البتہ بذریعہ نکاحِ جدید دونوں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوسکتے ہیں۔ سوال میں مذکور ہے کہ طلاق پیپرز کی ہارڈ کاپی بھیجنے کی بجائے، واٹس ایپ پر ان کی تصاویر بھیجی گئی ہیں، تو اگرچہ قانونی طور پر اس میں کوئی پیچیدگی ہوسکتی ہے، لیکن شرعی اعتبار سے ایسی طلاق ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ مرد ایک عرصے سے رابطے میں نہیں ہے، اور عدت بھی ختم ہو چکی ہے، تو عورت کہیں اور نکاح کر کے اپنا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

گھر بسا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو آزمایشوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے۔

میاں بیوی کے درمیان صلح میں ولی کا رکاوٹ بننا جائز نہیں ہے:

سوال میاں بیوی کے مابین بوجہ طلاق عدت کے ختم ہو جانے کے بعد آپسی صلح پر والد یا ولی انکار کریں تو کیا حکم ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة: ٢٣٢]

''اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو انھیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء اور سر پرستوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر میاں بیوی آپس میں نکاح کرنے پر آمادہ ہیں اور اپنا گھر آباد کرنا چاہتے ہیں تو ولی کو چاہیے کہ وہ اس میں رکاوٹ نہ بنے۔ دراصل حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کو ان کے بہنوئی نے طلاق دے دی تھی۔ عدت گزر جانے کے بعد دونوں نکاح پر آمادہ ہو گئے، لیکن حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح اس سے کیا اور اس کو عزت دی لیکن اس نے یہ قدر کی کہ اس کو طلاق دے دی؟ لہٰذا اب دوبارہ نکاح ہرگز نہیں ہوگا۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحيح البخاري: 4529)

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، تبھی تو ان کو ناجائز روکنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ بہرصورت اس حدیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر پہلی یا دوسری طلاق کے بعد عدت ختم ہو جائے تو میاں بیوی تجدیدِ نکاح کے ساتھ اپنے گھر کو آباد کر سکتے ہیں اور جو ولی یا سرپرست ہے اسے چاہیے کہ وہ سختی کرتے ہوئے رکاوٹ نہ بنے۔ ولی اس لیے نہیں ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن پر جبر و زبردستی کرے، بلکہ ولی کا وظیفہ یہ ہے کہ لڑکی کی رضامندی کو سامنے رکھتے ہوئے کسی مناسب ترین رشتہ کا انتخاب کرے اور لڑکی کو بھی چاہیے کہ جلد بازی میں کوئی جذباتی فیصلہ کرنے کی بجائے ولی کی مدد واجازت کے مطابق چلے، کیونکہ شریعت نے ایک نکاح کے لیے لڑکی کی رضامندی اور ولی کی اجازت دونوں کو بنیادی حیثیت دی ہے۔

اس سب کے باوجود اگر ولی تجدیدِ نکاح پر رضامند نہ ہو تو کیا وہ اپنا حقِ ولایت کھو بیٹھتا ہے؟ کیا ایسی صورت میں ولایت کے اختیارات کسی دوسرے ولی کو منتقل ہو سکتے ہیں؟ تو یاد رکھیں ایسی صورت میں کسی دوسرے قریبی رشتے دار کو سرپرست اور ولی بنایا جائے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

"لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ مُرْشِدٍ" (السنن الصغير للبيهقي: 2376، وحسنه ابن حجر في الفتح: 191/9)

"یعنی نکاح کے لیے ولی مرشد کا ہونا ضروری ہے۔"

اور مرشد یعنی سمجھدار اسے کہیں گے جو لڑکی کا خیر خواہ و ہمدرد ہو۔ جو ولی لڑکی کو نکاح سے روکتا ہے، اپنے اختیارات کو غلط استعمال کرتا ہے وہ اس کا ہمدرد نہیں ہے، اس لیے وہ اپنے حقِ ولایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر یہ حقِ ولایت آگے دوسرے ولی (دادا، بھائی یا چچا) کو منتقل ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ حقِ ولایت باپ دادا وغیرہ کی طرف ہی رہے گا۔ ماں، نانا، ماموں وغیرہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ اگر کوئی بھی ولی موجود نہ ہو تو پھر جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

«فَإِنِ اشْتَجَرُوا فالسُّلطانُ وليُّ من لا وليَّ له»

(سنن الترمذی: 1879)

"اگر سب ہی رنجش وچپقلش کا شکار ہو جائیں تو جس کا کوئی ولی نہ ہو، حاکمِ وقت اس کا ولی ہوگا۔"

لہٰذا ایسی صورت میں وقت کی حکومت یا عدالت خود فریق بن کر اس نکاح کے فرائض سرانجام دیں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو بہت متوازن انداز سے بیان کیا ہے اور اس حوالے سے وارد احادیث پر تین ابواب (عناوین) قائم کیے ہیں:

① ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

② باپ، دادا کو چاہیے کہ اپنی زیر کفالت بچی کا نکاح اس کی رضامندی سے کریں۔

③ اگر باپ دادا زبردستی کریں تو نکاح مردود ہوگا۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں چیزیں ہی ضروری ہیں۔ لڑکی کی رضامندی بھی ضروری ہے اور ولی کی اجازت بھی ضروری ہے۔ اگر ولی اپنے اختیارات کو غلط استعمال کرتا ہے تو وہ حقِ ولایت سے محروم ہو جائے گا اور جو لڑکی اپنے باپ دادا کی عزت کو داؤ پر لگاتے ہوئے خود نکاح کرتی ہے اس کا نکاح بھی نہیں ہوگا۔ لہٰذا لڑکی اپنے ولی کی عزت و آبرو کا خیال رکھے اور اس کی اجازت سے نکاح کرے اور ولی کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی زیر کفالت بہن یا بیٹی کا نکاح کرتے وقت اللہ سے ڈرے اور اس کی ہمدردی اور خیر خواہی کو مدنظر رکھ کر ہی نکاح کرے۔ اس مقدس بندھن کو اپنے مفادات کی بھینٹ نہ چڑھائے۔ واللہ أعلم بالصواب.

نیت کے بغیر لفظ طلاق بولنے سے بھی طلاق ہو جاتی ہے:

سوال مجھے طلاق سے متعلق ایک شرعی مسئلہ پوچھنا تھا۔ 14 اگست کو ہمارے خاندانوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے درمیان بحث و تکرار ہوئی، جس میں میں بیٹھا ہوا تھا اور میری وائف بھی موجود تھی۔ شکوے شکایات جب بہت زیادہ ہونے لگ گئے اور بحث نہیں سمٹ رہی تھی تو میں نے یہ الفاظ ایک دفعہ کہے کہ مجھے نہیں رکھنی میری طرف سے ختم۔ یہ کہہ کر ہم لوگ اٹھ گئے، کیونکہ ہم لوگ لڑکی والوں کی طرف گئے تھے تو اپنے گھر واپس آ گئے۔

ایک دن گزرنے کے بعد ہی لڑکی والوں کی طرف سے مجھے وکیل کی کال آنے لگ گئی جس سے میرے والدین کافی پریشان ہوئے، کیوں کے میں دبئی میں مقیم ہوں اور مجھے 20 اگست کو دبئی واپس آنا تھا، تو میرے والدین نے یہ سوچ کر کہ تمھارے دبئی جانے میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے، قانونی کارروائی نہ کی جائے، میرے سامنے ایک تحریر لا کر رکھی جو طلاق نامہ تھی اور اس میں تین طلاق لکھی ہوئی تھی، مجھے دستخط کرنے کو کہا جس کو میں نے یہ کہہ کر منع کیا کہ میں کبھی اپنی طرف سے ختم نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن کیونکہ وہ بہت زیادہ پریشان تھے انھوں نے کہا کہ تم یہ دستخط کر دو ہم یہ دستخط تمھاری سیفٹی کے لیے کروا رہے ہیں۔ نہ ہم یہ طلاق نامہ کسی کو بھیجیں گے نہ بتائیں گے، اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ تمھارے دبئی جانے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے جس پر میں نے دستخط کر دیے اور کہا کہ میں صرف آپ کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے دستخط کر رہا ہوں، لیکن اس تحریر یا طلاق نامے کی کوئی حیثیت یا مرتبہ نہیں۔

جس وقت معاملات خراب ہوئے، اس وقت سے اب تک میری وائف امید سے ہے اور پانچواں مہینہ چل رہا ہے، اور اگست میں ہی جب میں دبئی پہنچا تو ہم نے آپس میں رجوع کر لیا، لیکن ملاقات نہیں ہوئی کیونکہ وہ پاکستان میں ہے اور میں دبئی میں۔ اس دوران میں نے ہر مہینے نان نفقہ بھی دیا ہے کیوں کہ میرا ارادہ اور نیت اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رشتے کو ختم کرنے کی نہیں تھی، تو میں نے دبئ آ کر طلاق نامہ پھاڑ دیا اور ابھی تک اپنی وائف کو نہیں بتایا کہ ایسا کوئی طلاق نامہ دستخط کیا تھا۔

اس طلاق نامے کا صرف اور صرف میرے والدین اور مجھے علم ہے۔ مجھے اور میرے والدین کو اس دستخط کرنے کی شرعی حیثیت کا بالکل بھی علم نہیں تھا، اور اگر میرے دبئ آنے کا معاملہ نہ ہوتا تو اس تحریر یا طلاق نامے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس معالے پہ مجھے شرعی رہنمائی چاہیے تھی۔ کیوں کہ ہم میاں بیوی اگست سے ہی رجوع کرنا چاہتے ہیں کیونکہ میرے نزدیک اس طلاق نامے کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور میری وائف کو اس کا علم نہیں تو آیا یہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور رجوع کرنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور یہ پہلی یا دوسری طلاق ہو، اور بیوی ابھی عدت میں ہی ہو، اس کی عدت ختم نہ ہوئی ہو (یعنی حاملہ ہو تو وضع حمل نہ ہوا ہو، یا پھر اس کے تین حیض پورے نہ ہوئے ہوں) تو خاوند کے لیے اپنی بیوی سے رجوع کرنا جائز ہے۔

اور وہ رجوع کے لیے ''میں نے تجھ سے رجوع کیا'' یا پھر ''میں نے تجھے رکھ لیا'' کہے تو یہ رجوع صحیح ہوگا۔ یا پھر رجوع کی نیت سے بیوی سے تعلقات قائم کر لینا بھی رجوع ہی تصور ہوتا ہے۔ رجوع میں دو گواہ بنانا سنت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ [الطلاق:٢]

''جب وہ عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو انھیں یا تو قاعدہ کے مطابق اپنے نکاح میں رہنے دو، یا پھر دستور کے مطابق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انھیں اپنے سے الگ کر دو، اور آپس میں دو عادل شخصوں کو گواہ بنا لو۔"

لیکن اگر پہلی یا دوسری طلاق ہو اور بیوی کی عدت ختم ہو جائے تو پھر نیا عقد نکاح کرنا ضروری ہے اور اس کا طریقہ وہی ہے جو عموماً نکاح کا ہوتا ہے کہ ولی کو نکاح کا پیغام دے کر اس سے رشتہ طلب کرے گا اور جب ولی اور عورت رضامند ہوں تو پھر نئے مہر کے ساتھ گواہوں کی موجودگی میں عقدِ نکاح ہو گا۔

لیکن اگر آخری (تیسری) طلاق ہو جائے تو پھر عدت ختم ہونے کا انتظار کیے بغیر وہ عورت اس کے لیے حرام ہو جاتی ہے، اور رجوع کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ اِلا کہ اس سے کوئی دوسرا شخص گھر بسانے کی نیت سے شرعی نکاح کرے اور پھر وہ شخص فوت ہو جائے یا پھر ویسے طلاق دے دے تو ایسی صورت میں پہلا مرد اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾

[البقرة: ٢٣٠]

"اور اگر وہ اسے (تیسری) طلاق دے دے، تو وہ اس کے بعد اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو گی جب تک کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے۔"

یہاں ایک اور بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ طلاق کی دو قسمیں ہیں: صریح اور کنایہ۔ پہلی قسم: جس میں واضح طور پر لفظِ طلاق بولا جاتا ہے، وہ طلاق ہو جاتی ہے، چاہے نیت نہ بھی ہو۔ جبکہ دوسری قسم: جس میں تم آزاد ہو، اپنے گھر چلی جاؤ، یا مجھے نہیں رکھنا، میری طرف سے ختم وغیرہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں تو یہ خاوند کی نیت پر منحصر ہے۔ اگر وہ واقعتاً طلاق کی نیت سے اس قسم کے الفاظ بولے تو یہ طلاق ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے جونیہ عورت کو کہا تھا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((اِلْحَقِي بِأَهْلِكَ)) (بخاري: 5254) ’’اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔‘‘

یہ الفاظ اگرچہ صریح طلاق کے نہیں ہیں، لیکن حضور ﷺ کی اس سے مراد طلاق تھی، جیسا کہ امام ابن عبدالبر وغیرہ نے لکھا ہے۔ (الاستذکار: 23/6)

جبکہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی یہی الفاظ اپنی بیوی کے لیے بولے تھے، البتہ ان کی مراد طلاق نہ تھی، لہٰذا ان کی طلاق واقع نہ ہوئی تھی۔ (بخاري: 4418)

گویا اس میں طلاق کے وقوع اور عدمِ وقوع کا فیصلہ نیت کے مطابق کیا جائے گا۔

صورتِ مسئولہ میں سائل نے دو دفعہ طلاق کی بات ذکر کی ہے، پہلی طلاقِ کنایہ ہے اور چونکہ بقول اس کے اس کی طلاق دینے کی نیت نہیں تھی، لہٰذا طلاق نہیں ہوئی۔ جبکہ دوسری مرتبہ جو طلاق لکھی ہوئی تھی، اس پیپر پر اس نے دستخط کیے، یہ ایک طلاق ہو جائے گی، خواہ اس کی نیت طلاق کی نہیں تھی، کیونکہ طلاقِ صریح میں نیت ہو نہ ہو، طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ لیکن چونکہ بیوی عدت کے اندر ہے، لہٰذا سائل کے پاس رجوع کا حق موجود ہے اور وہ رجوع کرسکتا ہے۔

مزید کچھ گزارشات سن لیں: طلاق کا حق مرد کے پاس ہے، جب اس کی طرف سے طلاق ہو جائے تو بیوی کو پتا ہو یا نہ ہو، طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اسی طرح نکاح اور طلاق یہ کوئی کھیل اور مذاق نہیں ہیں۔ یہ اللہ کی حدود اور احکامات ہیں۔ کاروبار یا اندرون بیرون آنے جانے، یا دیگر معاملات کی وجہ سے ان سے کھلواڑ مناسب نہیں، جیسا کہ سوال سے معلوم ہوا۔ والدین کو اس پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیے۔ جس طرح دنیا میں رہنے کے لیے دنیا کے متعلق جاننا ضروری ہے، اسی طرح شرعی احکامات و معاملات کو سیکھنا بھی ضروری ہے، تاکہ ہم خلافِ شریعت کاموں سے

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

بچ سکیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ دنیا میں رہتے ہوئے اونچ نیچ ہو جاتی ہے، فیملی میں مسائل ہو جاتے ہیں، لیکن اس کا حل یہ نہیں ہوتا کہ انسان آپے سے باہر ہو کر طلاق تک پہنچ جائے، ان سب مسائل و معاملات کو ٹھنڈے دل اور ہوش سے دیکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش وخرم رکھے اور مشکلات و معاملات آسان فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

کیا خاوند کا بیوی کو یہ کہنا کہ ''تم آزاد ہو'' طلاق ہے؟

سوال ہم میاں کے درمیان تلخ کلامی ہوئی، میرے شوہر نے جذبات میں آکر بول دیا: تم میری طرف سے آزاد ہو، آزاد ہو، آزاد ہو۔ میرے شوہر کا کہنا ہے کہ میری نیت طلاق کی نہیں تھی، اور مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے تین بار ایسا کہا ہے۔ اب ہم دونوں گھر بسانا چاہتے ہیں، ہماری راہنمائی کریں کہ یہ طلاق ہوئی ہے کہ نہیں اور اگر ہوئی ہے تو رجوع کی کوئی صورت موجود ہے یا نہیں؟

جواب الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

طلاق کی دو قسمیں ہیں: صریح اور کنایہ۔ پہلی قسم: جس میں واضح طور پر لفظ طلاق بولا جاتا ہے، وہ طلاق ہو جاتی ہے، چاہے نیت نہ بھی ہو۔ جبکہ دوسری قسم جس میں تم آزاد ہو، اپنے گھر چلی جاؤ وغیرہ کے الفاظ بولے جاتے ہیں، تو یہ خاوند کی نیت پر منحصر ہے، اگر وہ واقعتاً طلاق کی نیت سے اس قسم کے الفاظ بولے تو یہ طلاق ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے جونیہ عورت کو کہا تھا:

((اِلْحَقِي بِأَهْلِكِ)) (بخاري: 5254) ''اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔''

یہ الفاظ اگرچہ صریح طلاق کے نہیں ہیں، لیکن حضور ﷺ کی اس سے مراد طلاق تھی، جیسا کہ امام ابن عبد البر وغیرہ نے لکھا ہے۔ (الاستذکار: 23/6)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جبکہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی یہی الفاظ اپنی بیوی کے لیے بولے تھے، البتہ ان کی مراد طلاق نہ تھی، لہٰذا ان کی طلاق واقع نہ ہوئی تھی۔ (بخاري: 4418)

گویا اس میں طلاق کے وقوع اور عدم وقوع کا فیصلہ نیت کے مطابق کیا جائے گا۔ ہم نے براہِ راست خاوند کی وائس سماعت کی ہے، جس میں اس نے بیان دیا ہے کہ اس کا طلاق کا کوئی ارادہ نہ تھا، لہٰذا یہ طلاق واقع ہی نہیں ہوئی۔ دونوں میاں بیوی اکٹھے رہ سکتے ہیں، کسی رجوع یا نکاح وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

خاوند کی وفات کے بعد بچوں کی پرورش کون کرے گا؟

سوال خاوند فوت ہو گیا، بیوہ نے دوسری شادی کر لی۔ ددھیال کا اصرار ہے بچے ہمیں دو، بیوہ اس کے لیے تیار نہیں ہے۔ کیونکہ دوسرے خاوند نے بچوں کو قبول کر لیا ہے بلکہ نکاح ہی اس شرط پہ ہوا ہے۔ عورت کہتی ہے کہ میں اپنے بچوں کی بہترین تربیت کر سکتی ہوں۔ بوڑھے ساس سسر محض ضد میں ہیں اور بیوہ اب مزید بچے پیدا کرنے کی اہل نہیں ہے۔ شرعاً بچوں کا حق دار کون ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

اس سوال میں کئی ایک باتوں کی وضاحت ضروری ہے جو حسبِ ذیل ہے:

اللہ تعالیٰ کا یہ نظام ہے کہ نسل باپ کی طرف سے آگے بڑھتی ہے، لہٰذا بیٹا ہو یا بیٹی ان کی سرپرستی اور ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری باپ کی ہی ہوتی ہے۔ اگر باپ نہ ہو تو اس کے دیگر عزیز واقارب ان بچوں کے اولیاء، ذمہ دار اور سرپرست ہوں گے۔

لیکن اولاد اور بچے جب پرورش اور تربیت کے محتاج ہوں، اور سنِ شعور کو نہ پہنچے ہوں، تو پھر وہ ماں کے پاس رہیں گے، چونکہ بچے کی پرورش و تربیت کے سلسلے میں ماں زیادہ رحم دل اور بچے پر شفقت کرنے والی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک ماں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بچے کی پرورش کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے عرض کی:

"إِنَّ ابْنِي هَذَا كَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً، وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً، وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً، وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي وَأَرَادَ أَنْ يَنْتَزِعَهُ مِنِّي، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَنْكِحِي"

(ابو داود: 2276)

"میرا یہ بیٹا، میرا پیٹ اس کے لیے برتن! میرا سینہ اس کے لیے مشکیزہ اور میرا دامن اس کے لیے پناہ گاہ رہا ہے۔ اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو مجھ سے چھین لے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: تو اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ نکاح نہ کرے۔"

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر ماں بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو یہ اس کا حق ہے، بلکہ ماں کی عدم موجودگی میں شریعت نے خالہ کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے بھانجے یا بھانجی کی پرورش کرے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا فیصلہ اس کی خالہ کے حق میں دیا تھا اور فرمایا:

((الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ)) (بخاري: 2699) "خالہ ماں کے درجہ میں ہے۔"

البتہ یہ یاد رہے کہ ماں کے پاس حقِ حضانت (پرورش و تربیت کا حق) تب تک ہے جب تک وہ عقدِ ثانی نہ کرے۔ اگر وہ آگے نکاح کرلے گی، تو اس کا یہ حق ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اگلے خاوند اور اس کے بچوں کی ذمہ دار بن جائے گی۔ اسی طرح جب بچے بالغ اور سمجھ دار ہو جائیں اور وہ باپ یا ددھیال کے پاس جانا چاہیں تو انھیں یہ فیصلہ کرنے کا حق ہوگا۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ اصل مقصد بچے کی صحیح طریقے سے تربیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

و پرورش ہے، عموماً چونکہ ماں بچے کے لیے زیادہ رحم دل اور حریص ہوتی ہے، اس لیے ماں کو یہ حق دیا گیا، لیکن اگر کہیں ایسا ہو کہ ماں کے پاس رہنے کی وجہ سے بچے کی صحت اور تعلیم و تربیت متاثر ہو رہی ہو، اور باپ اس سے بہتر خیال رکھ سکتا ہو، تو پھر بچوں کو باپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔ ہمارے ہاں بعض دفعہ اس حوالے سے بہت کوتاہی کی جاتی ہے، بچوں کی پرورش اور تربیت کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اس لیے بچے لینے پر اصرار کیا جاتا ہے، کیونکہ ان کے ساتھ جائیداد وغیرہ کے کئی ایک لالچ بھی منسلک ہوتے ہیں۔ یہ رویہ بالکل درست نہیں ہے۔

یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ بچہ جہاں بھی ہوگا ماں یا باپ یا کوئی دوسرا ہم درد رشتہ دار اسے ملنا چاہے تو اس پر ہرگز پابندی نہ لگائی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«الرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُولُ مَنْ وَصَلَنِي وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ اللّٰهُ» (مسلم: 2555)

”رَحم (خونی رشتوں کا سارا سلسلہ) عرش کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور یہ کہتا ہے: جس نے میرے تعلق کو جوٹ کر رکھا اللہ اس کے ساتھ تعلق جوڑے گا اور جس نے میرے تعلق کو توڑ دیا اللہ تعالیٰ اس سے تعلق توڑ لے گا۔“

لہٰذا میل ملاپ پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

عورت عدالتی کارروائی کے ذریعے خلع لے سکتی ہے:

سوال ایک عورت نے عدالت میں دعوی تنسیخ دائر کیا، جب کہ وہ عورت اپنے خاوند کے گھر میں تھی، خاوند کو اس دعوے کا علم نہیں تھا، کچھ عرصے بعد عدالت نے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تنسیخ کر دی، وہ عورت خاوند ہی کے گھر میں عدت گزارنے لگی اور خاوند کو اس کا علم نہیں تھا۔ جب عدت مکمل ہو گئی تو وہ عورت آگے نکاح کرنا چاہتی ہے، جبکہ ان سب باتوں کا خاوند کو علم نہیں ہے۔ کیا وہ عورت نکاح کر سکتی ہے جب کہ وہ عورت اب تک بھی اپنے پہلے خاوند کے گھر میں ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

قاضی کو فیصلے کا اختیار ہے، فیصلہ درست ہو یا غلط بہر حال نافذ ہوتا ہے! رہی بات یک طرفہ کارروائی کی، تو فاضل جج اس کا جواب دہ ہے، البتہ تنسیخِ نکاح کے حکم نامے سے نکاح ختم ہو گیا ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

خاوند کے علم کے بغیر عدالت کا بیوی کو خلع کی ڈگری دے دینا:

سوال میرے اور میری بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا۔ میری بیوی حاملہ تھی۔ وہ اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور خاندانوں میں جھگڑا طول پکڑ گیا، جس کی بنا پر چار سال کا عرصہ گزر گیا اور میری بیوی نے عدالت سے خلع لے لیا، جس کا مجھے کوئی نوٹس یا علم نہیں تھا، اور اب ہم میاں بیوی ملنا چاہتے ہیں، کیا ہمارا رشتہ باقی ہے یا نکاح ختم ہو گیا؟ رجوع ممکن ہے کہ نہیں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

خاوند نے چار سال تک عورت کا پتہ نہیں کیا، اس نے مجبوراً عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور خلع لے لیا ہے، جب جج خلع کی ڈگری جاری کر دیتا ہے تو نکاح ختم ہو جاتا ہے، اسی کو فسخِ نکاح بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد رجوع ممکن نہیں ہے۔ البتہ ایک ہی صورت ہے کہ دوبارہ نکاح کر لیا جائے، لیکن اس کے لیے نکاح کے تمام آداب اور شروط کا خیال رکھنا ضروری ہے، جیسا کہ لڑکی کی رضامندی، ولی کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اجازت، حق مہر کا تعین اور گواہوں کی موجودگی۔

خاوند کا یہ کہنا کہ مجھے خلع کی اطلاع نہیں ملی، اس سے بھی اس خلع پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ویسے عدالت جب خلع کی ڈگری جاری کرتی ہے تو خاوند کو اطلاع کرتی ہے، ہوسکتا ہے کہ آپ نے خود اس اطلاع کو وصول نہ کیا ہو، یا پھر ڈاک کے نظام کی وجہ سے آپ تک اطلاع نہ پہنچ سکی ہو۔ جو بھی صورت ہو، جب عورت نے خلع کا فیصلہ کر لیا، اور عدالت نے اسے جاری کر دیا، تو خاوند کو اطلاع ہوئی یا نہیں، وہ خلع ہو جاتا ہے۔ اب اگر آپ صلح کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے دوبارہ نکاح کر لیں اور آئندہ صلح صفائی سے رہیں، ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں، تاکہ دوبارہ نوبت یہاں تک نہ آئے۔

سوال ایک عورت کی شادی ہوئی اور چھے ماہ بعد اس نے بوجہ ناچاقی شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر دیا، مگر شوہر نے طلاق نہیں دی۔ معاملات بڑھے، عدالت میں بات چلی گئی۔ وہ شوہر عدالت کے بلانے پر بھی عدالت حاضر نہ ہوا۔ دو، تین بار اس کو بلایا گیا لیکن وہ کسی بھی پیشی میں نہ تو پیش ہوا، نہ جواب دیا۔ عدالت نے اس کی جانب سے عدمِ جواب کی بنا پر عورت کو خلع کی ڈگری جاری کر دی۔ اب بعد میں شوہر یہ کہتا ہے کہ یہ کوئی خلع نہیں ہوا، اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ عورت اب بھی اس کے ساتھ رہنے کے لیے راضی نہیں۔ کیا مذکورہ بالا حالت میں خلع ہو گیا یا نہیں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

جس طرح اللہ تعالیٰ نے خاوند کو طلاق کا اختیار دیا ہے، اسی طرح عورت کو خلع لینے کا اختیار دیا ہے۔ خلع کی دو صورتیں ہوتی ہیں: بذریعہ عدالت خلع اور ماورائے عدالت خلع۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلی صورت بالاتفاق درست ہے، جبکہ دوسری کے متعلق بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ صحیح بخاری میں موجود ہے:

"وأجاز عمر الخلع دون السلطان" (بخاري: 5273)

"عمر رضی اللہ عنہ نے حاکمِ وقت کے بغیر بھی خلع جائز رکھا ہے۔"

یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ماورائے عدالت کے خلع کو صحیح سمجھتے تھے۔لیکن ہمارے یہاں حالات واقعات کو دیکھا جائے تو عدالتی خلع ہی فائدہ مند ہوتا ہے۔ ماورائے عدالت خلع کے کئی ایک مفاسد ہیں معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔

بہرحال اس خاتون نے طلاق کا مطالبہ کیا تو شوہر نے طلاق نہیں دی۔عورت نے عدالت کی طرف رجوع کیا ہے اور عدالت نے بار بار خاوند کی طرف نوٹس بھیجا ہے، لیکن خاوند نے اسے سنجیدہ نہیں لیا۔ایسی صورت میں عدالت نے یک طرفہ ڈگری تنسیخِ نکاح کی دے دی ہے تو یہ خلع واقع ہوگیا ہے۔اس میں کسی قسم کی دورائے نہیں ہیں، کیونکہ خلع کے لیے خاوند کا رضامند ہونا ضروری نہیں ہے۔ایسی صورت میں عموماً خاوند بیوی کو تنگ کرنا اور لٹکانا چاہتا ہے، تاکہ وہ کسی اور طرف نہ جا سکے یہ درست طرزِ عمل نہیں۔ عدالت جب خلع کی ڈگری جاری کر دے تو عورت ایک ماہ عدت گزرنے کے بعد آگے شادی کرسکتی ہے۔

جس طرح عورت طلاق نہ لینا چاہتی ہوتو اسے خاوند کو خوش اور مطمئن رکھنا چاہیے، اسی طرح خاوند کو بھی خلع سے بچنے کے لیے اپنی بیوی کو راضی خوشی رکھنا ضروری ہے، ورنہ جس طرح خاوند کی دی ہوئی طلاق نافذ ہوجاتی ہے، چاہے بیوی مانے یا نہ مانے، اسی طرح بیوی خلع لے سکتی ہے، چاہے خاوند راضی ہو یا نہ ہو۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حالتِ حمل میں خلع لینے کا حکم:

سوال شیخ محترم! دوست کی ایک بہن ہے جو اپنے شوہر سے خلع لینا چاہتی ہے۔ لیکن وہ بہن 2 ماہ کی حاملہ بھی ہے، کیا انھیں حاملہ ہونے کی وجہ سے خلع لینے کے لیے انتظار کرنا ہوگا؟ خلع لینے کی وجہ یہ ہے کہ شوہر بہت مارتا پیٹتا ہے اور ایک مرتبہ چاقو بھی اس کے گلے پر رکھ دیا، پھر کچھ لوگوں نے اسے بچایا تھا اور پستول وغیرہ سے بھی ڈراتا ہے۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

شریعت میں عقدِ نکاح کو ختم کرنے کے طریقوں میں سے ایک خلع بھی ہے۔ اگر عورت شوہر کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں ہے اور شوہر اسے طلاق بھی نہیں دیتا، تو اسے اختیار ہے کہ اپنا حق مہر واپس کر کے یا کچھ مال بطورِ فدیہ دے کر خلع حاصل کرے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ﴾ [البقرة: ٢٢٩]

''سو اگر تم لوگوں کو (یعنی میاں بیوی کو) یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابطِ خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہوگا کہ اس (مال لینے دینے میں) جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے۔''

عورت خلع لے یا خاوند طلاق دے، ہر دو صورت میں خاتون کے لیے عدت گزارنا ضروری ہے، اور حاملہ کی عدت وضعِ حمل یعنی بچے کی پیدائش ہوتی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ ﴾ [الطلاق: ٣]

''حاملہ عورتوں کی عدت وضعِ حمل ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا یہ خاتون حالتِ حمل میں خلع لے تو سکتی ہیں، البتہ اگر اس کا آگے شادی کرنے کا ارادہ ہے تو بچے کی پیدائش تک عدت گزارنا، یعنی انتظار کرنا ضروری ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

خلع کے بعد رجوع کا حکم:

سوال پانچ سال پہلے عورت نے اپنے خاوند سے خلع لیا اور علاحدگی اختیار کر لی، اب وہ دوبارہ اپنے پرانے شوہر سے نکاح کرنا چاہتی ہے، دینِ اسلام اس بارے کیا کہتا ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

میاں بیوی کے لیے دو قسم کی علاحدگی ایسی ہے کہ وہ عام حالات میں دوبارہ ازدواجی زندگی گزارنے کے اہل نہیں رہتے:

ایک تو وقفہ وقفہ سے تین طلاق دینا، اس صورت میں وہ صلح نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر تیسری طلاق کے بعد بیوی کسی دوسرے شخص سے اس کے گھر آباد ہونے کا ارادہ لے کر نکاح کرتی ہے، پھر وہ فوت ہو جاتا ہے یا اسے طلاق دے دیتا ہے، تو عدت گزارنے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے۔

دوسری علاحدگی جو لعان کے بعد عمل میں آئے تو ایسے میاں بیوی بھی زندگی میں کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ البتہ خلع کے بعد بیوی اگر موقف سے دستبردار ہو جاتی ہے تو نئے نکاح سے وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو سکتے ہیں۔

لیکن خلع کے بعد نکاح کرنے کی صورت میں پھر دوبارہ خلع کا پروگرام بنانا، اللہ کی شریعت کو کھلونا بنانے کے مترادف ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق خلع بھی ایک قسم کی طلاق ہے، بلکہ طلاق سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ کیونکہ ایک یا دو طلاق کے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بعد دورانِ عدت تجدیدِ نکاح کے بغیر رجوع کیا جا سکتا ہے، لیکن خلع کے بعد تو تجدیدِ نکاح کے بغیر رجوع ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لیے طلاق کی طرح عورت کو زیادہ سے زیادہ زندگی میں دو خلع لینے کا حق ہے جس کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے وہ بھی تجدید نکاح کے ساتھ، لیکن تیسری دفعہ خلع لینے کے بعد ہمیشہ کے لیے معاملہ ختم ہو جائے گا، اگرچہ قرون اولیٰ میں اس قسم کا کوئی واقعہ ہماری نظر سے نہیں گزرا تاہم دیگر اشباہ و نظائر کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارا یہ رجحان ہے کہ طلاق کی طرح خلع کی تعداد بھی مقرر ہونی چاہیے جو زیادہ سے زیادہ تین ہے۔ تین دفعہ خلع لینے کے بعد معاملہ ہمیشہ کے لیے ختم ہونا چاہیے۔ هذا ما عندنا، والله أعلم بالصواب

خلع لینے کے بعد عورت کی عدت کا حکم:

سوال ایک عورت نے فیملی کورٹ میں خلع کی پٹیشن داخل کی ہوئی ہے۔ عدالت کی طرف سے طلبی کے باوجود خاوند عدالت میں حاضر نہیں ہو رہا۔ اگلی پیشی پر عدالت فسخِ نکاح کی ڈگری جاری کرنے والی ہے۔ مذکورہ عورت کا رحم خالی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا عدت فسخِ نکاح کی ڈگری جاری ہونے کی تاریخ سے شمار ہو جائے گی؟ اور یہ بھی رہنمائی کر دیں کہ عدت کتنی گزارنی ہو گی؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

ایک مرد اور عورت کے درمیان نکاح گھر بسانے کی نیت سے ہوتا ہے، لیکن اگر کسی معقول سبب کی بنا پر دونوں اکٹھے نہ رہ سکتے ہوں تو مرد کے پاس طلاق کا حق ہے، اور عورت خلع کے ذریعے علاحدگی حاصل کر سکتی ہے۔

ہمارے ہاں خلع حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عورت عدالت کے ذریعے اس کا مطالبہ کرتی ہے اور عدالت خاوند کو بلوا کر خلع دلواتی ہے، یا اگر وہ حاضر نہ ہو تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے بذریعہ ڈاک نوٹس بھجوا دیتی ہے۔ بعض دفعہ خاوند جان بوجھ کر عدالت میں بھی حاضر نہیں ہوتا اور نوٹیفکیشن بھی وصول نہیں کرتا یا ضائع کر دیتا ہے۔ تو ایسی صورت میں جج کو اختیار ہے کہ وہ خلع کی ڈگری جاری کر دے۔ اسی کو فسخِ نکاح بھی کہا جاتا ہے جس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے۔

خلع لینے والی عورت کی عدت (اگر وہ حاملہ نہ ہوتو) ایک حیض ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان سے خلع لے لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا۔ (ترمذي: 1185)

لہٰذا عدالت سے خلع کی ڈگری جاری ہونے والی تاریخ کے بعد مذکورہ خاتون کو جب بھی حیض آئے تو وہ پاک ہو کر (اور اگر حیض نہ آتا ہو تو بطور عدت ایک ماہ شمار کر کے) آگے نکاح کر سکتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تجارت

سٹاک ایکسچینج کے کاروبار کی شرعی حیثیت:

سوال کیا سٹاک ایکسچینج میں پیسے لگانا جائز ہے؟!

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

سٹاک مارکیٹ/ ایکسچینج میں جوائنٹ سٹاک کمپنی (Joint Stock Company) کے حصص (shares) کی تجارت ہوتی ہے۔ پہلے اس کے طریقہ کار اور بنیادی اصطلاحات کو سمجھ لیں، تاکہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی رہے۔

جوائنٹ سٹاک کمپنی (Joint Stock Company):

چند افراد کا مل جل کر مضاربت یا مشارکت کے اصولوں کے مطابق کاروبار کرنا تو قدیم زمانہ سے ہی مروج ہے۔ دین اسلام نے اس مضاربت کے کاروبار کو کچھ اصولوں اور ضابطوں کا پابند کر کے اسے برقرار رکھا۔ سترہویں صدی عیسوی میں اسی سے ملتی جلتی ایک نئی صورت سامنے لائی گئی جسے جوائنٹ سٹاک کمپنی (Joint Stock Company) کا نام دیا گیا۔ یورپ میں صنعتی انقلاب کے دوران میں بڑے بڑے کارخانے قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چونکہ ہر جگہ ایک ہی آدمی یا چند افراد مل کر اتنا سرمایہ فراہم نہیں کر سکتے تھے سو یہ طے پایا کہ کسی بھی کارخانے کے تمام تر اجزا کو چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کر کے اسے عوام میں پیش کر دیا جائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاکہ لوگوں کو انھیں خرید کر اس کاروبار میں شراکت کا موقع مل سکے اور بڑے بڑے کارخانے چلانے کے لیے سرمایہ بھی میسر آ سکے۔ چنانچہ اس طرح یہ جوائنٹ سٹاک کمپنیاں معرضِ وجود میں آئیں۔ ان کمپنیوں کو حکومت کی طرف سے اجازت لینا ہوتی ہے اور پھر حکومتی نگرانی میں یہ کام کرتی ہیں۔ دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی کارپوریٹ لاء اتھارٹی (Corporate Law Authority) کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے جو ایسی کمپنیوں کی تشکیل اور کنٹرول کا کام کرتا ہے۔ اس طرز شراکت کی معروف طریقہ مضاربت سے جہاں مشابہت ہے وہیں کچھ اختلاف بھی ہے۔ مثلاً:

① مضاربت میں افراد کی موجودگی اور شراکت ایک دوسرے پر واضح ہوتی ہے۔ جبکہ کمپنی میں شرکاء کی کثرت اور آئے روز تبدیلی کی بنا پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کاروبار میں کون کون شریک ہے۔

② مضاربت میں بوقتِ ضرورت حصے دار کو اپنا حصہ واپس لینے کی گنجائش ہوتی ہے۔ جبکہ کمپنی میں ایسا ممکن نہیں، ہاں کمپنی ہر مضارب (حصے دار) کو اپنا حصہ فروخت کر کے قیمت حاصل کرنے کی اجازت دیتی ہے۔

③ مضاربت میں شرکاء کو براہِ راست کاروبار یا اثاثہ جات میں تصرف کا اختیار ہوتا ہے۔ جبکہ کمپنی میں صرف اس شخص کو تصرف کا اختیار ہوتا ہے جس کے پاس نصف سے زائد حصص ہوں۔ باقی شرکاء میں سے کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ میری رقم کے عوض کمپنی میں کیا چیز موجود ہے۔ حتیٰ کہ پینتالیس فیصد حصص رکھنے والا بھی کمپنی کے کسی ''خاص'' ذرہ کا مالک تصور نہیں ہوتا! وہ بوقتِ ضرورت اپنے حصص فروخت کر کے رقم تو وصول کر سکتا ہے، کمپنی کی اشیاء میں کوئی ایک بھی چیز لے کر مضاربت سے الگ نہیں ہو سکتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سٹاک مارکیٹ / ایکسچینج:

ایسی کمپنیوں میں چونکہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں لوگ شامل ہوتے ہیں اس لیے کسی بھی وقت کسی بھی شریک کو اپنی شراکت ختم کرنے یا کسی نئے فرد کو کمپنی کی شراکت اختیار کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔ جبکہ کمپنی کے لیے ہر وقت ایسے لوگوں سے حساب کتاب کرتے رہنا ممکن نہیں ہوتا، لہٰذا کمپنی اپنے کاروبار کی تمام تر تفصیلات ایک بازار میں مہیا کرتی ہے۔ ان تفصیلات کو کمپنی کا پراسپیکٹس اور اس بازار کو اسٹاک ایکسچینج (Exchange Stock) یا سٹاک مارکیٹ (Stock Market) کہا جاتا ہے۔ سٹاک ایکسچینج ایک پرائیویٹ ادارہ ہوتا ہے جو حکومت کی اجازت کے ساتھ ایسی کمپنیوں کے حصص کی خرید و فروخت کا اہتمام کرتا ہے جو قابلِ اعتماد ہوتی ہیں۔ انھیں لسٹڈ کمپنیاں (Listed Companies) کہا جاتا ہے اور جن کمپنیوں کے حصص کی ذمہ داری سٹاک ایکسچینج قبول نہیں کرتا انھیں اَن لسٹڈ کمپنیاں (Unlisted Companies) کہا جاتا ہے۔ یہ کمپنیاں دیگر ذرائع سے اپنے حصص فروخت کرتی ہیں۔

شیئرز (Shares):

شیئرز کو اردو میں حصص کہتے ہیں۔ یہ شیئر یعنی حصہ کی جمع ہے۔ عربی زبان میں اس کے لیے ''أَسْهُم'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو ''سَهْم'' کی جمع ہے۔ شیئرز یا حصص دراصل کسی بڑے کاروباری ادارہ کی کل مالیت کے چھوٹے چھوٹے اجزاء کو کہا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر جو کاروبار جتنے سرمائے سے چل رہا ہے اس تمام تر سرمائے کو اکائیوں پر تقسیم کیا جاتا ہے اور ان میں سے ہر اکائی ایک حصہ یا شیئر کہلاتی ہے۔ مثلاً ایک کاروبار ایک کروڑ روپے سے چل رہا ہے تو اس کی کل اکائیاں ایک کروڑ بنتی ہیں تو یہ ایک کروڑ اس کاروبار کے حصص ہیں جو ایک روپیہ فی حصہ کے حساب سے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اگر اس کاروبار کے ایک حصے کی قیمت ایک روپے کے بجائے دس روپے مقرر کی جائے تو اس کے کل حصص دس لاکھ بنیں گے اور ہر حصہ دس روپے کا ہوگا۔

شیئر سرٹیفکیٹ:

جو شخص کسی کمپنی کے حصص خریدتا ہے اسے شیئر ہولڈر کہا جاتا ہے اور کمپنی اس خریدار کو بطورِ ثبوت جو رسید مہیا کرتی ہے اسے شیئر سرٹیفکیٹ کہتے ہیں۔ ان شیئر سرٹیفکیٹس کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

① رجسٹرڈ شیئر (Registered Share): رجسٹرڈ شیئر وہ سرٹیفکیٹ ہے جس پر شیئر ہولڈر کا نام درج ہوتا ہے کہ فلاں شخص اس شیئر کا مالک ہے۔

② بیئرر شیئر (Bearer Shares): بیئرر شیئر وہ سرٹیفکیٹ ہے کہ جس پر شیئر ہولڈر کا نام درج نہیں ہوتا جس کے پاس وہ سرٹیفکیٹ ہو وہی اس کا مالک سمجھا جاتا ہے۔

حصص کی اقسام:

① ابتدائی حصص: کسی کمپنی کی تشکیل سے پہلے ایک ابتدائی تخمینہ تیار کیا جاتا ہے۔ اسے فزیبلٹی رپورٹ (Fusibility Report) کہتے ہیں۔ اسی طرح کمپنی کا اجتماعی ڈھانچہ (Memorandum) تیار کیا جاتا ہے اور کمپنی کے قواعد و ضوابط (Articles ofassociation) طے کیے جاتے ہیں۔ پھر حکومتی ادارہ (کارپوریٹ لاء اتھارٹی) کے سامنے ان چیزوں کو پیش کر کے اجازت نامہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اور کمپنی اگر دیگر لوگوں کو اپنے ساتھ شریک کرنا چاہے تو وہ ان امور سے انھیں مطلع کرنے کے لیے تعارفی تحریر ((Prospectus)) جاری کرتی ہے۔ اس تحریر کے مطابق اگر کمپنی کے اثاثہ جات کی مالیت مثلاً ایک لاکھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روپے ہے تو وہ ایک لاکھ کے حصص جاری کرتی ہے اور لوگ حسبِ حیثیت حصص خرید کر کمپنی کے شراکت دار بن جاتے ہیں۔ اس طرح جمع شدہ نقدی سرمایہ کو سیال سرمایہ (Liquidasset) کہا جاتا ہے اور جب اس سے مشینری خام مال وغیرہ خرید لیا جائے تو اسے منجمد سرمایہ (Fixedasset) کہتے ہیں۔ اسکے علاوہ سرمایہ کی ایک صورت غیر مادی اثاثوں (Intangibleasset) کی بھی ہے جیسے گڈ ول (Good Will) وغیرہ۔

② دورانی حصص: اس سے مراد وہ حصص ہیں جو پہلے سے چلتی ہوئی کمپنی یا کاروباری ادارے کے ہوتے ہیں اور کمپنی کسی ضرورت کے تحت انھیں فروخت کرتی ہے۔ اس صورت میں اثاثہ جات منجمد سرمایہ (Fixedasset) یا غیر مادی اثاثوں (Intangibleasset) مثلاً گڈ وِل (Good Will) وغیرہ کی صورت میں ہوتے ہیں۔

③ ترجیحی حصص (Preference Share): یہ حصص عام حصص (Ordinary Shares) سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان حصص کے خریدار کو عام شیئر ہولڈرز پر ترجیح دی جاتی ہے اور اس ترجیح کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً نفع و نقصان کی بجائے صرف نفع میں شراکت کمپنی کے سالانہ اجلاس میں ووٹ دینے یا اپنی رائے منوانے میں ترجیح ان حصص کا نفع عام شیئرز کی نسبت زیادہ وغیرہ۔

سٹاک ایکسچینج اور دلالی:

سٹاک ایکسچینج میں حصص کی خرید و فروخت کا کام بہت زیادہ گنجلک ہوتا ہے۔ اس لیے کمپنیاں نقصان سے بچنے کی خاطر اس فن کے ماہرین کو اپنا نمائندہ بناتی ہیں اور انھیں ممبر شپ سرٹیفکیٹ جاری کرتی ہیں۔ سٹاک ایکسچینج کے یہ ممبران جہاں اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے حصص خریدتے اور بیچتے ہیں وہاں بحیثیت دلال (Broker) دوسروں کے لیے بھی کمیشن پر شیئرز کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ یہ دلال درج ذیل صورتوں کے مطابق سودے بازی کرتے ہیں:

① مارکیٹ آرڈر (Market Order): یعنی دلال کو یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کمپنی کے شیئرز مارکیٹ ریٹ پر خرید دو۔

② لمیٹڈ آرڈر (Limited Order): دلال کو ایک قیمت بتائی جاتی ہے کہ فلاں کمپنی کے حصص جب ممکن ہوں تو اس ریٹ میں خرید دو۔

③ سٹاپ آرڈر (Stop Order): دلال کو کہا جاتا ہے کہ اگر حصص کی قیمت فلاں نرخ سے گرنے لگے تو فروخت کر دو۔

④ شارٹ سیل آرڈر (Short Sale Order): دلال ایسے حصص بیچتا ہے جو اس کی ملکیت میں موجود نہیں ہوتے۔ البتہ اسے قوی امید ہوتی ہے کہ سودا ہو جانے کے بعد یہ حصص خرید کر دے دوں گا اور اپنا کمیشن وصول کرلوں گا۔

حصص کے خریدار:

شیئرز خریدنے والے (Share Holder) بنیادی طور پر دو طرح کے ہوتے ہیں:

① نفع نقصان کی بنیاد پر شرکت کرنے والے: یہ لوگ شیئرز خرید کر کمپنی کے حصہ دار بن جاتے ہیں اور مضاربت کی بنیاد پر کمپنی کے سالانہ نفع یا نقصان میں حصہ دار بنتے ہیں۔

② شیئرز کو مالِ تجارت سمجھ کر خریدنے والے: یہ لوگ کسی کمپنی کے شیئرز خرید لیتے ہیں اور جب ان پر مناسب نفع ملے تو انھیں فروخت کر دیتے ہیں۔ یعنی اس صورت میں شیئرز بذات خود مالِ تجارت سمجھے جاتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سٹاک مارکیٹ پر نظر رکھتے ہیں اور مختلف کمپنیوں کے اتار چڑھاؤ پر اندازے لگاتے رہتے ہیں۔ جب انھیں کسی کمپنی کے حصص کی قیمتیں بڑھتی ہوئی نظر آئیں تو وہ سستے داموں انہیں خرید لیتے ہیں اور پھر قیمتیں بڑھنے پر فروخت کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں شیئرز کی قیمت بڑھنے سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اسے کیپٹل گین (Capital Gain) کہا جاتا ہے۔ سٹاک مارکیٹ میں زیادہ تر خریدار اسی قسم سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے خریدار آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔

سٹاک مارکیٹ میں کاروبار کا حکم؟

سٹاک مارکیٹ/سٹاک ایکسچینج کے بارے میں درج بالا بنیادی باتیں سمجھنے کے بعد شرعی طور پہ اسکی حرمت کا پہلو کافی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تمام تر لسٹڈ کمپنیاں سود میں ملوث ہوتی ہیں خواہ وہ براہِ راست سودی کاروبار کر رہی ہوں یا بالواسطہ، مثلاً: بینک اکاؤنٹس وغیرہ کے ذریعے سودی معاملات میں دخیل اور معاون ہوں۔ اور سود کو اللہ سبحانہ وتعالی نے حرام قرار دیا ہے۔

اس کاروبار میں ایک اور بڑی قباحت ہے کہ ایسی چیز کی تجارت کرنا جس کا انسان مالک نہیں اور اسلام نے اسے بھی حرام قرار دیا ہے۔

اسی طرح اس مارکیٹ میں ''اصل مال کے بجائے رسیدوں کی بیع'' ہوتی ہے اور مارکیٹ میں موجود دلال انھیں رسیدوں کی قیمتیں اپنے خاص مقاصد کی خاطر بڑھاتے اور کم کرتے رہتے ہیں۔ جب کہ کمپنی کے اثاثہ جات میں حقیقی اضافہ اور کمی کا تناسب کچھ اور ہوتا ہے۔ طلب ورسد کی بنیاد پر اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ یا کمی ایک فطری عمل ہے۔ لیکن یہاں ایک کمپنی اپنے ادارے کے پچاس فیصد حصے کے مثلاً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک لاکھ حصص بناتی ہے جن میں سے ایک حصہ، مثلاً: 100 روپے کا ہے۔ تو وہی حصص جن کی مالیت سو لاکھ روپے ہے دلالوں کی کرم فرمائی سے بہت مہنگے ہو جاتے ہیں۔ ابتدائی طور پہ ایک حصہ 100 روپے کا تھا، لیکن آخر تک پہنچتے پہنچتے وہی ایک حصہ 200 روپے کا ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ بات سمجھنے والی ہے کہ ان حصص کی قیمتوں میں اس طرح اضافہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ ابتدا میں جس نے 100 روپے میں ایک شیئر خریدا اور آخر میں جس نے 200 روپے میں ایک شیئر خریدا وہ دونوں کمپنی کے نفع یا نقصان میں برابر حصہ دار بنتے ہیں۔ جبکہ اگر ایک شیئر کے پیچھے کمپنی میں جو اثاثہ ہے اس کے بڑھنے کی بنا پر حصص کی قیمتوں میں اضافہ ہو تو زیادہ رقم لگانے والا زیادہ نفع کا حقدار ہوتا ہے۔ اور اگر حصص جن اثاثہ جات کی بنیاد پر بنائے گئے ہیں ان کی قیمت میں اضافہ ہو جائے تو تب شیئر مہنگے ہو جاتے ہیں۔ لیکن کمپنی کی ملکیت میں موجود اثاثہ جات میں سوائے قطعہ ارضی باقی تمام تر اشیاء دن گزرتے اپنی قیمتیں کم کرتی جاتی ہیں کیونکہ ''بلڈنگ'' اور مشینری وغیرہ جیسے جیسے استعمال ہوتی جائے اور پرانی ہوتی جائے اس کی قیمت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ لیکن یہاں تو انکی قیمتوں میں بھی شیئرز کی صورت مسلسل اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے، جو صریح دھوکا دہی ہے۔ اسے اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔

غرر اور دھوکا دہی کے اور بھی کئی انداز ہیں جو سٹاک مارکیٹ میں رائج ہیں۔ تمہیدی سطور کو بغور پڑھنے سے ان کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس مارکیٹ میں شیئر کے حصص کو بڑھانے میں جس چیز کو دلیل بنایا جاتا ہے وہ ہے ''گڈ وِل''۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے جسکا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے۔ اسی طرح شیئرز کی ایک قسم جنھیں ترجیحی حصص (Preference Share) کہا جاتا ہے یہ بھی واضح ظلم ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میزان بینک کی شرعی حیثیت:

سوال میزان بینک کو خالص اسلامی بنک کہا جاتا ہے، کیا اُس میں سیونگ اکاؤنٹ کھلوانا جائز ہے؟ اسی طرح میزان بینک میں اسلامک انویسٹمنٹ سرٹیفکیٹ بھی دیے جاتے ہیں، کیا یہ جائز ہیں؟ دونوں پر ماہانہ پرافٹ بھی ملتا ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

ہماری معلومات کی حد تک اس بینک کے ساتھ صرف اسلامی لکھنے کی حد تک ہی موجود ہے، عملاً یہ بھی دیگر بنکوں کی طرح سودی معاملات میں ہی ملوث ہے۔ کئی ایک اہلِ علم براہ راست اس بینک کے ملازمین سے مل چکے ہیں اور بعض ملازمین اس بات کا اقرار بھی کر چکے ہیں کہ اس میں بھی سودی کاروبار ہی ہوتا ہے۔ سیونگ اکاؤنٹ، انویسٹمنٹ سرٹیفکیٹ اور ماہانہ پرافٹ یہ سب سود کی ہی مختلف صورتیں ہیں۔ لہٰذا ان سے گریز ضروری ہے۔

اسٹیٹ لائف کمپنی میں انشورنس کروانے کا حکم:

سوال مفتیانِ کرام سے گزارش ہے کہ کیا اسٹیٹ لائف کمپنی میں انشورنس کروانا جائز ہے کہ نہیں؟ (مستفتی: ہمایوں خان، پشاور)

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

بیمہ یا انشورنس (insurance) کے قائلین اس کا تاریخی پس منظر کچھ یوں بیان کرتے ہیں کہ 1400ء میں اٹلی کے تاجروں میں سے ایک تاجر کا جہاز سمندر میں غرق ہوگیا اور وہ انتہائی تنگ دست ہوگیا۔ دوسرے تاجروں نے اس کے ساتھ تعاون کیا اور اس کے لیے کچھ رقم اکٹھی کرکے اسے اس قابل بنایا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو سکے۔ چونکہ ایسے حادثات کا آیندہ بھی امکان تھا، سو تاجروں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ آیندہ تمام تاجر ہر ماہ یا ہر سال جیسے بھی سہولت ہو، ایک معین رقم ادا کر دیا کریں تاکہ اس فنڈ سے اس قسم کے حوادثات وخطرات کے نقصان کا کسی حد تک تدارک کیا جا سکے۔

انشورنس کا یہ پس منظر ہی کفار کی تنگ دلی کی واضح مثال ہے، جبکہ اسلام نے ایسے حوادث کے پیشِ نظر ایک بہترین نظام متعارف کروایا ہے جسے ''صدقہ'' کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«رَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ» (صحيح مسلم: 1044)

''ایسا شخص جس پر کوئی آفت آئی اور اس کا سارا مال نگل گئی، تو اس کے لیے سوال کرنا حلال ہو جاتا ہے، حتی کہ وہ معاشی طور پر مستحکم ہو جائے۔''

ایسے لوگوں کو غارمین کہہ کر اللہ تعالی نے زکاۃ کے مال میں بھی ایسے لوگوں کا حق رکھا ہے۔ (سورة التوبة: 60) اور صاحبِ حیثیت مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے مال میں سے ہر سال مخصوص رقم ''زکات'' کی مد میں نکالیں۔ اسی طرح نفلی صدقات کرنے پر بھی انھیں ترغیب دلائی گئی ہے کہ وہ اپنے مال میں سے فرضی صدقہ (زکاۃ، عشر، فطرانہ وغیرہ) کے علاوہ بھی اللہ کے راستے میں خرچ کریں۔ پھر اسلام نے یہ پابندی بھی نہیں رکھی کہ جو صدقہ دے گا، مصیبت میں صرف اسی کو ہی صدقہ دیا جائے گا۔ بلکہ ہر وہ شخص جو اسلام قبول کرلے، اگر وہ صدقہ کا مستحق ہے تو اس پر صدقات حلال ہو جاتے ہیں۔

اسلام کے اس حسین نظامِ صدقات وزکاۃ کے مقابل قائم کیا جانے والا بیمہ یا انشورنس کا نظام انتہائی بھیانک قسم کا ہے۔ مختلف انشورنس کمپنیاں سادہ لوح عوام کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سبز باغ دکھا کر ملمع سازی کرتے ہوئے اپنے جال میں پھنساتی ہیں۔ اسی طرح کئی بڑی بڑی کمپنیوں کے ''عقل مند'' ان شاطروں کی چرب زبانی کا شکار ہو کر اپنے تمام تر ملازمین کے لیے بیمہ کو لازم قرار دے دیتے ہیں۔

جبکہ شرعی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو بیمہ یا انشورنس جسے بعض لوگوں نے ''تکافل'' کا خوبصورت نام دے کر حلال کرنے کا حیلہ کیا ہے، درجِ ذیل کئی ایک قباحتوں کا مرکب ہے:

- اس میں ربا (سود) قمار (جوا) اور غرر (دھوکا دہی) ہے۔ لائف انشورنس ہو یا میڈیکل انشورنس، مکان و دکان کی انشورنس ہو، یا گاڑیوں کی، ہمہ قسم کی انشورنس میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔
- اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ایمان بالقدر کے عقیدہ کو بھی انشورنس کمزور کر دیتی ہے۔
- شریعت کے نظامِ وراثت کو بھی متاثر کرتی ہے، کیونکہ انشورنس میں مرنے والے کی رقم، اسلامی شریعت کے مطابق تقسیم ہونے کی بجائے، اس کے نامزد کردہ افراد کو ملتی ہے۔
- انشورنس پر بونس کے نام سے دیا جانے والا سود اور اس میں پایا جانے والا غرر یعنی دھوکا (کیونکہ نہ تو بیمہ دار کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنی رقم ادا کرے گا اور نہ ہی کمپنی کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا وصول کرے گی) جس طرح واضح طور پر حرام ہے، بعینہ اس میں پایا جانے والا اِضرار (نقصان پہنچانا) بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص بیمہ پالیسی ترک کرنا چاہے تو اس کی چالیس فیصد رقم کمپنی ضبط کر لیتی ہے اور بسا اوقات تو جس شخص کا بیمہ ہوا ہوتا ہے اسے اس کے ورثاء

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہی قتل کر دیتے ہیں، تاکہ تھوڑے نقصان کے ساتھ زیادہ رقم جلد ہاتھ آئے۔

ان قباحتوں کی وجہ سے بیمہ یا انشورنش، چاہے جس کمپنی یا ادارے کی طرف سے بھی ہو، شرعی طور پر واضح حرام اور ناجائز ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ انشورنس بعض اسلامی ملکوں (سعودی عرب وغیرہ) میں بھی ہوتی ہے اور اسلامی ناموں سے ہوتی ہے، تو ہماری گزارش ہے کہ انشورنس میں اگر یہ قباحتیں موجود ہیں تو وہ سعودی عرب میں ہونے یا کوئی اسلامی نام رکھنے کی وجہ سے حلال نہیں ہو جائے گی۔ کسی چیز کا نام یا مقام بدلنے سے اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اگر ہم خنزیر کو بکرا کہہ دیں تو وہ خنزیر ہی رہے گا، کسی صورت بکرا نہیں بن جائے گا۔ اسی طرح یہودیوں کی بیمہ کمپنی، اگر سعودی عرب میں ہو تب بھی یہودیوں کی کمپنی ہے، پاکستان میں ہو تب بھی یہودیوں کی کمپنی ہے۔

البتہ اگر اس سے یہ قباحتیں دور کر دی جائیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں تو پھر جہاں سے بھی کروا لیں جائز ہے۔ اگر یہ قباحتیں موجود ہیں تو پھر جہاں سے بھی کروائیں ناجائز ہے، سعودیہ ہو یا پاکستان، یا کوئی تیسری جگہ۔

لہٰذا کبھی انشورنس نہ کروائیں اور اگر کوئی ایسی کمپنی ہے جو انشورنس کے بغیر ملازمت نہیں دیتی تو اس سے کنارہ کر کے کہیں اور اللہ کا فضل تلاش کریں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

سوال میں حال ہی میں برلن چلا گیا ہوں اور فی الحال ایک عارضی رہائش گاہ میں رہ رہا ہوں۔ مستقل رہائش کی تلاش شروع کرنی ہے۔ برلن میں رہائش کی صورت حال کافی خراب ہے، ایک گھر میں درخواست دہندگان کی تعداد 100 افراد تک ہے اور اوسطاً لوگوں کو مستقل جگہ تلاش کرنے سے پہلے چند ماہ تک ادھر ادھر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیکھنا پڑتا ہے۔ اس لیے میری کمپنی نے مجھ سے کہا کہ میں اپنی پروفائل کو مالک مکان کے لیے زیادہ پرکشش بناؤں، تاکہ میرے پاس مکان حاصل کرنے کا زیادہ امکان ہو۔ ان چیزوں میں سے ایک جو انھوں نے تجویز کی ہیں انشورنس حاصل کرنا ہے۔ یہ کسی بھی حادثے کی صورت میں گھر کو پہنچنے والے نقصان کے اخراجات کو پورا کرے گا اور بظاہر یہاں کے مالک مکان یہ فیصلہ کرتے وقت اس انشورنس کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ کیا اس صورت میں اس بیمہ کو حاصل کرنے کی اجازت ہوگی کیونکہ اس سے مجھے رہنے کے لیے مستقل جگہ حاصل کرنے میں بہت مدد ملے گی؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

کسی بھی قسم کی انشورنس، بیمہ وغیرہ کروانا قطعا ناجائز ہے اور اس میں کئی ایک قباحتیں ہیں۔ اسی لیے کافر ممالک کی طرف سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے، جہاں حلال وحرام کی تمیز نہ کی جا سکے۔

قرآنِ کریم میں ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین کو بچانے کے لیے ہجرت نہیں کی تھی، جب ان کی موت کا وقت آتا ہے تو فرشتے ان سے پوچھتے ہیں:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ﴾
[النساء: ٩٧]

''جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟''

وہ آگے سے جواب دیتے ہیں:

﴿ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ﴾ [النساء: ٩٧]

''ہم وہاں کمزور اور ناتواں تھے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو فرشتے ان سے کہتے ہیں:

﴿ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ﴾ [النساء: ٩٧]

"کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کر کے اپنے دین کو بچا لیتے۔"

مزید سخت حکم جاری فرمایا:

﴿ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴾ [النساء: ٩٧]

"یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔"

یہ تو ان لوگوں کی بات تھی جنھوں نے دین بچانے کے لیے، دار الکفر چھوڑ کر مسلمان علاقے کی طرف ہجرت نہیں کی۔ جبکہ ہمارے ہاں تو معاملہ بہت خطرناک ہے، ہم لوگ محض دنیا کے حصول کے لیے مسلمانوں کے علاقے چھوڑ کر کفار کی طرف ہجرت کرتے ہیں اور پھر مسئلہ پوچھتے ہیں کہ ہم پر یہ مشکلات اور پابندیاں ہیں۔ کیا اسلام میں ان چیزوں کی گنجائش ہے یا نہیں؟

ہمارے خیال میں ایسے لوگوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ محض دنیا طلبی کوئی معقول عذر نہیں کہ جس کی بنیاد پر اضطراری حالات والی گنجائشیں نکالی جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اسلامی ممالک کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور انھیں میں رہتے ہوئے رزقِ حلال کی تلاش کرنے کی ہمت دے کہ جہاں ہم آزادانہ طور پر اسلامی احکامات پر عمل کر سکتے ہیں۔ آمین

یہ دعا بہ کثرت پڑھنی چاہیے:

«اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ»

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اے اللہ! حلال کو میرے لیے کافی کر دے، تا کہ حرام سے بچ سکوں، اور اپنے فضل سے مجھے اپنے ماسوا سے غنی کر دے۔'' آمین

ہاؤسنگ سوسائٹیوں میں فائلیں خریدنے کا حکم:

سوال مفتیانِ کرام! غیر مقبوضہ زمین سے متعلق میرے کچھ سوالات ہیں:

① ہاؤسنگ سوسائٹیاں عام طور پر نقشہ بنا کر پلاٹ بیچنا شروع کر دیتی ہیں جبکہ اس نقشہ کی ساری زمین خریدی نہیں ہوتی۔ یہ نقشہ ہی آگے فروخت ہوتا ہے اور ڈیلر پھر مزید آگے سے آگے فروخت کرتے جاتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

② دوسری صورت میں اس سے بھی آگے وہ فائلیں ہیں جو مستقبل میں خریدی جانے والی زمین کے سلسلے میں ایڈوانس فروخت ہو رہی ہوتی ہیں اور ان کی نقشہ پر نشاندہی بھی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں اس خریداری کا کیا حکم ہے؟

③ اگر سوسائٹی سے یہ بات معلوم کرنا دشوار ہو کہ کون سی جگہ ابھی خرید نہیں کی گئی ہے، تو کیا ظنِ غالب کی بنا پر سودا کر دینا جائز ہوگا؟

④ ایک خیال یہ ہے کہ مارکیٹ کا اس وقت عرف یہی ہے اس لیے ایسا کرنا حرج کی بات نہیں ہے، یعنی ڈیلرز کا مالک کو بتائے بغیر زائد از کمیشن مارجن رکھ کر آگے بیچنا اور اسی طرح بیعانہ پر آگے فروخت کرنا یہ دونوں عرف کے تحت داخل ہیں۔ اب جو خریدار مارکیٹ میں آئے اس کو صورت حال کا علم حاصل کرنا خود اس کے ذمہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

صورت حال کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ڈیلر حضرات کے ان طور طریقوں کا عام ملازم پیشہ حضرات اور دیگر عوام کو عموماً علم نہیں ہوتا کیونکہ ان کی زندگی الگ میدان میں گزری ہوتی ہے اور وہ اعتماد کر کے کمیشن ایجنٹ کو اپنا کام سونپتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

⑤ بعض حضرات اپنی بل بک پر کمیشن دو فیصد لکھواتے ہیں جبکہ لوگوں کو عام مارکیٹ کے عرف میں ایک فیصد ہی کا علم ہے۔ ایسے میں کمیشن سے زائد پیسے رکھنا اوران کو ''دو فیصد'' میں شمار کرنا کیسا ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

① یہ بیع مالا یملک (غیر ملکیت شدہ چیز کی فروخت) ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

② ہرگز نہیں! جب غیر ملکیت شدہ چیز کی فروخت درست نہیں تو اس کی صرف فائل کی خرید وفروخت تو بالاولی ناجائز ہے۔

③ جب تک پلاٹ کی نشاندہی نہ ہو جائے اسے آگے فروخت کرنا درست نہیں۔

④ بیع میں ڈیلر پہ بائع اور مشتری دونوں کے سامنے ساری بات واضح کر دینا ضروری ہے۔ وگرنہ یہ دھوکا شمار ہوگا۔

⑤ یہ بھی واضح غرر (دھوکا) ہے۔

سوال میں ایک وفاقی ادارے میں بطور افسر اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہا ہوں۔ ہمارے محکمے کی ایک ہاؤسنگ سوسائٹی ہے جو اسلام آباد نیو ائیر پورٹ کے قریب واقع ہے۔ ہمارے محکمے کے سارے ارکان اس سوسائٹی کے ممبرز بھی ہیں۔ وہ سوسائٹی ہر دو سال یا تین سال کے بعد ایک پراجیکٹ لانچ کرتی ہے۔ سوسائٹی کی انتظامیہ پلاٹ اور فلیٹ آفر کرتی ہے۔ جو ممبران میں کھلی آفر ہوتی ہے کہ وہ اپنی مالی حیثیت کے مطابق کون سا پلاٹ لیں۔ یہ آفر آفیسر اور آفیشل دونوں کے لیے یکساں ہے۔ چاہے وہ ایک کنال کا پلاٹ بک کروا لے، دس مرلے، سات یا پانچ مرلے کا۔

سوسائٹی کے ممبرز کو اس پلاٹ کی ڈاؤن پے منٹ کرنی ہے، جو پلاٹ وہ بک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کروانا چاہتے ہوں۔ باقی پیسے آسان اقساط میں جمع کروانا ہوتے ہیں۔ یہ پلاٹ ہمیں اس جگہ ملتے ہیں جہاں کوئی نیا پراجیکٹ لانچ ہوتا ہے۔ لیکن پلاٹ کہاں پر ہو گا، اس کا تعین جب قرعہ اندازی ہو گی تب ہو گا کہ آیا یہ پلاٹ فرنٹ پہ ہے، کارنر پلاٹ ہے، یا درمیان والا ہے؟ یہاں تک کہ ملازم اس پلاٹ کی فائل کو جب چاہے بہترین منافع پر بیچ بھی سکتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ سوسائٹی اپنے سارے ممبرز کو یہ آفر کرتی ہے۔ اس میں ایسی کوئی تخصیص یا تفریق نہیں ہے کہ ایک کو ملے اور باقی لوگ اس سے محروم رہیں۔

شیخ محترم! سوال یہ ہے کہ اب کیا اس طرح کی خریداری اور اس کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

سوسائٹیوں میں بہت سے فراڈ اور دھوکے ہوتے ہیں۔ محلِ وقوع کے اعتبار سے پلاٹ کی کئی قسمیں ہوتی ہیں جس سے اس کی قیمت میں کافی فرق ہوتا ہے۔ کوئی بزنس پلاٹ، کوئی کارنر پلاٹ، کوئی مسجد کے سامنے اور کوئی پارک کے سامنے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس میں کافی غرر یعنی دھوکے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔

ہمارے رجحان کے مطابق چند شرائط ہیں، اگر وہ پائی جائیں تو ایسی سوسائٹی میں قرعہ اندازی کے ذریعہ پلاٹ لینا جائز ہے، ورنہ نہیں۔ شرائط درج ذیل ہیں:

① سوسائٹی کی جگہ موجود ہو، صرف کاغذی کارروائی نہ ہو۔

② سوسائٹی کا باقاعدہ نقشہ بنا ہوا ہو، محلِ وقوع کے اعتبار سے تمام پلاٹوں کی نشاندہی ہو۔

③ پلاٹ کی اقسام کے اعتبار سے قیمتوں کا بھی تعین کیا گیا ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

④ ترقیاتی فنڈ فی مرلہ کے اعتبار سے بتا دیے جائیں۔

⑤ ہاؤسنگ سوسائٹی کا نقشہ بقاعدہ طور پر مجاز ادارے سے منظور اور پاس شدہ ہو، تاکہ بعد میں کوئی قانونی پیچیدگی اور پریشانی کا سامنا نہ ہو۔

⑥ اسکیم میں جتنے پلاٹس ہوں اتنی ہی درخواستیں وصول کی جائیں۔ایسا نہ کیا جائے کہ پلاٹس تو 200 ہوں اور درخواست ہزاروں کے اعتبار سے وصول کرلی جائیں۔ کیونکہ پیپر ورکنگ کی فیس ناقابلِ واپسی ہوتی ہے جو مالکان کو دی جاتی ہے۔ اسی طرح ہی درخواست کی فیس الگ ہوتی ہے جو ناقابلِ واپسی ہوتی ہے اور یہ غلط طریقہ اختیار کرنے سے کسٹمر/گاہک کو نقصان ہوتا ہے۔

⑦ ہر فائل کے ساتھ نقشہ منسلک ہو۔جس کے نام پر فائل ہو وہ آگے فروخت کرنے کا مجاز نہ ہو، کیونکہ اس فائل کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی جو قابلِ فروخت ہو۔ کیونکہ ہم یہ بیع سلم پر قیاس کر کے جائز قرار دیتے ہیں اور اس میں وصولی سے پہلے آگے فروخت کرنا جائز نہیں۔

⑧ قرعہ اندازی کا وقت مقرر ہو۔ اس میں جتنے ممبران شامل ہوں ان کو پلاٹ ملنے کی ضمانت ہو۔

⑨ قرعہ اندازی پلاٹ کے تعین کی ہوگی، یہ نہ ہو کہ کس کو پلاٹ ملنا ہے کس کو نہیں ملنا۔

⑩ جو قیمت وصول کی جائے وہ اصل قیمت سے منہا کر کے باقی کی اقساط بنائی جائیں اور اقساط کی ادائیگی کی تاریخ بھی مقرر کر لی جائے۔

اگر یہ شرائط پائی جائیں تو پھر ایسی خریداری کرنا جائز ہے، ورنہ نہیں۔ اور جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جب تک پلاٹ مل نہ جائے، صرف فائل کو آگے فروخت کرنا جائز نہیں۔ هذا ما عندنا والله أعلم بالصواب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا وکالت کی کمائی حلال ہے؟

سوال میں ایک مسجد میں خطیب ہوں اور ساتھ کچھ کاروبار بھی ہے۔ مجھے کاروبار کے لیے انوسٹمنٹ کی ضرورت ہے۔ جہاں میں جمعہ پڑھاتا ہوں وہاں ایک نمازی ہیں جو میرے حصہ دار بننا چاہتے ہیں۔ وہ پیسے لگائیں گے اور میں کام کروں گا۔ دونوں کا فائدہ ہو جائے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہ بھائی وکیل ہیں، مجھے پریشانی یہ ہے کہ وکیل کے کمائے ہوئے پیسوں کا کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟! وہ بھائی مخلص ہیں، نمازی بھی ہیں، توحید والے ہیں، مسجد سے ماہانہ اچھا تعاون بھی کرتے ہیں۔ میری ان سے بات بھی ہوئی تھی وکلاء کے معاملات بارے، تو انھوں نے کہا کہ ہم صرف قانون کے مطابق چلتے ہیں اور سروسز کے پیسے لیتے ہیں۔ جھوٹ نہیں بولتے....!

میری راہنمائی کریں کہ ان کے ساتھ حصہ داری پر کاروبار کر سکتا ہوں، یہ جائز ہے؟

جواب الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

ہمارے ملک کا عدالتی نظام ایسا ہے کہ براہِ راست کوئی اپنا معاملہ عدالت میں پیش نہیں کر سکتا، بلکہ اس کے لیے وکیل کرنا پڑتا ہے۔ وکالت ایک جائز و مشروع کام ہے، اگر اس میں حق و سچ کا بیان اور مظلوم کا دفاع و حمایت مقصود ہو۔ لیکن یہاں خرابی یہ ہے کہ وکیل حضرات ظالم کی حمایت اور مظلوم کی مخالفت کا ارتکاب کرتے ہیں جو کسی صورت جائز نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴾ [النساء: ١٠٥]

”آپ خیانت پیشہ لوگوں کے وکیل نہ بنیں۔“

صورتِ مسئولہ میں وکیل صاحب کا بیان ہے کہ وہ وکالت میں کسی قسم کا غیر قانونی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

یا غلط کام نہیں کرتے، لہٰذا ان کی کمائی حلال ہے اور ان کے ساتھ کاروبار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں اگر وہ غلط بیانی کریں گے تو وہ اللہ کے ہاں جواب دہ ہیں۔

یوٹیوب پر پیسے دے کر ویوز بڑھانا:

سوال آج کل یوٹیوب پر کو پیسے دے کر ویوز بڑھایا جا سکتا ہے، مثلاً ایک ویڈیو پر 1000 ویوز کا 300 روپیہ لیتے ہیں۔ آگے گروپس بنے ہوئے ہیں جس میں لنک شیئر کر دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ کام کرنا جائز ہے؟ مطلب اس کام سے پیسے کمانا جائز ہے؟

جواب الحمد للّٰه وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

اگر ویڈیوز غیر شرعی نہ ہوں، تو بظاہر اس میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا،

① کیونکہ معاملات میں اصل اباحت و جواز ہے، الا کہ ممانعت کی کوئی دلیل موجود ہو، جو یہاں موجود نہیں۔

② بادی النظر میں یہ جعالہ کی ایک قسم ہے، جس میں ایک فریق دوسرے کو کسی کام کی تکمیل پر طے شدہ معاوضہ ادا کرتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں: ﴿وَلِمَنْ جَآءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيْرٍ﴾ [یوسف: ۷۲] ''جو پیمانہ ڈھونڈ لائے گا، اسے ایک اونٹ کے برابر اناج ملے گا۔'' سے فقہاء نے جعالہ کی شرعیت پر استدلال کیا ہے۔ اسی طرح رقیہ (دم) کرنے پر اجرت والی مشہور حدیث سے بھی استدلال معروف ہے۔ لہٰذا اگر چینل خیر نشر کر رہا ہے اور دیکھنے والا اسے وقتاً فوقتاً اپنا بیلنس خرچ کر کے واچ کر رہا ہے یا واچ نہیں بھی کر رہا لیکن اپنے پیکیج سے واچ ٹائم پورا کر دیتا ہے اور چینل والا ویور کو طے شدہ رقم ادا کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

یہ کہنا کہ اس میں دھوکا ہے، کیونکہ بعض دفعہ ویڈیو صرف کھولی جاتی ہے اور پھر اسے بند کر دیا جاتا ہے، یا پھر ویڈیو چلا کر چھوڑ دی جاتی ہے، تو ہمارے خیال میں یہ دھوکا نہیں، کیونکہ یوٹیوب ویوز اور واچ ٹائم دونوں کو الگ الگ نوٹ کرتا ہے، جس نے صرف ویڈیو کھول کر بند کر دی ہے، وہ ویوز میں تو آ جائے گا، لیکن واچ ٹائم میں نہیں آئے گا، اسی طرح واچ ٹائم سے مراد بھی یوٹیوب کے ہاں ویڈیو کا کسی ڈیوائس پر چلنا (Play) ہے، کوئی اس کو دیکھ رہا ہے یا نہیں، یہ مطلوب نہیں۔ ہاں اگر کوئی چینل والا یہ شرط لگائے کہ ویڈیوز کو صرف Play کرنا کافی نہیں، بلکہ بغور سننا اور دیکھنا بھی ہے تو پھر اس معاہدے کی پاسداری ضروری ہے۔ واللہ أعلم بالصواب.

ایک کارڈ کی خریداری پر مختلف اشیاء میں **25** فیصد رعایت لینے کا حکم:

سوال ایک کمپنی کہتی ہے کہ ہم سے 3 سو ریال میں ایک کارڈ خرید لیں، اس کے ساتھ آپ جب خریداری کریں گے تو آپ کو 25 فیصد رعایت ملے گی۔ کیا یہ کارڈ خریدنا اور اس پہ ڈسکاؤنٹ لینا جائز ہے؟

جواب الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

مختلف کمپنیوں اور بنکوں کی طرف سے اس قسم کے کارڈز جاری کیے جاتے ہیں جن میں وہ مخصوص رقم اکاؤنٹ میں جمع رکھتے ہیں اور اس کے عوض کارڈ سے کی جانے والی خریداری پہ مخصوص رعایت دیتے ہیں۔

یہ رعایت در اصل اس رقم کے عوض ہوتی ہے جو سال بھر کے لیے کمپنی کارڈ کے عوض اپنے پاس رکھتی ہے، یا کارڈ کی سالانہ فیس کی صورت وصول کر لیتی ہے اور بنک صارف کے اکاؤنٹ میں موجود رقم کی وجہ سے یہ سہولت فراہم کرتے ہیں۔ یہ بہر صورت پیسے پہ ملنے والا نفع ہے جو سود ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احساس پروگرام کے تحت راشن خریداری پر ڈسکاؤنٹ لینے کا حکم:

سوال احساس پروگرام کے تحت کچھ لوگوں کو دکانوں سے راشن خریدتے وقت ڈسکاؤنٹ دیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

غرباء اور مساکین کا اگر حکومت کو احساس ہو گیا ہے تو یہ بڑی خوش آیند بات ہے۔ اس حکومتی پروگرام کی جو تفاصیل ہمیں معلوم ہوئی ہیں، اس کے مطابق تو شرعی طور پر اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ مستحق خاندانوں کو خریداری کے سلسلے میں کوئی رعایت دی جاتی ہے تو یہ ایک مستحسن اقدام ہے، ہم اس کی تائید کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی حفاظت میں رکھے اور اپنی رحمت کے علاوہ کسی کا محتاج نہ کرے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

تاوان میں سودی جرمانہ لینا:

سوال ایک غریب آدمی نے اپنے دوست کو کہا کہ مجھے اپنے کمپنی مینجر سے تین ہزار درہم قرض لے دیں، اس نے کہا کہ تم نے پہلے ہی چونکہ لیا ہوا قرض بروقت نہیں لوٹایا تھا، اس لیے اب دوبارہ نہیں ملے گا۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر میں نے مقررہ مدت تک تین ہزار درہم نہ لوٹائے تو جتنے مہینے لیٹ کروں گا، ہر مہینہ ایک ہزار درہم جرمانہ دوں گا۔ اور پھر یہ شخص قرض لے کر بھاگ گیا، جب قرض کی مقررہ مدت ختم ہو گئی تو کمپنی سے قرض لے کر دینے والے شخص نے حسبِ معاہدہ تاخیر کا جرمانہ ادا کرنا شروع کر دیا، اس طرح اس نے تین ہزار درہم کی بجائے کمپنی کو 9 ہزار درہم ادا کیا۔ بعد میں قرض لینے والا اصل شخص بھی لوٹ آیا اور انھیں پتا چلا کہ اس طرح تاخیر پر جرمانہ دینا تو سود ہے۔ اب قرض دلوانے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

والا دوست پوچھ رہا ہے کہ میں اس غریب آدمی سے صرف تین ہزار درہم ہی لوں یا پھر میں نے اس کی طرف سے جو سود ادا کیا تھا، وہ بھی واپس لوں؟

جواب الحمد للّٰہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ!

قرض لینے والے نے کمپنی سے قرض دلوانے والے پر زیادتی کی ہے، مقروض کے بھاگ جانے کی وجہ سے اس دلوانے والے کو قرض اور اس کا جرمانہ بھی ادا کرنا پڑا ہے۔ اب وہ شخص یعنی مقروض واپس آ گیا ہے تو قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ [الشوریٰ: ٤٠]

''برائی کا بدلہ اسی قدر برائی ہے۔''

تو وہ رقم اور جرمانہ وغیرہ سب اس سے وصول کر سکتا ہے، لیکن اسی آیت کا دوسرا حصہ ہے:

﴿ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾ [الشوریٰ: ٤٠]

''جو معاف کر دے اور اصلاح سے کام لے، تو وہ اللہ کے ہاں اجر کا مستحق ہے۔''

اس لحاظ سے اگر وہ معاف کر دیتا ہے تو یہ افضل و اولیٰ ہے، لیکن اگر وہ اس سے جرمانہ وصول کرنا چاہے تو یہ اس کا حق بنتا ہے۔ البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ قرض کی ادائیگی لیٹ ہونے پر جو جرمانہ ادا کیا گیا ہے، وہ واضح طور پر سود ہی ہے، جیسا کہ سوال میں بھی اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے۔ آیندہ ایسے معاملات سے مکمل گریز کیا جائے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین.

دھوکے سے قرض معاف کروا لینا:

سوال سائل نے اپنے ایک عزیز کو 2011 میں اپنی جیب سے ویزا خرید کر دیا جس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر کل لاگت 22000 ریال ہوئی۔ وہ آرمی کا ریٹائرڈ تھا، کافی تگ و دو کرنے کے بعد اس کو اچھی کمپنی میں جاب دلوا دی۔ 2011 سے لے کر 2016 تک اس نے صرف 6000 ریال اقساط کی صورت میں واپس کیے، جبکہ وہ اچھی انکم لے رہا تھا۔ آخر ایک دن میں نے اس پر دباؤ ڈالا کہ اب تم صاحبِ استطاعت ہو، میری رقم مبلغ 16000 ریال مجھے یکمشت یا اقساط کی صورت میں واپس کرو۔ لیکن اس نے میرے سامنے نہایت گریہ وزاری کرتے ہوئے کہا کہ باقی رقم میں ادا نہیں کر سکتا، مجھے معاف کر دو۔ میں نے اس کی ظاہری شکل اور حالت زار کو دیکھ کر کہہ دیا کہ چلو ٹھیک ہے تم کو معاف کیے۔ لیکن کچھ ماہ بعد اس نے 30 لاکھ پاکستانی روپے کا مکان خریدا اور اپنی فیملی کو بھی وزٹ پر بلایا۔ پھر اس نے مزید ایک سال بعد اسی مکان کے اوپر دو پورشن مزید بنائے۔ مجھے پتا چلا کہ اس نے مجھے بیوقوف بنایا اور جھوٹ پر مبنی مکارانہ اداکاری کرتے ہوئے مجھ سے مطلوبہ رقم معاف کرا لی ہے۔

جب مجھے اس کی اس مکارانہ اداکاری کا پتا چلا تو میں اس کے پاس گیا اور گزارش کی کہ تم نے میرے ساتھ یہ ایک ڈرامہ کیا تھا جو ایک جھوٹ پر مبنی تھا، لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ آپ ہر لحاظ سے صاحبِ استطاعت ہیں اور کسی صورت میں بھی قرض معاف کرانے کے حق دار نہیں ہیں۔ میں اللہ سبحانہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں اور اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں اور تو بھی مجھے معاف کر اور میرا پیسہ مجھے واپس دے۔ لیکن وہ اب اسی بات پر بضد ہے کہ تو نے معاف کر دیا تھا لہٰذا معاف کی ہوئی چیز یا پیسہ کا واپسی مانگنا اپنی گندگی کھانے کے مترادف ہے۔

آپ سے استدعا ہے کہ شریعت اس بارے میں کیا حکم دیتی ہے۔ براہِ مہربانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میری بذریعہ فتویٰ راہنمائی کریں کیا میں اس سے اپنی رقم واپس لینے کا مطالبہ کر سکتا ہوں؟ جبکہ وہ الحمد للہ اُس وقت بھی اور آج بھی صاحبِ استطاعت ہے۔ لیکن اس وقت سائل اس کے حالات سے اچھی طرح واقف نہ تھا۔ ورنہ میں کبھی اس کے مکارانہ فریب میں نہ آتا۔ جزاکم اللہ خیرا۔ (سائل: محمد بلال شریف۔ سعودی عرب)

جواب الحمد لله وحده، والصلاة، والسلام على من لا نبي بعده!

آپ ایک محسن اور بھلے انسان معلوم ہوتے ہیں کہ پہلے تو آپ نے ایک عزیز کو نوکری تلاش کر کے دی، اس کے اخراجات خود برداشت کیے، پھر اس کی حالتِ زار کو دیکھتے ہوئے اس کا قرض بھی معاف کر دیا، یقیناً یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ قرآن کریم کی آیت ہے:

﴿ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ﴾ [الشوریٰ: ٤٠]

''جو معاف کر دے اور اصلاح سے کام لے، تو وہ اللہ کے ہاں اجر کا مستحق ہے۔''

نیت خالص ہو تو ان نیکیوں کا روزِ قیامت بہت بڑا بدلہ ملنے والا ہے۔ ان شاء اللہ۔

آپ نے اپنے عزیز کے ساتھ جس طرح نیکی کی ہے، اس سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا آپس میں اچھا تعلق تھا، آپ اسی تعلق کو سامنے رکھتے ہوئے حسنِ ظن سے کام لیں اور یہ سمجھیں کہ آپ کے عزیز نے جو فیملی ویزہ لیا یا گھر وغیرہ بنایا ہے، ہو سکتا ہے اس کے اخراجات کسی اور نے برداشت کیے ہوں، خود اس کی حالت واقعتاً ایسی ہی ہو جیسی اس نے آپ کو بیان کی ہے۔ بالفرض اگر آپ کی بات درست ہے اور آپ کے عزیز نے واقعتاً غلط بیانی کی ہے، تو یہ شرعاً اور اخلاقاً ہر دو اعتبار سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درست نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَطْلُ الغَنِيِّ ظُلْمٌ)) (صحيح البخاري: 2287)

"صاحبِ حیثیت آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔"

جھوٹ، دھوکا دہی کبھی معاملات میں برکت کا ذریعہ نہیں بن سکتا، اس سے گھر بار، کاروبار، مال اولاد میں جلد یا بہ دیر نقصان ہی نقصان ہوتا ہے اور آخرت میں تو بہر صورت ایک ایک پائی کا حساب دینا پڑے گا۔

آپ کا یہ کہنا کہ آپ کے اس عزیز نے آپ کے ساتھ دھوکا اور فراڈ کیا ہے، لہٰذا آپ جو قرض معاف کر چکے ہیں، اسے واپس لینا چاہتے ہیں تو ہمارے مطابق اس قرض کی معافی سے رجوع کی کوئی صورت نہیں ہے، الا یہ کہ آپ معاف کرتے وقت یہ گنجایش رکھتے کہ اگر آپ واقعتاً مجبور ہیں تو میں معاف کرتا ہوں، یا پھر جب تک آپ کے پاس رقم کا بندوبست نہیں ہوتا تب تک میں آپ کو ڈھیل دیتا ہوں تو پھر آپ قرض کا مطالبہ کر سکتے تھے، اب جبکہ آپ مطلق طور پر معافی کا بیان دے چکے ہیں تو پھر اس سے رجوع کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

آپ کے پاس قرض معاف کرنے کی گنجایش تھی، آپ نے اللہ کی رضا کے لیے یہ نیکی کر لی۔ اب اگر آپ کے عزیز نے دھوکا و فراڈ بھی کیا ہے تو آپ اس کی غلطی کے سبب اپنی نیکی خراب نہ کریں، بلکہ یہ سمجھیں کہ اس کا کئی گنا اجر آپ کو اللہ کی طرف سے ملنے والا ہے۔

﴿ إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴾

[يوسف: ٩٠]

"بے شک جو اللہ سے ڈرتا، اور صبر کرتا ہے، تو یقیناً اللہ تعالیٰ احسان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے والوں کا اجر ضائع کرتے نہیں۔“

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین.

کاروبار میں شراکت:

سوال ① میں کنسٹرکشن ایڈوائزری، کنسلٹنسی سروسز کرتا ہوں اور اپنے کلائنٹس کو پیپر ورک/ دستاویزات فراہم کرتا ہوں۔ اس کاروبار میں اثاثوں کی خرید وفروخت نہیں ہے۔ مجھے تعمیراتی منصوبوں میں اس طرح کی مشاورتی خدمات کے لیے کل تعمیراتی بجٹ سے 2.4% بلڈر یا بلڈنگ مالک کلائنٹ سے ملتا ہے۔ اب یہ 2.4% ہمارے لیے 30 ملین مالیت کے منصوبے کے مواقع ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ہمیں اگلے ایک سال میں اس سے صرف 3 ملین ملتے ہیں اور ہم اس 3 ملین میں سے 10 فیصد اپنے سرمایہ کاروں کو دیتے ہیں تب بھی وہ پہلے سال میں اپنی سرمایہ کاری پر کم ازکم 70 فیصد ریٹرن حاصل کرتے ہیں جس پر وہ بہت خوش ہیں۔

کیا یہ ان سرمایہ کاروں کو 10 فیصد منافع دینا صحیح ہے جب وہ اس پر راضی ہیں؟ کیوں کہ یہ منافع انکی سرمایہ کاری پر کم ازکم 70 فیصد ریٹرن ہے جس سے وہ راضی ہیں۔

② کیونکہ یہ ذاتی سرمایہ کاری ہے جہاں سرمایہ کار صرف مجھے بطور فرد سرمایہ کاری دے رہے ہیں نہ کہ میری کمپنی کے نام کو۔ یہ سرمایہ کار اگلے 5 سالوں کے لیے سرمایہ کاری کا یہ معاہدہ کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں، جہاں میں انھیں 10 فیصد منافع دینے کا پابند ہوں گا، چاہے میں کاروبار کرتا رہوں یا نوکری کروں۔ یہاں تک کہ اگر میں اپنی کمپنی تبدیل کروں یا کوئی دوسرا کاروبار شروع کروں،

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تب بھی یہ سرمایہ کار 5 سال تک میرے مجموعی منافع یا سالانہ تنخواہ کی بچت پر 10 فیصد منافع مانگ رہے ہیں۔ کیا یہ اسلامی نقطہ نظر سے جائز ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

دو سوال پوچھے گئے ہیں، بالترتیب دونوں کے جواب حسبِ ذیل ہیں:

① سائل کنسٹرکشن ایڈوائزری کی کنسلٹنسی فیس لیتا ہے جو کل منصوبے کی مالیت کا دو تا چار فیصد ہوتا ہے، یہ درست ہے۔ اگر منافع کا دو سے چار فیصد مقرر کرے گا تو پھر نفع ونقصان کی شراکت ہوگی نہ کہ صرف نفع کی، کیونکہ اس صورت میں سائل مشارکت کر رہا ہے، اپنی سروس کی اجرت وصول نہیں کر رہا۔ واللہ تعالی أعلم

② اس میں معلوم ہوتا ہے کچھ سرمایہ کار سائل کے کاروبار (بلڈنگ کنسیلٹنسی) میں اپنے سرمائے کے ساتھ شریک ہونا چاہتے ہیں، جس میں اُنھیں اچھا منافع (دس فیصد) مل رہا ہے۔ انھیں سائل کے دفتر یا آفس سے غرض نہیں کہ وہ کہاں رکھتا ہے۔ البتہ وہ اسے ان تمام کاروباری اُمور کے لیے دس فیصد منافع کی شرط پر سرمایہ دینے کے لیے تیار ہیں، یہ مضاربت ہے۔ سائل مُضارِب (حصے دار) جبکہ یہ سرمایہ کار ربُّ المال ہیں۔ اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ یہ سرمایہ کار سائل کے کاروبار میں بالعموم دس فیصد نفع ونقصان کی بنیاد پر شریک ہوں۔ یعنی سائل جتنے بھی ایسے پروجیکٹ کرتا ہے ان کے مجموعی نفع ونقصان میں دس فیصد کی شراکت ہو، اگرچہ نفع کا امکان سو فیصد نظر آئے، یہاں نقصان کی شرط لازم ہے ورنہ سود ہو گا۔ نقصان کی صورت میں سائل کی محنت جبکہ سرمایہ کاروں کا سرمایہ بقدرِ نقصان ضائع جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سائل انھیں کسی خاص تعمیراتی منصوبے میں شرکت کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دعوت دیتا ہے جس کی کنسلٹنسی اُسے ملی۔ اس میں بھی سائل کے ساتھ یہ انویسٹر اپنی رقم کے بالمقابل نفع ونقصان کی بنیاد پر ہی شرکت کریں گے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ سائل کو کچھ منصوبے مل چکے ہیں یا ملنے کی توقع ہے، جن کی فیس اُس نے آیندہ سالوں میں وصول کرنی ہے، لیکن اس دوران میں اُسے دفتری امور چلانے کے لیے رقم درکار ہے۔ سرمایہ کار اسے اس شرط پر یہ رقم مہیا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ متوقع قابلِ وصول رقم سے ہر صورت انھیں اتنے سال تک دس فیصد دیتا رہے۔ انھیں نہ سائل کے کام سے غرض ہے نہ اُس کی کمپنی سے۔ یہ بھی درحقیقت قرض پر فائدہ ہے اور خالص سود ہے۔

کسی کا پلاٹ زائد قیمت پر بیچنا اور اضافی رقم خود رکھ لینا:

سوال ایک شخص سے کہا جاتا ہے کہ آپ کا پلاٹ 50 لاکھ میں بیچ دیں گے، وہ تیار ہو جاتا ہے۔ اب یہ ڈیلر صاحب دوسرے ڈیلر سے رابطہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس پلاٹ کی قیمت 51 لاکھ ہے سو اس کا گاہک تلاش کیا جائے۔ یہ دوسرے صاحب گاہک تلاش کرتے ہیں اور دیگر صاحبان کو ایک لاکھ بڑھا کر یہ پلاٹ 52 لاکھ میں لکھوا دیتے ہیں۔ اس طرح جتنے ڈیلر ایک جگہ کو بیچنے میں شامل ہوتے ہیں، اسی قدر قیمت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یوں اصل خریدار کو قیمت جمع دو تین چار لاکھ میں سودا بیچا جاتا ہے۔

پلاٹ کے مالک کے لیے یہ پراپرٹی ڈیلر حضرات محض کمیشن ایجنٹ ہوتے ہیں جو ایک فیصد کمیشن پر کام کرتے ہیں لیکن ان کو بتائے بغیر ہی ان کی جگہ تین چار لاکھ روپے زیادہ میں بکتی ہے۔ خریدنے والوں کے لیے بھی اس وجہ سے قیمتیں دو چار لاکھ اوپر ہی رہتی ہیں، جتنا بڑا سودا ہوتا ہے اسی حساب سے ڈیلر حضرات اس میں اپنی طرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے زیادہ اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس صورت میں اب قابل استفسار چیز یہ ہے:

① مالک سے 50 لاکھ میں چیز کا سودا طے کر کے اس کو آگے 51، 52 لاکھ یا زیادہ میں بیچنا کیسا ہے؟ جبکہ مالک کو علم نہیں ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

② ایسی مارکیٹ میں کمیشن پر کام کی حیثیت کیا ہو گی؟ یعنی میرے علم میں ہے کہ جس بھی شخص سے میں خریداری کرواؤں گا وہ میرے کلائنٹ اور فروخت کرنے والے سبھی کے ساتھ اسی طرز عمل کے مطابق چلے گا کہ بتائے بغیر زائد روپے اپنی جیب میں ڈالے گا۔ اب اس بازار سے میں کوئی پلاٹ خرید کر دیتا ہوں اور اپنا طے شدہ کمیشن خریدار سے لے لیتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اگر زائد از کمیشن والی بیع شرعاً درست نہیں تو اس میں میرا کمیشن وصول کرنا کیسا ہے؟ کیا اس بیع کے انعقاد میں میرا کردار تعاون علی الاثم والعدوان تو نہیں؟

③ اگر ایک شخص یہ اجازت دیتا ہے کہ میری چیز کے اتنے پیسے مجھے چاہئیں، اس سے اوپر ڈیلر رکھ سکتا ہے تو کیا اب یہ صورت جائز ہو جائے گی؟ کیا اجازت ضروری ہے یا ظن غالب کافی ہے کہ فلاں مالک مذکور چونکہ مارکیٹ کو جانتا ہے اس لیے اس معاملے کو بھی جانتا ہوگا لہٰذا ہم جو کرنے جا رہے ہیں اس کو بتانے کی ضرورت نہیں!

④ ایک صورت یہ بنتی ہے کہ جو ڈیلر خریدار کے ساتھ رابطے میں ہوتا ہے اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنے علاوہ دیگر درمیانی لوگوں کے لیے بھی خرچہ پانی نکال لے، اب وہ اس خرچہ پانی کے لیے اپنی پارٹی کو ایک مخصوص قیمت پر پلاٹ لینے کے لیے قائل کر لیتا ہے۔ یہ ''مزدوری'' ایک فیصد کا حصہ نہیں ہوتی جو اصولاً مقرر کردہ کمیشن ہے۔ اب اس صورت کا کیا حکم ہے؟ حسبِ سابق خریدار کو اس ''خرچہ پانی'' کا علم نہیں ہوتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

⑤ ایک سودے میں جبکہ ایک سے زیادہ ڈیلر حضرات اس میں شریک ہوں، شرعی لحاظ سے کمیشن کی تقسیم کیسے بنتی ہے؟ ہر ایک شخص الگ الگ ایک فیصد لے گا یا ایک فیصد میں سے تمام ڈیلروں پر تقسیم کیا جائے گا؟

⑥ اس قسم کے زائد از کمیشن سودوں میں اس حجت کے ساتھ ڈیل کروانے کا کیا حکم ہے کہ ہم دو ڈیلروں کے مابین ڈیل کروا رہے ہیں اور محض ایک فیصد لے رہے ہیں، جبکہ دونوں طرف ڈیلر ہوں اور وہ دونوں کمیشن سے زائد رقم مار رہے ہوں اور ہمیں بھی اسی رقم سے ایک حصہ دیں گے۔

⑦ ایک خیال یہ ہے کہ مارکیٹ کا اس وقت عرف یہی ہے اس لیے ایسا کرنا حرج کی بات نہیں ہے، یعنی ڈیلرز کا مالک کو بتائے بغیر زائد از کمیشن مارجن رکھ کر آگے بیچنا اور اسی طرح بیعانہ پر آگے فروخت کرنا یہ دونوں عرف کے تحت داخل ہیں۔ اب جو خریدار مارکیٹ میں آئے اس کو صورت حال کا علم حاصل کرنا خود اس کے ذمہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ صورتِ حال کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ڈیلر حضرات کے ان طور طریقوں کا عام ملازم پیشہ حضرات اور دیگر عوام کو عموماً علم نہیں ہوتا کیونکہ ان کی زندگی الگ میدان میں گزری ہوتی ہے اور وہ اعتماد کر کے کمیشن ایجنٹ کو اپنا کام سونپتے ہیں۔

⑧ بعض حضرات اپنی بل بک پر کمیشن دو فیصد لکھواتے ہیں جبکہ لوگوں کو عام مارکیٹ کے عرف میں ایک فیصد ہی کا علم ہے۔ ایسے میں کمیشن سے زائد پیسے رکھنا اور ان کو "دو فیصد" میں شمار کرنا کیسا ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

① مال کے مالک کو یہ کہنا کہ آپ کی چیز مثلاً 50 لاکھ میں فروخت ہوئی اور اس چیز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو 51/52 لاکھ میں بیچنا جھوٹ اور دھوکا ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ البتہ اگر مالک کو یہ بات واضح کر دی جائے کہ آپ کو 50 کے حساب سے قیمت مل جائے گی اور اس سے ایک فیصد ہمارا کمیشن ہوگا، اگر اس سے زائد قیمت پہ ہم بیچ لیں تو وہ زائد رقم بھی ہماری ہوگی، تو یہ جائز و درست ہے۔

② ایسی صورت میں یا تو رب المال کو اعتماد میں لیں کہ سودا کروانے والے جتنے بھی افراد ہوں گے انھوں نے اپنی مزدوری لینی ہے، لیکن وہ آپ سے نہیں، سودے کی قیمت بڑھا کر حاصل کر لیں گے، اور آپ کو آپ کی مطلوبہ رقم مل جائے گی یا پھر کسی دوسرے ڈیلر کو شامل کیے بغیر اسے خود ہی فروخت کرنے کی کوشش کریں اور اپنا کمیشن حاصل کر لیں۔ بصورتِ دیگر مالک کے ساتھ دھوکا اور غلط بیانی ہے جس کی شریعت میں گنجایش نہیں۔

③ یہ صورت جائز ہے اور اس میں صرف ظن غالب پہ اعتماد کی بجائے رب المال کو وضاحت کرنا ضروری ہے، کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ آپ یہ سمجھتے ہوں کہ مارکیٹ کے اس اصول کا رب المال کو علم ہے جبکہ اسے علم نہ ہو، یا علم ہو لیکن وہ آپ سے یہ امید لگائے بیٹھا ہو کہ یہ میرے ساتھ ایسا نہیں کرنے والے۔

④ یہ بھی غلط بیانی اور دھوکا ہی ہے! کیونکہ خریدار کو یہ باور کرایا جا رہا ہوتا ہے کہ مالک نے یہ چیز اس قیمت میں بیچی ہے جبکہ مالک اس سے کم قیمت پہ بیچ رہا ہوتا ہے، درمیان میں اضافی رقم ڈیلروں کی طرف سے بڑھائی گئی ہوتی ہے۔

⑤ جب ایک فیصد کمیشن طے ہے تو سبھی محنت کرنے والے اسی ایک فیصد میں اپنی محنت کے حساب سے حصہ دار ہوں گے۔

⑥ یہ بھی غرر (دھوکا) ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

⑦ بیع میں ڈیلر یہ بائع اور مشتری دونوں کے سامنے ساری بات واضح کر دینا ضروری ہے۔ وگرنہ یہ دھوکا شمار ہوگا۔

⑧ یہ بھی واضح غرر ہے۔

بیعانہ دے کر قبضے کے بغیر زمین آگے بیچنا:

سوال ڈیلر حضرات بیعانہ کر کے پلاٹ کو آگے فروخت کرتے ہیں۔ بیعانہ میں مالک ایک حد تک پابند تو ہوتا ہے لیکن زمین خریدنے والے کے نام نہیں کرتا جب تک مکمل ادائیگی نہ ہو جائے۔

① سوال یہ ہے کہ مروجہ بیعانہ کی حیثیت خود کیا ہے؟ یہ عقد بیع ہے یا خود بیع ہے؟ اور اگر مروجہ بیعانہ کر کے مالک یہ کہہ دے کہ پلاٹ فروخت ہو گیا ہے تو کیا شرعاً یہ فروخت معتبر تصور ہو گی؟

② آیا باقی اشیا کی طرح پلاٹ کو آگے فروخت کرتے وقت پلاٹ پر قبضہ لازم ہے؟

③ موجودہ نظام کے مطابق زمین پر قبضہ اس کا حق متصور ہوتا ہے جس کے نام زمین ہو، مکمل رقم کی ادائیگی کے بعد وہ نام کرواتا ہے۔

یہاں ڈیلر حضرات کی طرف سے اس بات کی کیا شرعی حیثیت ہے کہ بیعانہ کے بعد ہماری زبان ہو جاتی ہے اور ہم زمین کے نفع ونقصان دونوں کے ذمہ دار ہو جاتے ہیں؟ لہٰذا اس کو آگے فروخت کر سکتے ہیں، وغیرہ۔

④ اگر موجودہ بیعانہ میں قباحتیں موجود ہیں تو کون سی صورتیں ایسی ہیں کہ ہم شریعت کے مطابق یوں بیعانہ کریں کہ آگے فروخت بھی کر سکیں۔

⑤ یہ ذہن کیسا ہے کہ زمین کی مکمل قیمت موجود نہ ہو لیکن انسان بیعانہ پر کھیلنے کی کوشش کرے، یہ سوچ رکھتے ہوئے کہ اگر پلاٹ آگے نہ فروخت کر سکا تو بیعانہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈوب جائے گا، لیکن اگر کر دیا تو فائدہ ہی ہو گا۔ بہت سے لوگ اصل قیمت موجود نہ ہونے کے باوجود بیعانہ کر کے آگے فروخت کرتے ہیں اور درمیان کا منافع لے لیتے ہیں، ایسی صورت میں کیا حکم ہو گا؟ شرعی طور پر یہ جائز ہو گا؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

① مروجہ بیعانہ نہ بیع ہے اور نہ ہی عقدِ بیع، یہ بیع کی فقط ضمانت ہے کہ بیعانہ دینے والا فروخت کنندہ کو پابند کرتا ہے کہ یہ مال کسی اور کو نہیں بیچنا، میں ہی اسے خریدوں گا اور بطور ضمانت وہ کچھ رقم ادا کرتا ہے جس سے بائع ایک مقررہ مدت تک کسی اور سے سودا نہ کرنے اور مشتری خریدنے کا پابند ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ انعقادِ بیع کے لیے ایک ضمانت ہے لہٰذا بائع کا یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ یہ مال فروخت ہو چکا ہے کیونکہ اسکا یہ قول بیعانے والی شرط سے مشروط ہوتا ہے۔ ہاں اگر مالک بیعانہ لے کر یا بیعانہ لیے بغیر مختار عام دے دے تو پھر مشتری اس میں تصرف کا مکمل اختیار رکھتا ہے۔

② یقیناً بیع کے صحیح ہونے کے لیے چیز کا مالک وقابض ہونا لازم ہے۔ پلاٹ پہ قبضے کی مروجہ صورتوں میں سے کوئی بھی ہو اور پلاٹ ملکیت میں بھی ہو تو اسے آگے فروخت کیا جا سکتا ہے۔ یا پھر مالک کسی ڈیلر کو یا مشتری کو مختار عام دے دے کہ یہ پلاٹ اب آپ کا ہوا آپ جو مرضی کریں۔ مجھے اس کی اتنی قیمت ادا کر دیں، تب بھی اسے آگے فروخت کیا جا سکتا ہے۔

③ محض بیعانے کے بعد ڈیلرز زمین کے نفع ونقصان کے مالک نہیں بن جاتے اور نہ ہی اسے آگے فروخت کر سکتے ہیں، الا کہ مالک کی طرف سے مختار عام حاصل ہو جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

④ بیعانہ دے کر مالک کو اعتماد میں لیں اور اس سے مختار عام لکھوا لیں کہ اب ہم اس زمین میں تصرف کا اختیار رکھتے ہیں۔

⑤ یہ صورت جوئے کی ہی ایک قسم ہے۔

قرض پر معین نفع لینے کا حکم:

سوال میرے والد صاحب کا الیکٹرانکس کا کاروبار ہے۔ اس کاروبار میں والد صاحب کے ایک دوست نے 5 لاکھ روپے انویسٹ کیے اور معاہدے میں یہ بات لکھی گئی کہ میرے والد صاحب انویسٹمنٹ کرنے والے دوست کو ماہانہ 20 ہزار روپے کی قسط ادا کریں گے جو کُل انویسٹ کی گئی رقم کا 4 فی صد ماہانہ بنتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ کل رقم کا 80 فیصد منافع دیا جائے گا جس کے مطابق جب 9 لاکھ روپے کی ادائیگی مکمل ہوجائے گی تو دوست کی انویسٹمنٹ ختم ہوجائے گی۔

اس ایک انویسٹمنٹ کے علاوہ انہی شرائط پر 5، 5 لاکھ روپے کی 2 مزید انویسٹمنٹ کی گئی۔ ان پر بھی 20 ہزار روپے ماہانہ قسط طے پائی اور 5 لاکھ روپے پر 9 لاکھ روپے واپس کرنا طے پایا۔

جبکہ ایک انویسٹمنٹ انہی شرائط پر 10 لاکھ روپے کی کی گئی جس کی ماہانہ قسط 40 ہزار روپے طے پائی۔ اس میں بھی منافع کل رقم کا 80 فیصد طے پایا جس کے مطابق 10 لاکھ کی انویسٹمنٹ پر جب ٹوٹل 18 لاکھ کی ادائیگی ہو جائے گی تو انویسٹمنٹ ختم تصور کی جائے گی۔

اس کے بعد ایک مزید انویسٹمنٹ 10 لاکھ روپے کی کی گئی جس میں کل منافع اصل رقم کا 100 فیصد طے کیا گیا ماہانہ قسط 40 ہزار روپے طے کی گئی اور کل 50 اقساط یعنی 20 لاکھ روپے کی ادائیگی کے بعد انویسٹمنٹ کا ختم ہونا طے پایا گیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی کل ملا کر 35 لاکھ روپے کی رقم انویسٹ کی گئی اور یہ طے پایا کہ اصل رقم اور منافع ملا کر کل 65 لاکھ روپے واپس کیے جائیں گے۔ اس پورے معاہدے میں کاروبار کو ہونے والے نفع یا نقصان کا کوئی ذکر نہیں، محض انویسٹ کی گئی رقم پر فکس پرافٹ طے کیا گیا جو ماہانہ اقساط کی صورت میں ادا کرنا تھا۔

میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں:

① کیا ایسا معاہدہ کرنا شریعت کی رُو سے جائز و حلال ہے یا پھر یہ حرام یا سود کے زمرے میں آتا ہے؟

② اگر یہ سود کے زمرے میں آتا ہے تو کیا اس معاہدے کو جاری رکھنا چاہیے؟ والد صاحب اس معاہدے کی رو سے 35 لاکھ پر پہلے ہی تقریباً 48 لاکھ روپے کی ادائیگی کر چکے ہیں۔ جبکہ انویسٹ کرنے والے دوست کو جب بتایا گیا کہ یہ سود ہے تو ان کا کہنا تھا کہ اگر یہ سود ہے تو باقی کی رقم وہ نہیں لیں گے۔ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

① یہ معاہدہ شرعاً سود کے زمرے میں آتا ہے، کیونکہ یہ قرض کے عوض متعین نفع ہے جو قسط وار ادا کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ سودی معاملہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

② چونکہ یہ معاہدہ سودی ہے لہٰذا اسے فی الفور ختم کرنا ضروری ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَذَرُواْ مَا بَقِيَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓاْ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِن لَّمۡ تَفۡعَلُواْ فَأۡذَنُواْ بِحَرۡبٖ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦۖ وَإِن تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوسُ أَمۡوَٰلِكُمۡ لَا تَظۡلِمُونَ وَلَا تُظۡلَمُونَ ﴾

[البقرة: ٢٧٨۔٢٧٩]

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”اے اہلِ ایمان! اللہ سے ڈرو، اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان سن لو! اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لیے تمھارے راس المال ہیں۔ نہ تم ظلم کرو، نہ تم پہ ظلم کیا جائے۔“

هذا، والله تعالى أعلم، وعلمه اكمل وأتم.

کسی شے کو ملکیت میں لائے بغیر فروخت کرنے کا حکم:

سوال میرا ایک آن لائن سٹور ہے۔ یعنی مختلف مصنوعات آن لائن فروخت کرتا ہوں۔ کچھ مصنوعات کا سٹاک میرے پاس رکھا ہوتا ہے، جبکہ اکثر مصنوعات کی صرف تصاویر لگا کر ان کی قیمت اور کوالٹی وغیرہ کی تفصیل کا اشتہار دیا جاتا ہے اور آرڈر آنے پر گاہک کی مطلوبہ شے فیکٹری سے براہِ راست یا ہول سیل مارکیٹ سے خرید کر روانہ کر دیتا ہوں۔ اس طریقہ کار کے متعلق کیا رائے ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

نبی ﷺ نے اس چیز کو بیچنے سے منع کیا ہے جس پر قبضہ نہ ہو۔ اس سلسلے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تبع ما ليسَ عندَكَ» (ترمذي: 1232)

”جو چیز تمھارے پاس نہیں ہے اس کی بیع نہ کرو۔“

نبی ﷺ نے فرمایا:

«منِ ابتاع طعامًا فلا يبعْه حتى يستوفيَهُ» (صحيح البخارى: 2136)

”جو شخص غلہ خریدے تو جب تک اسے پورا وصول نہ کر لے اسے آگے فروخت نہ کرے۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

البتہ اس طرح کے معاملات میں شریعت کی طرف سے دو جائز صورتیں موجود ہیں:

① **وکالت:** یعنی جو اشیاء ملکیت و قبضہ میں نہیں ہیں، ان کے حوالے سے اپنے آپ کو مالک ظاہر نہ کریں، بلکہ بطور وکیل یا کمیشن ایجنٹ بن کر ان اشیاء کو فروخت کیا جائے۔

② **بیع سلف:** اس میں خرید و فروخت کے وقت چیز کا پاس موجود ہونا ضروری نہیں، بلکہ مطلوبہ شے کی کوالٹی، قیمت اور دیگر تفصیلات طے کر لی جائیں اور یہ بھی طے کر لیا جائے کہ فلاں وقت اور تاریخ کو آپ کو یہ چیز میسر کر دی جائے گی، تو یہ درست ہے۔ لیکن اس میں بھی بہر صورت چیز خریدار کو دینے سے پہلے اپنی ملکیت میں لانا ضروری ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر پہلی صورت پر ہی اکتفا کیا جائے۔

آن لائن خرید و فروخت میں یہ مسئلہ عام ہے کہ دکھایا کچھ جاتا ہے اور بیچا کچھ جاتا ہے۔ یعنی تشہیر اور تصویر میں دکھائی جانے والی چیز جب حقیقت میں گاہک کے پاس پہنچتی ہے تو وہ معیار اور کوالٹی کے لحاظ سے کم تر ہوتی ہے۔ یہ دھوکا دہی اور غلط بیانی کے زمرے میں آتا ہے جس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

هذا ما عندنا والله أعلم بالصواب

مالک کا زمین فروخت کرنے کے بعد سودا منسوخ کرنے کا حکم:

سوال ایک آدمی نے زمین کا سودا کیا، تین لاکھ نقد دیا اور کچھ پلاٹ وغیرہ دیکر پانچ ایکڑ زمین خریدی۔ اب بائع زیادہ قیمت ملنے پر کسی اور کو فروخت کرنا چاہتا ہے اور اس کو کہتا ہے کہ آپ چھ لاکھ لے لیں، کیا اس آدمی کے لیے ایسا کرنا درست ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

اگر زمین کا سودا ہو گیا ہے تو مشتری کو حق ہے کہ وہ اس پر قائم رہے اور بائع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے اس سودا کو منسوخ کرنے پر شرعی طور پر مجبور نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر مشتری اس سودا کو منسوخ کرنے پر رضا مند ہے تو اتنی ہی رقم واپس لے سکتا ہے، جتنی اس نے دی ہے، زیادہ رقم لینا جائز نہیں ہے۔ هذا ما عندنا والله أعلم بالصواب

اپنی جگہ سودی کاروبار کے لیے کرائے پر دینے کا حکم:

سوال ایک آدمی کی مارکیٹ ہے جو اس نے کرایہ پر دی ہوئی ہے اور اس میں مختلف لوگ کام کرتے ہیں، جیسے سودی کاروبار وغیرہ۔ تو کیا مالک سے اس کے بارے پوچھا جائے گا، مطلب وہ اس گناہ میں شریک ہوگا؟ اسی طرح جو آن لائن website پر کام کرتے ہیں جس میں سودی کاروبار کرنے والے بھی ہوتے ہیں اور website ان سے کرایہ لیتی ہے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ وضاحت فرما دیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

جب بھی کوئی آدمی کاروبار کرتا ہے تو اس کا مقصد صرف دولت اکٹھی کرنا نہ ہو، بلکہ اس کے اور بھی بہت سے تقاضے ہیں جن کو پورا کرنا مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ ان میں ایک اصول تو خود قرآن کریم نے بیان کیا ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [المائدة: ٢]

''ایک دوسرے سے تعاون کرو نیکی اور بھلائی کے کاموں میں، اور گناہ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔''

ایک آدمی جب مارکیٹ بناتا ہے تو صاف ظاہر ہے اس نے اپنی دکانوں کو کرائے پر بھی دینا ہے۔ لیکن وہ ایسے شخص کو دکان کرایہ پر نہ دے جس کا کام خالص

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

حرام یعنی صرف حرام پر ہی مشتمل ہو۔ مثال کے طور پر جوا خانے کے لیے یا شراب کی خرید و فروخت کے لیے، یا ایسا بینک جو سود کا کام کرتا ہے، ایسے لوگوں کو جگہ دینا صحیح نہیں ہے۔ صرف حرام کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ عام طور پر جو دکان دار، یا کریانہ وغیرہ والے، جن کی اکثریت اور غالب چیزیں جائز اور حلال ہوتی ہیں وہ اگر کچھ چیزیں ایسی رکھتے ہیں جو شریعت کی نظر میں صحیح نہیں ہیں، مثال کے طور پر سگریٹ، نسوار وغیرہ۔ ایسے لوگوں کو جگہ یا دکان وغیرہ دینے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ بعض نیک اور صالح مالکان ایسے لوگوں کو بھی دکان نہیں دیتے جو انتہائی قابلِ تحسین جذبہ ہے۔

لہٰذا کرائے پر دینے سے پہلے پوچھ لینا چاہیے اور جو لوگ صرف حرام کام کرنے کے لیے دکان، مکان لینا چاہتے ہیں، ان سے معذرت کر لینی چاہیے۔ صورتِ مسئولہ میں جو لوگ دکانوں پر بیٹھ کر سود کا یا کسی بھی قسم کا حرام کام کر رہے ہیں، ان کو وارننگ دی جائے، اگر وہ باز آ جائیں تو ٹھیک، ورنہ انھیں وہاں سے نکال دیا جائے اور اگر ایک خاص مدت کا معاہدہ اور ایگریمنٹ کی پابندی کا مسئلہ ہو تو اس کے ختم ہوتے ہی ان کو اٹھا دیا جائے۔ اگر مارکیٹ مالکان صرف پیسہ بنانے کے لیے خاموش رہیں تو وہ اس حرام کام کے گناہ میں برابر کے شریک ہوں گے۔

بلکہ صحابہ کرام سے تو یہاں تک ثابت ہے کہ وہ حرام کاری کے اڈوں کو جلا دیتے تھے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے رُوَیشِد ثقفی ایک شخص کے گھر کو جلا دیا تھا کیونکہ وہ اس میں شراب بیچا کرتا تھا۔ (مصنف عبد الرزاق: 17039)

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے انھوں نے ایک بستی کو جلوا دیا تھا جس میں شراب بیچی جاتی تھی۔ (الأموال لأبي عبيد: ص: 47، رقم: 268، والحسبة لابن تيمية، ص: 54)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہرصورت ایسی جگہوں کی توڑ پھوڑ کرنا یا جلانا تو مقتدر اداروں کی ذمہ داری ہے، البتہ ہم اپنی جگہ، دکان، مکان سے ایسے لوگوں کو نکال ہی سکتے ہیں۔

جہاں تک ویب سائٹ کا مسئلہ ہے تو اس کا حکم بھی سابقہ ہی ہے جو اچھے یا جائز کام کرنے والے ہیں، انھیں اس میں کام کرنے کی اجازت دینی چاہیے اور جو برے، گندے یا حرام کام، یا سودی، اور جوئے بازی جیسے کام، یا حرام و ناجائز کاروبار یا خرید وفروخت کرنا چاہتے ہیں، ان کو ایسے کاموں کی قطعاً اجازت نہیں دینی چاہیے۔ اگر وہ پہلے سے موجود ہیں تو معلوم ہونے پر ان کو وارننگ دی جائے، پھر بھی باز نہ آئیں تو ان کی آئی ڈی بلاک کی جائے، اکاؤنٹ ڈیلیٹ کیا جائے اور ان کی رجسٹریشن معطل کی جائے، ورنہ ویب سائٹ مالکان اس گناہ میں شریک ہوں گے اور اس گناہ کے وبال کے مستحق ٹھہریں گے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

بنانس کمپنی میں کام کرنے کا حکم:

سوال ایک کمپنی ہے جس کا نام بنانس ہے، طریقہ کار یہ ہے کہ اس کمپنی میں پانچ ہزار پاکستانی روپے جمع کروانے ہوتے ہیں، کم از کم پانچ ہزار سے شروع ہوتا ہے، رات نو بجے کے بعد اگر آپ ان کی ایپ اوپن کریں گے تو انھوں نے اس ایپ میں لنکس وغیرہ دیے ہوتے ہیں، آپ ان لنکس کو کلک کریں گے تو آپ کو پیسے ملیں گے۔ جتنے زیادہ پیسے کوئی رکھتا ہے اس کو اتنے زیادہ پیسے ملتے ہیں، مثلاً: اگر سو ڈالر کسی نے رکھے ہیں تو لنکس کلک کرنے پر اس کو پوائنٹس ملیں گے، اور وہ پوائنٹس سو ڈالر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کیا اگر کوئی ایسا کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

سوال میں ذکر کردہ کمپنی سے متعلق ہم نے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، متعدد افراد سے رابطے کے بعد ہمیں اس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ یہ ایک مارکیٹنگ کمپنی ہے جو مختلف اداروں سے ان کی سروسز اور پراڈکٹس وغیرہ کی تشہیر کے لیے معاہدہ کرتی ہے، جس کا باقاعدہ معاوضہ طے ہوتا ہے۔ اسی کمپنی نے ایک ایپ بنائی ہوئی ہے جس پر صارفین رجسٹریشن کرتے ہیں، تاکہ اس کمپنی کی حاصل کردہ ایڈز (اشتہارات) دیکھ کر پیسے کما سکیں اور اس ایپ کی یہ رکنیت فری نہیں ہوتی، بلکہ پیسوں کے عوض ہوتی ہے، آپ جتنے پیسے ادا کریں گے، اسی قدر ایڈز (اشتہارات) تک آپ کو رسائی مل جاتی ہے۔

گویا کہ آپ ان کی ایپ تک پہنچنے کا معاوضہ ادا کرتے ہیں، پھر وہ آپ کو ان اداروں کے لنکس بھیجتے ہیں جن اداروں کا ان سے معاہدہ ہوتا ہے، پھر وہ لنکس آپ کھولتے ہیں تو وہ اشتہار کی شکل میں سامنے آتے ہیں، ان کو باقاعدہ دیکھنے سے ان کی شہرت ہوتی ہے، پھر وہ کمپنی ان سے اس بات کا معاوضہ لیتی ہے اور معاوضہ میں سے کچھ وہ اس کسٹمر (صارف) کو دیتی ہے جس نے پانچ ہزار یا دس ہزار کم و بیش رکھ کر اس ایپ میں رکنیت حاصل کی ہوتی ہے۔

یہ جائز ہے، بشرطیکہ یہ تشہیری مہم جائز اور مباح کاموں کے لیے ہو، جیسا کہ کسی تعلیمی ادارے اور ہسپتال وغیرہ کی مارکیٹنگ۔ لیکن اگر یہ اشتہارات ناجائز چیزوں کی تشہیر، یا فحش و حیاباختہ مواد، اور گانے بجانے پر مشتمل ہوں، تو انھیں دیکھنا قطعاً ناجائز ہے اور اس سے حاصل کردہ کمائی بھی حرام ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امازون کمپنی کے ساتھ کام کرنے کا حکم:

سوال چائنہ کی ایک کمپنی ہے جو امازون پر بزنس کرتی ہے۔ وہ کمپنی امازون پر کاروبار کرنے والے سے رابطہ کرتی ہے اور آفر کرتی ہے کہ ہم آپ کے 100 آرڈر پورے کریں گے، آپ کو ریویوز ملیں گے، آپ کا اکاونٹ رینکنگ میں آ جائے گا، اس پر وہ اپنی فیس طے کر لیتے ہیں۔ پھر اس کمپنی نے بھی اس کام کے لیے آگے لوگ رکھے ہوئے ہیں جو اس کمپنی کی طرف سے امازون پر فروخت کرنے والوں کے لیے آرڈرز وغیرہ کی تکمیل میں مدد کرتے ہیں۔ مثلاً اس کمپنی کی ویب سائٹ پر میں نے رجسٹر کیا ہے اور میرے اکاؤنٹ میں 200 ڈالر موجود ہیں، اور مجھے 150 ڈالر کا آرڈر آ جاتا ہے، تو میں اسے مکمل کر دیتا ہوں، اس سے اس امازون اکاؤنٹ کے لیے جتنے آرڈرز نوٹ ہوتے ہیں اس کو اتنا ہی فائدہ ہوتا ہے اور اس کی رینکنگ وغیرہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

جونہی آرڈر مکمل ہو جاتا ہے، پانچ سیکنڈ بعد وہ ہماری رقم ہمیں واپس کر دیتے ہیں اور ساتھ کمیشن بھی دیتے ہیں کہ ہم ان کے لیے فائدے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جس سے ان کے حقیقی کسٹمرز میں اضافہ ہوتا ہے۔ پوچھنا تھا کہ یہ کام اگر کیا جائے ٹھیک ہے کہ نہیں؟ www.kitabosunnat.com

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

ہم جو سمجھ سکیں ہیں، اس کے مطابق یہ ایک مصنوعی کام، بلکہ دھوکا دہی ہے، خرید و فروخت ہوتی نہیں، بلکہ ظاہر کی جاتی ہے، تاکہ رینکنگ وغیرہ میں اضافہ ہو۔ اس قسم کی دھوکا دہی کے کام میں تعاون کرنا یا اس کا حصہ بننا، یا کمیشن وغیرہ لینا درست نہیں ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ویدک ایور کیور (ای سٹور انڈیا) کے ساتھ کاروبار کرنے کا حکم:

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین، ہم ایک کمپنی کے ساتھ کاروبار کرنا چاہتے ہیں۔ کمپنی کا نام ویدک ایور کیور (ای اسٹور انڈیا) ہے۔ اس کے کچھ پیکیجز ہیں: (1) 2990 کا۔ (2) 8991 کا۔

① اس پیکیج میں کمپنی ہم کو 100/، 100 روپے کے تیس ڈسکاؤنٹ کوپن دیتی ہے جس کے ذریعے ہم گھر کی روزمرہ کی اشیاء جیسے: چاول، گھی، چینی، وغیرہ خرید سکتے ہیں۔ ان چیزوں پر کمپنی ہمیں ڈسکاؤنٹ دیتی ہے۔ اس کے علاوہ کمپنی ہم کو ماسک، ٹی شرٹ، کیپ، وغیرہ بھی دیتی ہے۔ یہ ساری چیزیں ہماری ملکیت ہوتی ہیں اور ان مذکورہ چیزوں پر کمپنی کا لوگو یا مونوگرام چھپا ہوا ہوتا ہے۔ ہم جب بھی ان چیزوں کو استعمال کرتے ہیں تو کمپنی کی تشہیر ہوتی ہے۔ اس پر بھی کمپنی ہمیں کچھ نہ کچھ معاوضہ دیتی ہے۔

② 8991 والا پیکیج جس میں کمپنی ہمیں 900 روپے کے آیور ویدک پروڈکٹس دیتی ہے اور 100، 100 روپے کے 90 ڈسکاؤنٹ کوپن دیتی ہے۔ اس کے علاوہ کمپنی اپنی تشہیر کے لیے ایک بورڈ دیتی ہے۔ اس بورڈ کو ہمارے گھر یا باہر دروازے کے ساتھ نمایاں جگہ پر لگانا ہوتا ہے اور اس لگانے پر ان کی تشہیر ہوتی ہے۔ اس پر بھی وہ معاوضہ دیتے ہیں۔ کیا یہ معاوضہ لینا درست ہے یا نہیں ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

سوال میں کمپنی کے ساتھ دو طرح کے معاملات کا ذکر کیا گیا ہے، ایک تو اشیاء خریدنے پر ڈسکاؤنٹ، دوسرا کمپنی کی تشہیر کرنے پر معاوضہ۔ اگر خرید و فروخت حلال اشیاء کی ہے، اسی طرح تشہیر کرتے ہوئے خواتین کی تصاویر، بے پردگی، جھوٹ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دغا بازی جیسے محظورات وممنوعات نہیں ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ڈسکاؤنٹ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے اور تشہیر کے عوض رقم بھی لی جا سکتی ہے۔

ای سٹور انڈیا کے بعض اعلانات میں خواتین کی تصاویر دیکھنے میں آئی ہیں، ایسا اشتہار لگانا جائز نہیں، لگاتے ہوئے کم ازکم اس تصویر کو مٹا دینا چاہیے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حلال وحرام

جی پی فنڈ کی شرعی حیثیت:

سوال مجھے جی پی فنڈ کے متعلق درست راہنمائی چاہیے۔ (ڈاکٹر محمد اکرم)

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

جی پی جنرل پراویڈنٹ فنڈ کا مخفف ہے۔ جس کا معنی عمومی بچت فنڈ ہے۔ یہ حکومت کی بظاہر رفاہی سکیم ہے جو اپنے ملازمین کو فراہم کرتی ہے۔ اس کا باقاعدہ ایک طریق کار ہے جس کی وضاحت کچھ یوں ہے:

- جو ملازمین اس سکیم میں شامل ہونا چاہیں حکومت متعلقہ محکمہ کی وساطت سے انھیں وہ فارم فراہم کرتی ہے۔ ایک فارم پر ملازم کے کوائف ہوتے ہیں، جب کہ دوسرا نامزدگی کا ہوتا ہے کہ ملازمت کے دوران جس ملازم کے مرنے یا کسی حادثہ کا شکار ہونے کی صورت میں یہ واجبات کون وصول کرے گا۔
- فارم پُر کرنے کے بعد آفس کی طرف سے ملازم کے لیے ایک نمبر الاٹ ہوتا ہے جسے اکاؤنٹ نمبر کہا جاتا ہے۔ آئندہ ملازم سے متعلقہ رقوم کا حساب اسی نمبر کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔
- تنخواہ کے سکیل کے لحاظ سے ملازم کی تنخواہ سے ہر ماہ کٹوتی ہوتی ہے جو بینک میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ حکومت کے اس کے متعلق جو ضوابط ہیں ہمیں تلاش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسیار کے باوجود کوئی ایسا ضابطہ نہیں ملا جس کی رو سے یہ کٹوتی ضروری ہو البتہ عملاً ایسا ضروری ہے بصورتِ دیگر ملازم کو کچھ مراعات سے محروم ہونا پڑتا ہے یا کم از کم ہر ماہ تنخواہ کی ادائیگی ناممکن نہیں البتہ مشکل ہو جاتی ہے۔

- فارم کے خانہ نمبر 14 کے مطابق ملازم کو اختیار ہوتا ہے کہ فراغت کے وقت وہ اصل کٹوتی لے گا یا اس کے ساتھ فراہم ہونے والا سود بھی وصول کرے گا۔
- اگر ملازم مجوزہ کٹوتی سے زیادہ رقم جمع کرانا چاہے تو اس کی سہولت دی جاتی ہے، لیکن اس کے لیے محکمہ کو الگ درخواست دینا ہوگی۔
- اگر ملازم کی سروس دس سال سے کم ہے تو وہ صرف جی پی فنڈ لینے کا مجاز ہے۔ اگر دس سال سے زائد سروس ہے تو دیگر مراعات (پنشن گریجویٹی) کا حق دار ہوگا۔
- ملازم کو یہ سہولت دی جاتی ہے کہ وہ دورانِ سروس کسی ہنگامی ضرورت کے پیشِ نظر 80 فیصد جی پی فنڈ لے سکتا ہے۔ اس کے بعد اگر سروس تین سال یا عمر 55 سال ہے تو یہ فنڈ ناقابل واپسی ہے، بصورتِ دیگر اسے چھتیس اقساط میں ماہ بہ ماہ اپنی تنخواہ سے محکمہ کو واپس کرنا ہوگا۔ اصل کٹوتی بدستور جاری رہے گی۔
- اس فنڈ کا ملازم کی پنشن یا گریجویٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ملازم کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی پنشن کا 40 فیصد یکمشت وصول کر لے جسے گریجوٹی کہا جاتا ہے اور باقی 60% ماہ بہ ماہ وصول کرتا رہے۔ یا یکمشت لینے کی بجائے وہ ماہ بہ ماہ وصول کرے۔ اس صورت میں پنشن کی مقدار زیادہ ہوگی۔
- اس کٹوتی پر ملنے والے سود کی شرح متعین نہیں ہوتی۔ بلکہ 15 فیصد سے 20 فیصد کے درمیان رہتی ہے البتہ جتنا سود ہوتا ہے اس پر مزید حکومت 30 فیصد کے حساب سے بونس جمع کرتی ہے۔ آئندہ سال کٹوتی + سود + بونس کی مجموعی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رقم پر سود لگایا جاتا ہے۔ یعنی یہ سود مرکب کی ایک صورت ہے۔

- چند سالوں بعد اس کٹوتی کی رقم میں حیران کن اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ اضافہ ایسی برق رفتاری سے ہوتا ہے کہ اصل کٹوتی سے سود کہیں زیادہ ہو جاتا ہے۔

واضح رہے کہ دس سال کی کٹوتی 6000 روپے ہے جبکہ جی پی فنڈ دس سال میں 264186 روپے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل کٹوتی میں 204186 روپے سود کے ہیں۔ دیکھیں آپ کہ سود کس رفتار سے بڑھ رہا ہے۔ یہ تو دس سالہ سروس کے اعداد وشمار ہیں۔ بعض اوقات ملازمین کی سروس بیس اور پچیس سال بھی ہو جاتی ہے۔ کچھ ملازمین یہ کہتے ہیں کہ سود کے علاوہ حکومت کچھ اس میں اپنی طرف سے رقم شامل کرتی ہے، حالانکہ یہ مفروضہ صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ سود مرکب کا کرشمہ ہے۔

- ڈسٹرکٹ اکاؤنٹس آفس اس بات کا پابند ہے کہ وہ سال کے اختتام پر ملازم کو ایک سلپ جاری کرے جس میں اصل کٹوتی، سود اور بونس کی وضاحت ہو لیکن وہ ہجومِ مشاغل کا بہانہ بنا کر ایسا نہیں کرتا۔ اگر ملازم ہر سال یا فراغت کے وقت کے لیے درخواست دے تو محکمہ کی طرف سے یہ اعداد وشمار فراہم کر دیے جاتے ہیں۔

- اس جمع شدہ فنڈ پر ہر سال زکات بھی کاٹی جاتی ہے۔ لیکن اس زکات کی شرعی حیثیت انتہائی مخدوش ہے۔ بینک کے سیونگ اکاؤنٹس میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے، لہٰذا بینک میں جمع شدہ رقم کی از خود زکات دینا چاہیے۔

جی پی فنڈ کے متعلق یہ وہ تفصیلات تھیں جو ہم نے متعلقہ اشخاص سے حاصل کیں۔ اب ہم اس کی شرعی حیثیت کو بیان کرتے ہیں۔

- یہ بات تو واضح ہے کہ جی پی فنڈ میں اصل کٹوتی سے جو زائد رقم دی جاتی ہے وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سود ہے۔ چنانچہ خود گورنمنٹ اس کی معترف ہے، جیسا کہ اس کے متعلقہ فارم کے خانہ نمبر 14 میں ہے:

''کیا ملازم اپنی تمام جمع شدہ رقم پر سود کا خواہش مند ہے یا نہیں؟''

اور سود کو قرآن مجید میں بڑی صراحت اور شدت کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور سود خوروں کے متعلق جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سود کا وجود روحِ اسلام کے بالکل منافی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

''جو لوگ سود کھاتے ہیں، نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنا دے۔'' [البقرة: ٢٧٥]

قرآن مجید میں جا بجا بُرے افعال اور گندے کردار کی مذمت کی گئی ہے اور اہلِ ایمان کو اس سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے کہ وہ اخلاقی بُرائیوں میں ملوث ہوں یا گناہوں اور بدکاری کی زندگی بسر کریں۔ اسی طرح جو لوگ اللہ کی قائم کردہ حدوں کو توڑیں انھیں بھی شدید ترین عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ لیکن قرآن مجید نے کفر اور شرک کے بعد جس شدت سے سودی لین دین کی مذمت کی ہے، اس کی مثال کسی اور بُرائی کے ضمن میں نہیں ملتی۔ چنانچہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

''اگر کوئی آدمی ایک مرتبہ دانستہ طور پر ایک درہم سود کھائے تو وہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔'' (دارقطني: 16/3)

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس قوم میں سود خوری عام ہو جائے انھیں اللہ کی طرف سے قحط سالی میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ اور جو قوم رشوت ستانی میں گرفتار ہو اس پر اغیار کا رعب اور دبدبہ مسلط کر دیا جاتا ہے۔'' (مسند إمام أحمد: 205/4)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک حدیث میں ہے:

''عرب کے قبیلہ بنو مغیرہ کے لوگ سود پر لوگوں کو قرض دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ان کا پورا سود منسوخ کر دیا اور مکہ میں اپنے عامل کو ہدایت کی کہ اگر یہ لوگ سودی یعنی دین سے باز نہ آئیں تو ان کے خلاف جنگ کر کے انھیں اس قبیح فعل سے روک دیا جائے۔''

خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو دورِ جاہلیت کے بہت بڑے مہاجن اور سود لے کر لوگوں کو قرض دیا کرتے تھے، ان کے متعلق بھی حجۃ الوداع میں صاف صاف اعلان کر دیا: ''دورِ جاہلیت کا پورا سود کالعدم ہو گیا ہے اور سب سے پہلے میں اس سود کو منسوخ ٹھہراتا ہوں جو میرے چچا عباس بن عبدالمطلب کا لوگوں کی طرف نکلتا ہے۔'' (مسند إمام أحمد: 73/5)

مزید برآں رسول اللہ ﷺ نے سود کے متعلق اپنے اندیشے کا بایں الفاظ اظہار فرمایا:

''مجھے تمھارے متعلق سب سے زیادہ جس خطرناک کردار کا اندیشہ ہے وہ سود خوری ہے۔'' (مسند إمام أحمد: 73/5)

سود خوری ایک ایسا سنگین جرم ہے کہ اس کی زد میں نہ صرف کھانے والا بلکہ کھلانے والا، لکھنے والا اور گواہی دینے والا بھی آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو ملعون قرار دیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے، کھلانے اور گواہی دینے والے پر لعنت کی ہے اور فرمایا: ''یہ سب لعنت میں برابر ہیں۔'' (صحیح بخاری: کتاب البیوع)

بعض روایات میں رسول اللہ ﷺ نے اس جرم کو بایں الفاظ بیان فرمایا:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

”سود کے ستر حصے ہیں۔ ان میں سے کم تر حصہ اپنی حقیقی ماں سے جماع کرنا ہے۔“ (ابن ماجه)

اگر چہ اس کی سند میں ابو معشر نجیح بن عبدالرحمان راوی ضعیف ہے۔ تاہم دیگر شواہد کی وجہ سے علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(صحیح ابن ماجه: 27/2)

اب تک قابلِ غور بات یہ ہے کہ ملازم کو جو سودی رقم ملتی ہے اس کا مالک کون ہے؟ ملازم تو اس کا مالک نہیں، کیونکہ یہ تو اسی رقم کا مالک ہے جو ماہ بہ ماہ اس کی تنخواہ سے کٹوتی کی صورت میں جمع ہوتی رہی اور جو زائد رقم سود کی شکل میں ہے ملازم اس کا قطعاً مالک نہیں ہے۔ اصل رقم کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”اگر تم توبہ کرو تو تمھارے لیے تمھارا اصل مال ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔“ [البقرة: ٢٧٩]

سودی رقم کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود سے باقی رہ گیا ہے اگر تم مومن ہو تو اسے چھوڑ دو۔“ [البقرة: ٢٧٨]

اگر اس رقم کی وصولی پر اصرار ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ جنگ قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ [البقرة: ٢٧٩]

ان قرآنی آیات اور احادیث کا خلاصہ یہ ہے:

☆ سود مطلق طور پر حرام ہے، اس کے متعلق کوئی استثنائی صورت نہیں ہے۔

☆ سود وصول کرنے والا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

☆ سود لینا اپنے ایمان کو خیر باد کہہ دینے کے مترادف ہے۔

☆ سودخوری رسول اللہ ﷺ کی لعنت اور پھٹکار کا باعث ہے۔

☆ سود کا ایک ایک روپیہ چھتیس چھتیس دفعہ زنا کے برابر ہے۔

☆ سود کا استعمال گویا اپنی ماں سے زنا کرنا ہے۔

☆ سود لینے سے اللہ تعالیٰ کا عذاب قحط سالی کی صورت میں آتا ہے۔

ایسے حالات میں کیا ایک غیرت مند صاحبِ ایمان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی اصل رقم کے ساتھ سودی رقم کو بھی وصول کرے گا؟ اگرچہ ایسے موقع پر انسان کا امتحان ہوتا ہے کہ ایک طرف تھوڑی سی رقم اور دوسری طرف ڈھیروں مال ہے لیکن جس شخص کو اپنے ایمان کی فکر ہے وہ اس گندگی کے ڈھیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''ان سے کہہ دیجیے کہ پاک اور ناپاک یکساں نہیں ہیں۔ خواہ ناپاک کی کثرت تمھیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو۔'' [المائدۃ: ۱۰۰]

اس آیت پر غور کرنے سے قدر و قیمت کا ایک دوسرا معیار سامنے آتا ہے جو ظاہر بین اور دنیا پرست انسان کے معیار سے بالکل مختلف ہے۔ بظاہر اصل کٹوتی کے مقابلے میں سودی رقم زیادہ قیمتی ہے، لیکن آیت میں بیان کردہ معیار کے مطابق یہ سودی رقم ناپاک ہے اور ملازم کی اصل کٹوتی پاک ہے۔ ناپاک خواہ مقدار میں کتنا ہی زیادہ ہو، بہرحال وہ پاک کے برابر کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ سودی رقم مقدار میں زیادہ ہے۔ معیار میں اعلیٰ نہیں ہے۔ اصل کٹوتی مقدار میں بہت کم ہے لیکن معیار کے لحاظ سے بہت برتر ہے۔ یہ تو ہمارے مشاہدے کی بات ہے کہ غلاظت کے ایک ڈھیر سے عطر کا ایک قطرہ زیادہ قدر رکھتا ہے۔ پیشاب کے ایک لبریز جوہڑ سے پانی کا ایک چلو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادہ وزنی ہے۔ لٰہذا ایک دانا اور ایک سچے صاحبِ ایمان کو حلال پر ہی قناعت کرنا چاہیے خواہ وہ کتنا ہی حقیر اور قلیل ہو اور حرام کی طرف کسی حال میں بھی ہاتھ نہیں بڑھانا چاہیے خواہ وہ بظاہر کتنا ہی زیادہ اور شاندار ہو۔

اللہ تعالیٰ کا قانونِ فطرت یہی ہے کہ سود اخلاقی روحانی اور تمدنی ترقی میں نہ صرف رکاوٹ بنتا ہے، بلکہ تنزلی کا باعث ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹا دیتا ہے اور صدقات کو نشو ونما دیتا ہے۔''

یہ ایک حقیقت ہے کہ سود کا انجام غربت اور ذلت و رسوائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''سود کی مقدار خواہ کتنی زیادہ ہو، آخر یہ غربت اور افلاس کی طرف لے جاتا ہے۔'' (مسند إمام أحمد: 395/1)

ان حقائق کے پیشِ نظر ہمارا یہ موقف ہے کہ سودی رقم کو کسی صورت میں نہ وصول کیا جائے۔ سود خوروں کے گھر صاف رکھنے کے لیے اپنے گھر کو اس گندگی سے ملوث کرنا کوئی دانش مندانہ بات نہیں۔ قرآن و حدیث میں سود کے متعلق کسی قسم کا استثناء نہیں ہے۔ اس کے متعلق خود استثنائی صورتیں پیدا کر لینا شریعت سازی ہے جس کے ہم مجاز نہیں ہیں۔ سود کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہماری ذمہ داری یہ بیان کی ہے کہ ہم اسے وصول ہی نہ کریں۔ حرام خوروں کے لیے یہ حرام چھوڑ دیا جائے۔

عذر ہائے لنگ:

اصل کٹوتی کے ساتھ سودی رقم لینے کے لیے کچھ مجبوریاں اور مصلحتیں بیان کی جاتی ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے:

- ملازم کی مرضی کے بغیر ماہ بماہ تنخواہ سے کٹوتی ہوتی رہی۔ جب یہ کٹوتی شروع ہوئی تھی اس وقت روپے کی مالیت اور موجودہ مالیت میں بہت تفاوت ہے، لٰہذا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس نقصان کی تلافی کے لیے سودی رقم لینے میں کیا حرج ہے؟

- ملازم کو جی پی فنڈ حاصل کرنے کے لیے دفتری عملے کو کچھ نہ کچھ دینا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ سودی رقم لے کر دفتری عملے کو دے دی جائے تاکہ ''مال حرام بود جائے حرام رفت'' کا مصداق بن جائے۔
- سودی رقم لے کر خود استعمال نہ کرے بلکہ ثواب کی نیت کیے بغیر کسی لاچار یا غیر مسلم کو دے دی جائے بصورتِ دیگر دفتری عملہ اس رقم کو ہڑپ کر جائے گا۔
- سود وہ ہوتا ہے جو فریقین کی رضا مندی سے طے ہو۔ اس ''سودی رقم'' میں ملازم کی رضا مندی شامل نہیں ہے اور نہ ہی اس کے ارادہ و اختیار کو دخل ہے، لہٰذا اس رقم کو اپنے استعمال میں لایا جاسکتا ہے وغیرہ۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلامی نظامِ عدل کے منافی جو دھاندلیاں ہم نے سینے سے لگا رکھی ہیں، وہ ''خود ساختہ بہانوں'' کے سہارے لگا رکھی ہیں۔ ورنہ درحقیقت وہ شرعی معذرتیں نہیں ہیں۔ بلکہ عذر ہائے لنگ ہیں جسے ہم ''خوئے بد را بہانہ بسیار'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

دورِ حاضر میں ''مجبوری'' ایک ایسی مکروہ کیفیت کا نام رہ گیا ہے جس کا اسلام میں کوئی قطعاً وجود نہیں ہے۔ وقت اور حالات کو بدلنے کے بجائے ہم نے ایسی معذرتوں سے سازگاری پیدا کر لی ہے جس کے بعد مجبوری مجبوری نہیں رہتی، بلکہ معصیت اور مجرمانہ غفلت بن جاتی ہے۔ لہٰذا ایسی مجبوریوں کے سہارے جو بھی خلافِ شرع کام کیا جائے گا اسے شرعی معذرت کے نام پر حلال یا جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مجبوریاں ناسازگار حالات اور نامساعد ظروف کا حاصل ہوتی ہیں۔ جو لوگ ناسازگار فضاؤں کو بدلنے کے لیے اپنے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، اسلام میں ایسے افراد کی معذرتوں کو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

274

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۶

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حقیقت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بکری جو حلال جانور ہے اور سال میں ایک یا دو دفعہ بچے جنم دیتی ہے، جبکہ ہزاروں کی تعداد میں روزانہ ان کو ذبح کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود باہر میدانوں میں ان کے ریوڑ چرتے نظر آتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں کتیا چھ ماہ بعد کئی بچے جنم دیتی ہے اور حرام ہونے کی وجہ سے اسے کوئی ذبح بھی نہیں کرتا، لیکن کتوں کے کبھی میدانی علاقوں میں ریوڑ نظر نہیں آتے۔ اب حیلوں کے متعلق گزارشات پیشِ خدمت ہیں: www.kitabosunnat.com

❁ نقد کی مالیت کا اتار چڑھاؤ ہر دور میں رہا ہے۔ لیکن یہ مادہ پرستانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ اسے بنیاد بنا کر سود کو جائز قرار دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا سود ختم کیا تھا تو کیا آپ نے اس کی مالیت کے نشیب وفراز کی وجہ سے ہونے والے نقصان کی تلافی کی تھی؟ پھر کیا مالیت کے فرق سے سودی رقم اصل کٹوتی سے چار گنا زیادہ ہوسکتی ہے؟

❁ جب یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ سودی رقم ملازم کی نہیں بلکہ اس کی رقم صرف اصل کٹوتی ہے۔ تو پھر کیا دفتری عملے کو رشوت دینے کے لیے دوسروں کی دولت پر شبخون مارنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ اگر اپنی رقم کے لینے کے لیے رشوت دینا ضروری ہو تو اس کا کوئی اور حل سوچیں نہ کہ اس مال سے دیں جو آپ کا نہیں ہے۔

❁ ہمارے نزدیک یہ سودی رقم وصول کرنا ہی جرم ہے۔ کیوں کہ صریح نصِ قرآنی کے خلاف ہے۔ قرآن کی خلاف ورزی کر کے اسے وصول کرنا پھر ثواب کی نیت کے بغیر کسی کو دینا اسے ﴿ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ﴾ [النور: ٤٠] سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

❁ جب ملازم جی پی فنڈ کا فارم پر کرتا ہے تو خانہ نمبر 14 اپنی رضا مندی کا اظہار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں کرتا تو بھی اس رقم کے سود ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بہرحال اصل کٹوتی کے علاوہ دوسری رقم ہے تو سود ہے جسے کسی صورت میں لینا جائز نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ رقم جو ملازم کے کھاتے میں پڑی ہے، اس کا مصرف کیا ہو؟ اس کی ذمہ داری ملازم پر نہیں ہے کہ وہ اس کے متعلق دردسر اپنے ذمہ لے۔ وہ خود بخود جہاں سے آئی تھی وہاں پہنچ جائے گی۔ آخر بینک میں سروس چارجز ایک کھاتہ ہوتا ہے اس کھاتہ میں جمع شدہ رقم تحلیل ہوتے ہوئے ختم ہو جاتی ہے۔ پس چہ باید کرد؟

ہمیں مختلف احباب کی طرف سے زمینی حقائق پر نظر رکھنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اگر اس سے مراد باطل سے سمجھوتا کرنا ہے تو ایسا کرنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ تاہم ہمارے نزدیک اس کا حل یہ ہے کہ محکمہ جب اپنے ملازم کا جی پی فنڈ کا کھاتہ بناتا ہے تو اسے ایک فارم مہیا کیا جاتا ہے اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کٹوتی کی جمع شدہ رقم پر سود لینا چاہتا ہے یا نہیں؟ اگر ملازم لکھوا دے کہ میں سود نہیں لینا چاہتا تو اس کی جمع شدہ رقم پر سود نہیں لگایا جاتا۔ اگر اس کے باوجود اس کی کٹوتی میں سود شامل کر دیا گیا ہے تو ایک سادہ کاغذ پر درخواست دے کر اپنی جمع شدہ رقم پر سودی اضافہ ختم کرایا جا سکتا ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق بعض احباب نے ایسا کیا ہے اور انھیں صرف اصل کٹوتی ہی کی رقم ملی ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ فارم کے خانہ نمبر 14 کے مندرجات کا بغور مطالعہ کریں۔ جی پی فنڈ کے متعلق ہماری آخری گزارش یہ ہے کہ صرف اپنی اصل کٹوتی پر اکتفا کیا جائے، سود وغیرہ لینے کا لالچ نہ کرے، کیوں کہ اس کے متعلق قرآن وحدیث میں بہت سخت وعید آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا)) (صحيح البخاري: 100، صحيح مسلم: 2673)

''اللہ تعالیٰ اس طرح علم نہ اٹھائے گا کہ لوگوں کے دلوں سے چھین لے، بلکہ علماء کو اٹھائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے، جن سے لوگ سوال کریں گے اور وہ بغیر علم جواب دیں گے، یوں خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا:

((وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ، وَيْلٌ لَهُ وَيْلٌ لَهُ)) (سنن أبي داود: 4990)

''ہلاکت ہے اس کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، ہلاکت ہے، ہلاکت ہے۔''

ہلکا پھلکا اور لطیف مزاح اس میں حرج نہیں، نبی کریم ﷺ بھی اپنے احباب واصحاب کے ساتھ خوش طبعی فرما لیا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''باب الانبساط إلی الناس'' کے عنوان سے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ یہ عام گفتگو کی بات ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی تقریر اور وعظ ونصیحت کے حوالے سے وارد احادیث سے یہی معلوم ہوتا کہ آپ کی تقریر انتہائی سنجیدہ ہوتی تھی اور سامعین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس قدر سکینت اور متانت ووقار سے مجلس سجاتے جیسا کہ سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا افہام وتفہیم اور سامعین سے اکتاہٹ وتھکاوٹ دور کرنے کی غرض سے حسِ مزاح کا کچھ استعمال کر لیا جائے تو اس میں حرج نہیں۔ لیکن اگر مجلس پر مزاح کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رنگ ہی غالب ہو اور مقرر و واعظ کی پہچان ہی لطیفے اور چٹکلے بن جائیں تو یہ انتہائی غیر مناسب بات ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر وقت مزاح کا ماحول بنائے رکھنا ممنوع ہے، کیونکہ اس سے انسان بہ کثرت ہنستا ہے اور اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ انسان یادِ الٰہی سے دور ہو جاتا ہے، لوگوں پر جملے بازی کر کے انھیں تکلیف دینا رویہ بن جاتا ہے، دلوں میں حسد اور کینہ پیدا ہوتا ہے اور انسان کی عزت و وقار میں فرق آتا ہے۔

امام صاحب کی عبارت یوں ہے:

"المزاح المنهي عنه هو الذي فيه إفراطٌ، ويداوم عليه، فإنه يورث الضِّحك وقسوة القلبْ، ويشغل عن ذِكر الله تعالى، ويؤول في كثير من الأوقات إلى الإيذاء، ويورِث الأحقاد، ويسقِط المهابةَ والوقار" (الأذكار: 326)

ان دو باتوں کا تو سوال میں ذکر تھا، مزید کچھ باتیں جن کا عوام اور مقررین کو خیال رکھنا چاہیے، بطور فائدہ ذکر کی جاتی ہیں، کیونکہ یہ مسائل آج کل عام ہیں۔

ایسے مقرر و خطیب کو دعوت نہ دیں جو قرآن و حدیث صحیح نہ پڑھتا ہو۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ایک خطیب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تقریر کی اور کہا:

"مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ يَعْصِهِمَا، فَقَدْ غَوَى"

"جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، وہ ہدایت یافتہ ہوا، اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی، وہ گمراہ ہوا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

انعقاد ہونا چاہیے، لیکن اس میں اسراف اور کوتاہیوں سے بچتے ہوئے حسبِ ضرورت تک محدود رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ایک جلسے میں خطباء اور واعظین کی تعداد معقول اور مناسب ہونی چاہیے، ساری ساری رات تقاریر کا سلسلہ مناسب نہیں۔ اسی طرح ایک مقرر کو ایک رات میں ایک پروگرام پر اکتفا کرنا چاہیے، گھنٹوں بیٹھنے والی عوام مقررین سے کماحقہ مستفید نہیں ہوتی اور مقررین بھی اس وجہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے کئی ایک امور میں کوتاہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

بغیر اجازت کتاب کی فوٹو چھاپنے کا حکم:

سوال علمائے کرام ناشرین میں سے کسی کا سوال ہے کہ بیروتی کتابوں کی نقل اور فوٹو یہاں سے چھپ جاتی ہے جو اصل ادارے کی جانب سے بغیر اجازت کے چھاپی جاتی ہے۔ ان کو کاروباری فائدے کے ساتھ طلباء کی آسانی کے لیے کم قیمت میں ان کو مل جاتی ہیں۔ کیا اسے چھاپنا اور دوسرے مکتبات کا ان کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

ایک مولف دن رات ایک کر کے ایک کتاب تیار کرتا ہے، کوئی ناشر حق الخدمت دے کر اس سے خرید لیتا ہے، اس کا معقول وظیفہ اس کو عطا کر دیتا ہے۔ پھر وہ ناشر اس کی کمپوزنگ پر، پروف ریڈنگ پر، اسی طرح اس کی ڈیزائنگ پر اور ٹائٹل بنانے پر اور پریس تک لے جانے کے جو اقدامات ہوتے ہیں، اس پر بھی زرِ کثیر خرچ کرتا ہے۔ پھر جو کاغذ خریدتا ہے، اس کی ہوش ربا قیمت بھرتا ہے، پریس میں لے جاتا ہے، اس کی بائنڈنگ اور جلد بندی پر اخراجات کرتا ہے۔ دکان کے اخراجات، بڑی کتاب کو سٹور میں رکھنے کے اخراجات اور دیگر نقل وحمل، ایڈورٹائزنگ وغیرہ کے اخراجات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔ بہرحال اللہ اللہ کر کے ایک طویل جہد کے بعد کتاب مارکیٹ میں آجاتی ہے۔

مارکیٹ میں آنے کے چند ماہ بعد، ایک دوسرا ناشر بیٹھے بٹھائے مفت میں بغیر کسی اضافی محنت اور خرچے کے اصل ناشر کی اجازت کے بغیر، اسی کتاب کی نقل، لوکل پیپر پر مارکیٹ میں لا دھمکاتا ہے اور سستے داموں بیچ رہا ہوتا ہے۔

اس صورتِ حال کی تفصیل میں جانے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس سے ہمیں اس کی شرعی حیثیت سمجھنے میں مدد ملے گی، لہٰذا:

① یہ محض دھوکا اور فراڈ ہے کہ ایک آدمی محنت کرے، اخراجات صرف کرے اور دوسرا اس کی فوٹو لے کر شائع کر دے۔ ظاہر ہے دوسرا اسے پہلے کی نسبت سستے داموں فروخت کرے گا۔

② ہمارے مطابق یہ اکلِ مال بالباطل ہے۔ دوسرے کی محنت پر شب خون مارنا ہے۔ اس کی جو محنت اور پیسے اس پر لگے ہیں تو یہ بغیر پیسوں کے ہی چرا لیتا ہے، اس کو اٹھا لیتا ہے یا اس کی کاپی کر کے چھپوا لیتا ہے، ایسا کرنا جرم ہے۔ ہم اس کے حق میں نہیں ہیں کہ یہ کام کیا جائے، کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَأۡكُلُوٓاْ أَمۡوَٰلَكُم بَيۡنَكُم بِٱلۡبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٖ مِّنكُمۡۚ وَلَا تَقۡتُلُوٓاْ أَنفُسَكُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيمٗا ﴾ [النساء: ٢٩]

''ایمان والو! ایک دوسرے کے مال آپس میں باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، اِلا یہ کہ باہمی رضا مندی سے تجارت کی جائے اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تم پر بڑا مہربان ہے۔''

③ ہاں! البتہ یہ بہانہ بنایا جاتا ہے کہ ہم طلباء کو رعایتی قیمت پر دیتے ہیں، ویسے یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

استعمال شدہ پانی کوری سائیکل کر کے استعمال کرنے کا حکم:

سوال آج کل دنیا بھر میں بڑی کمپنیوں کو اپنے استعمال کیے ہوئے پانی کو ری سائیکل کرنا پڑتا ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ واٹر پلانٹ سے مستعمل پانی کو گزارا جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ مستعمل پانی بالکل صاف ہو جاتا ہے، یعنی اس کا رنگ، بو، ذائقہ بالکل پہلے کی طرح ہو جاتا ہے۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟ اور اگر یہ طریقہ اختیار کر لیا جائے تو پھر صاف شدہ پانی کا کیا حکم ہے کہ وہ مائے مطلق کے حکم میں آئے گا یا مائے مستعمل کے؟ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

(ضیاء الرحمٰن، ڈی ایچ اے لاہور)

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

اصل یہ ہے کہ پانی پاک ہوتا ہے، لیکن نجاست کے گرنے سے اگر اس کے تین اوصاف (ذائقہ، بو، رنگت) میں سے کوئی وصف بدل جائے تو وہ پانی نجس ہو جاتا ہے، اسے استعمال میں نہیں لایا جا سکتا۔

پانی میں نجاست گرنے سے اس میں جو تبدیلی آتی ہے، اس کے ازالے کی مختلف صورتیں ہیں:

پانی دیر تک پڑا رہے اور جو تبدیلی اس میں آئی تھی وہ خود بخود ختم ہو جائے۔ جیسا کہ دھوپ کی حرارت یا ہوائیں چلنے کی وجہ سے نجاست کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔ یا اس پانی کے اندر اور پانی ملا دیا جائے اور وہ اتنی کثیر مقدار میں ہو جائے کہ اس میں واقع تبدیلی ختم ہو جائے۔

اسی طرح ایک طبعی طریقہ یہ بھی ہے کہ جو پانی زیرِ زمین چلا جاتا ہے، زمین اس کی نجاست کو جذب کر لیتی ہے اور پانی کو نیچے بھیج دیتی ہے۔ یہ پانی پاک ہے اور جس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علت کی بنا پر اسے نجس کہا گیا تھا وہ علت ختم ہو چکی ہے اور جب علت ختم ہو چکی ہے تو نجاست کا حکم بھی اس سے ختم ہو جائے گا۔ ازالۂ نجاست کے یہ تمام طریقے طبعی ہیں۔

بعض دفعہ پانی کو مصنوعی طریقے سے پاک صاف کیا جاتا ہے، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔ اگر اس فلٹرنگ سے بھی نجاست کے اثرات ختم ہو جائیں، اس کے اوصاف معدوم ہو جائیں، تو پھر یہ پانی بھی طاہر و مطہر ہے۔ اسے پینے، غسل کرنے، طہارت حاصل کرنے جیسی ضروریات کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر طبیعت اس کے استعمال پر مطمئن نہ ہو، یا پھر ایسا پانی مضرِ صحت ہو، تو اسے استعمال نہیں کرنا چاہیے، لیکن یہ اس وجہ سے نہیں کہ پانی نجس ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ یہ طبیعت پر گراں گزرتا ہے، یا پھر اس کے استعمال سے بیماریاں جنم لینے کا خطرہ ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

عورت کے لیے منعِ ولادت کے آپریشن کا حکم:

سوال ایک خاتون کے غالباً چار بچے ہیں، (تین بیٹے، ایک بیٹی) ایک بچہ مس کیرج کی وجہ سے پہلے ضائع ہو چکا ہے اور ایک بچہ کل ضائع ہوا ہے۔ کل اس کا کیس اتنا سیریس تھا کہ کوئی ڈاکٹر لینے کے لیے آمادہ نہیں تھی۔ ان کی ایک عزیزہ ڈاکٹر نے ہمت کی۔ اب وہی ڈاکٹر مُصر ہے کہ منعِ ولادت کے لیے آپریشن ضروری ہے۔ وہ میاں بیوی دین والے ہیں اور فکر مند ہیں کہ کیا شرعاً ان کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

منعِ ولادت کا مسئلہ عصرِ حاضر میں خطرناک حد تک پھیل چکا ہے۔ اس حوالے سے پوچھے گئے سوالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ عمومی طور پر صحت مند، باہمت، صابرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح رابطہ عالم اسلامی کی ذیلی کمیٹی "مجمع الفقه الإسلامي" نے بھی یہی قرارداد پاس کی ہے۔

حمل وولادت کے بڑھتے ہوئے مسائل کی بعض وجوہات:

اوپر بیان کردہ سوال کا جواب اس صورت میں ہے کہ جب واقعتاً عورت کی جان کو خطرہ لاحق ہو۔لیکن سننے اور دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ بعض دفعہ یہ مسائل ہوتے نہیں، بلکہ پیدا کر دیے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر حضرات پیسے لینے کے چکر میں یا پھر بداحتیاطی کی وجہ سے ایک نارمل کیس کو آپریشن میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس بات کو درج ذیل نکات میں واضح کیا جا سکتا ہے:

دورانِ حمل مصنوعی کیلشیم پیڑو کی ہڈیوں کو اس قدر مضبوط بنا دیتا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتیں۔ جسکے نتیجے میں کبھی بچہ نیچے نہیں آتا، کبھی وقت ولادت عانہ میں پھنسنے کا خدشہ ہوتا ہے اور کبھی دردزہ ہی شروع نہیں ہوتی۔

اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹروں کا ایامِ حمل گننے کا غلط طریقہ بھی آپریشن کا سبب بنتا ہے۔حمل کا آغاز نطفہ امشاج بننے سے ہوتا ہے جو سپرم اور بیضہ کے ملاپ سے تیار ہوتا ہے، جسے انگلش میں زائیگوٹ اور طب کی زبان میں بارآور بیضہ کہا جاتا ہے۔ یہ کبھی عورت کے پیریڈ کے آخری ایام میں بنتا ہے اور کبھی حیض کے تیرہویں دن۔ اس سے پہلے بن ہی نہیں سکتا، کیونکہ حیض کے تیرہویں یا چودھویں دن بیضہ، بیضہ دانی سے باہر نکلتا ہے۔ تلقیحِ بیضہ کے دن عورت کے بدن کی حرارت نصف ڈگری فارن ہائیٹ بڑھ جاتی ہے اور اسے سر میں میٹھا میٹھا درد محسوس ہوتا ہے۔

ڈاکٹرز حیض کے پہلے دن کو حمل قرار پانے کی تاریخ بنا لیتی ہیں جس کے نتیجے میں ان کے حساب سے نو ماہ وقت سے کم از کم پندرہ دن پہلے پورے ہو جاتے ہیں،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس پہ اگر دردیں شروع نہ ہوں تو وہ آپریشن کا شور مچا دیتی ہیں!

پھر آپریشن اور ٹانکوں کا پرانا طریقہ کار بھی مریضہ کی جلد کو کچا کر دیتا ہے، جس کے بعد چوتھا آپریشن ایک رسک ہوتا ہے اور پانچواں آپریشن تو انتہائی خطرناک کہ اس کے بعد ٹانکوں کے درست طور پر نہ جڑنے کا قوی امکان ہوتا ہے۔ البتہ اگر آپریشن بھی جدید طرز پر کرلیا جائے تو پندرہ بیس آپریشن ہو جانے کے باوجود بھی کوئی پریشانی نہیں۔ ہاں یہ نئی طرز کا آپریشن مہنگے داموں کرتے ہیں!

حمل اور ولادت کی تکلیف کو کم کرنے کے لیے کچھ ہدایات:

کوشش کی جائے کہ زچہ کو ہر ماہ کے الٹرا ساؤنڈ سے بچایا جائے اور عرقیات سونف گلاب گاؤزبان دیں، تا کہ نظامِ انہضام بہتر رہے۔ اور دیسی گھی بھرپور کھلائیں تا کہ ولادت آسان ہو۔ انار گاجر سیب اور پپیتہ کھلائیں کہ خون کی کمی نہ ہونے پائے اور چوتھا ماہ مکمل ہونے پہ کھجور کھلانا شروع کر دیں تا کہ فولاد کی کمی پوری ہوتی رہے۔ ابتدا سے آخر تک دن میں کم از کم تین گھنٹے دھوپ میں نکلیں اور ننگے پاؤں کچی زمین یا گھاس پہ واک کروائیں۔ اور آخری دو ماہ میں اگر صحت ساتھ دے تو مشقت والے گھریلو کام کروائیں، ان شاء اللہ آپریشن کی کبھی نوبت نہیں آئے گی۔

اور اگر منع ولادت کی ضرورت ہے تو اس کے لیے نس بندی نہ کروائیں بلکہ وقفہ بڑھا لیں اور وقفہ بڑھانے کے لیے مانعِ حمل ادویات کے بجائے شیر آور ادویات و اغذیہ کھلائیں، کیونکہ جو ہارمونز دودھ پیدا کرتے ہیں وہ حمل نہیں ہونے دیتے۔ یہی ایک فطری طریقہ ہے ضبطِ ولادت کا، باقی ضرر رساں ہیں۔

آپریشن سے بچنے کے لیے بکثرت یہ دعا مانگیں:

"اَللّٰھُمَّ إِنَّكَ قُلْتَ: ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ، فَيَسِّرِ السَّبِيلَ"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کی خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر کوئی عورت استعمال کر کے غیر شرعی روپ میں نکلے اور بے پردگی کا مظاہرہ کرے تو وہ خود اس کی ذمے دار ہے اور اس کا وبال اسی پر عائد ہوتا ہے۔

البتہ یہ سننے میں آیا ہے کہ میک اپ کی وجہ سے چہرے کی جلد کو نقصان پہنچتا ہے، جس کی وجہ سے وقت سے پہلے ہی بڑھاپے کے آثار نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں، اس لیے ہماری خواتین سے گزارش ہے کہ اس بارے میں طبی ماہرین سے ضرور رجوع کریں اور اگر یہ بات درست ہے تو ایسے میک اپ کا استعمال حرام ہوگا، یا کم از کم مکروہ ضرور ہوگا، کیونکہ ہر ایسی چیز جو نقصان دہ ہو، وہ یا تو حرام ہے یا کم از کم مکروہ ہے۔

اسی مناسبت سے یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ نیل پالش خواتین استعمال کرتی ہیں جس سے ناخن پر ایک تہہ سی جم جاتی ہے، تو یہ نماز پڑھنے والی خواتین کے لیے جائز نہیں ہے؛ کیونکہ نیل پالش وضو کے دوران میں ناخن تک پانی نہیں پہنچنے دیتی، اور ہر ایسی چیز جو پانی کو ناخن تک نہ پہنچنے دے اس کا استعمال وضو یا شرعی غسل کرنے والے کے لیے جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ ﴾ [المائدة: ٦]

”تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کو دھولو۔“

اور جس خاتون نے اپنے ناخن پر نیل پالش لگائی ہوئی ہے، نیل پالش کی وجہ سے اس کے ناخنوں تک پانی نہیں پہنچ پائے گا، اس لیے اس خاتون کے بارے میں یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ اس نے اپنے مکمل ہاتھ دھو لیے ہیں اور اس طرح سے خاتون وضو یا غسل کا ایک فرض ترک کرنے کی مرتکب ٹھہرے گی جس سے نماز باطل ہو جائے گی۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نسب تبدیل کرنے کے لیے جھوٹی گواہی دینا:

سوال ایک شخص کسی کے نسب کو تبدیل کرنے کی جھوٹی گواہی دیتا ہے، مثلاً کہتا ہے: ث شیر غفار کے نطفے سے ہے اور اس کی بیٹی ہے، جبکہ وہ جانتا ہے کہ شیر غفار کی اولاد نہیں تھی اور ث کا اصل والد اسرار احمد ہے۔ ایسا شخص جو جھوٹی گواہی کے ذریعے سے نسب تبدیل کر رہا ہے اور اصل ورثاء کی حق تلفی کر رہا ہے، اس کے اس جرم اور گناہ کی شریعت کی رو سے نوعیت کیا ہے؟ نیز جھوٹی گواہی دینے والے کی مدد کرنے، اس سے ہمدردی رکھنے والے اور اس کو منع نہ کرنے والے، بلکہ حوصلہ دینے والے، کیا اس جھوٹی گواہی دینے والے کے جرم اور گناہ میں شریک ہوں گے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

بشرطِ صحتِ سوال، صورتِ مذکورہ میں اس شخص نے تین کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہے:

① جھوٹی گواہی ② نسب بدلنا ③ ظلم

جھوٹی گواہی کو نبی کریم ﷺ نے اکبر الکبائر (کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہوں) میں شمار فرمایا ہے، سیدنا ابو بکرہ نفیع بن الحارث الثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ قُلْنَا: بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ، فَقَالَ: أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ، أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْتُ: لَا يَسْكُتُ؟» (صحيح البخاري: 5976)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ، وَهُوَ يَعْلَمُهُ، إِلَّا كَفَرَ»

(صحيح البخاري: 3508)

''جس شخص نے بھی جانتے بوجھتے ہوئے اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف نسب جوڑا تو اس نے کفر ہی کیا۔''

اسی طرح سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، وَهُوَ يَعْلَمُ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ»

(صحيح البخاري: 427)

''جس نے جانتے بوجھتے ہوئے اپنے والد کے سوا کسی اور کی طرف دعویٰ نسب کیا تو اس پہ جنت حرام ہے۔''

اور اپنی اس جھوٹی گواہی کے ذریعے اصل ورثا کو حق سے محروم کرنے کا جو اس نے ظلم کیا ہے، وہ بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (صحيح البخاري: 2447)

''ایک ظلم قیامت کے دن کئی اندھیروں یا سختیوں کا باعث بن جائے گا۔''

اسی طرح ناجائز طور پر کسی مسلمان کا مال کھانے کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟ فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [البقرة: ۱۸۸]

''اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ اور نہ انھیں حاکموں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی طرف لے جاؤ، تاکہ لوگوں کے مالوں میں سے ایک حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔“

اور جو لوگ اس کی مدد کرنے والے اور اس کی حوصلہ افزائی کرنے والے ہیں، وہ اس کے گناہ میں اس کے ساتھ تعاون کرکے مجرم بن رہے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ [المائدة: ٢]

”اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔“

گرے ہوئے پیسے اٹھانے کا حکم:

سوال دورانِ سفر مین روڈ، جو کافی مصروف روڈ ہے، کی سائیڈ سے 2110 روپے ملے ہیں جو یقیناً کسی مسافر کے جیب سے موبائل وغیرہ نکالتے گرے ہوں گے۔ قریب قریب کوئی آبادی بھی نہیں۔ اب ان پیسوں کا اعلان کس طرح کیا جائے اور اس لقطہ کا کیا کیا جائے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

رستے میں کسی کی گمشدہ چیز کسی کو ملے تو شریعت میں اس کو ”لقطة“ کہتے ہیں جس کے متعلق احادیث میں تفصیلی رہنمائی ہے۔ اگر وہ جاندار چیز ہو اور اپنی حفاظت خود کر سکتی ہو تو اسے نہیں پکڑنا چاہیے، اور اگر نقدی وغیرہ، یا بے جان قیمتی چیزیں ہوں تو انھیں اٹھا کر ان کے مالک تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مختلف جگہوں پر ایک

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

وغیرہ توڑ کر کسی کپڑے میں ڈال کر چلتا بنے تو ایسی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے اس سے دوگنا واپس لینے کی اجازت دی ہے:

«مَنْ أَصَابَ بِفِيهِ مِنْ ذِي حَاجَةٍ، غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً، فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَالْعُقُوبَةُ»

(أبو داود: 1712)

''جو حاجت مند اسے کھائے اور چھپا کر نہ لے جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، اور جو اس میں سے کچھ چھپا کر لے جائے تو اس کا دوگنا جرمانہ دے اور سزا الگ ہو گی۔''

یہ بھی مالی جرمانے کی ہی ایک شکل ہے۔

- جو شخص زکاۃ دینے سے کنی کترائے اس پر بھی رسول اللہ ﷺ نے مالی جرمانہ عائد فرمایا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«وَمَنْ مَنَعَهَا فَإِنَّا آخِذُوهَا وَشَطْرَ مَالِهِ» (أبو داود: 1575)

''اور جو زکات دینے سے انکار کرے گا ہم اس سے وصول کر لیں گے، اور (زکات روکنے کی سزا میں) اس کا کچھ (مزید) مال لے لیں گے۔''

- عصرِ حاضر میں بہت سارے جرائم اور قانونی خلاف ورزیاں ایسی ہیں جہاں مالی جرمانے کی سزا دیے بغیر ان کو روکنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اسی بنا پر ساری مسلم وغیر مسلم دنیا میں ان خلاف ورزیوں کے سد باب کے لیے جرمانے کی سزا رائج ہے، جیسا کہ ٹریفک قوانین وغیرہ کی خلاف ورزی۔ اس کی روشنی میں محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ حالات میں بعض صورتوں میں مالی جرمانے پر عملاً اتفاق پایا جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- پھل کی چوری کسی کے مال میں کوتاہی ہے۔ جب اس پر ڈبل پھل کی سزا دی جا سکتی ہے تو اسباق میں غیر حاضری، تاخیر، کاہلی وغیرہ پر بالاولیٰ سزا دی جا سکتی ہے، کیونکہ یہ اس سے زیادہ اہم اور حساس مسئلہ ہے۔

دینی مدارس میں بالخصوص اس لیے بھی اس سزا کا جواز ہے کہ مدارس اپنے طلبہ سے کسی قسم کے اخراجات وصول نہیں کرتے اگر ایک طالب علم مدارس کی تمام سہولیات سے مستفید ہوتا ہے تو اس پر مدرسہ ماہانہ ہزاروں روپے خرچ کر رہا ہوتا ہے، جب طالب علم جان بوجھ کر کوتاہی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ ہزاروں روپے کا نقصان کرتا ہے۔ وقت کا ضیاع، نظم کی خرابی، اساتذہ کو ذہنی کوفت اس پر مستزاد ہے۔ ان حالات کے پسِ منظر میں مدارس اپنے طلبہ پر مالی جرمانہ عائد کرنا چاہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں البتہ اس میں بھی دیگر مصالح، ادارے کے نظم و ضبط اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

کیا سودی رقم کسی استعمال میں لائی جا سکتی ہے؟

سوال ایک آدمی کے بینک اکاؤنٹ میں بینک نے سود ادا کیا ہوا ہے۔ آدمی نے سود کی رقم پر زکاۃ ادا کی ہوئی ہے۔ کیا یہ سود کی رقم اپنے استعمال میں لائی جا سکتی ہے؟ اگر نہیں تو اس رقم کا مصرف کیا ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

بینک میں جو اکاؤنٹ کھلوائے جاتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں:

① کرنٹ اکاؤنٹ: اس میں پیسے بطور امانت بینک میں پڑے رہتے ہیں۔ نہ تو ان میں زکات کٹوتی ہوتی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی اضافی پیسے (سود) دیے جاتے ہیں۔

② سیونگ اکاؤنٹ: اس میں وہ سود بھی جمع کرتے ہیں اور اپنے تئیں زکات بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کاٹتے ہیں، حالانکہ وہ شرعی زکات نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر آپ کے اکاؤنٹ میں ایک لاکھ روپے پڑے ہیں تو سال کے بعد وہ آپ کو پانچ ہزار روپے سود دیتے ہیں اور سال گزرنے کے بعد وہ اڑھائی ہزار روپیہ ایک لاکھ کے پیچھے کٹوتی بھی کرتے ہیں، لیکن آپ کے اکاؤنٹ میں پھر بھی ایک لاکھ اڑھائی ہزار روپیہ پڑا رہتا ہے۔ اگر شرعی طور پر زکات کاٹی جاتی تو جیسے آپ کے اکاؤنٹ میں ایک لاکھ روپے پڑے تھے، تو اڑھائی ہزار روپے کاٹ کر باقی ساڑھے 97 ہزار روپے ہونے چاہئیں تھے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انھوں نے آپ کے مال سے زکات نہیں کاٹی بلکہ اپنے دیے ہوئے سود سے کچھ حصہ واپس لے لیا ہے۔

رہا دوسرا مسئلہ کہ سود کی رقم کو استعمال کیا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قطعاً استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ سود کی رقم کو استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ﴾ [البقرة: ٢٧٩]

”اگر تم توبہ کرلو تو تمھارے لیے (سود کے بغیر) اصل مال ہے۔“

لہٰذا سود بالکل حرام ہے۔ البتہ یہ رقم ان ظالموں کو واپس کرنے کی بجائے، ثواب کی نیت کیے بغیر رفاہی کاموں میں صرف کرنی چاہیے، مثلاً قبرستان کی دیوار بنا دے، کوئی سڑک بنا دے، یا کوئی غریب سودی قرضے تلے دبا ہوا ہے تو اس کی جان چھڑانے کے لیے اس مال سے مدد کر دی جائے۔ لیکن خود کسی بھی صورت استعمال میں نہ لائے۔

بعض حضرات اس آیت سے:

﴿ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ ﴾ [البقرة: ٢٧٥]

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''جس کے پاس اللہ کی طرف سے نصیحت آ گئی اور وہ سودی لین دین سے رک گیا، تو جو کچھ باقی ہے اسی کے لیے ہے۔''

اس سے استدلال کرتے ہیں کہ سودی کاروبار کرنے والا شخص توبہ کر کے آیندہ کے لیے اسے ترک کر دے تو اس کے پاس موجود سودی مال اس کے لیے حلال اور طیب ہے، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے، ہمارے مطابق یہ استدلال ہی غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو باقی ہے وہ حلال ہے، بلکہ ساتھ ہی یہ ہے: ''وَأَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ'' کہ اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ یعنی چاہے تو اسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو اسے سزا دے۔ لہٰذا اس سے سود کی حلت کا استدلال درست نہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

اسکول کے اسٹاف سے مشروط معاہدہ کرنا:

سوال بحمد اللہ تعالیٰ ہمارا ایک اسلامک اسکول ہے۔ ہم اپنے اسٹاف (اساتذہ) کے ساتھ تقرری کے وقت ایک معاہدہ کرتے ہیں جس میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ ان کی تنخواہ تین حصوں میں منقسم ہوگی، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

① تنخواہ کا 50 فی صد تدریسی نصاب کی تکمیل سے مشروط ہوگا۔

② 25 فی صد طلبہ کی کاپیوں کی بروقت تصحیح سے مشروط ہوگا۔

③ اور بقیہ 25 فی صد تدریسی سال کی تکمیل سے مشروط ہوگا۔

مثلاً اگر استاذ رواں تدریسی سال مکمل کیے بغیر درمیان میں ملازمت ترک کر دے تو اسکول 25 فی صد تک تنخواہ کاٹ سکتا ہے۔ معاہدہ میں اس شق کو شامل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اساتذہ ملازمت کے ان اہم ترین امور میں کوتاہی نہ کریں، کیونکہ ان میں کوتاہی سے طلبہ کی تعلیم پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کٹوتی کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ماہانہ تنخواہ کی ادائیگی کے وقت حساب لگایا جاتا ہے۔ جبکہ دوسرا طریقہ مندرجہ ذیل ہے:

اساتذہ کے ساتھ معاہدے میں یہ بات طے کی جاتی ہے کہ ملازمت کے آغاز میں ان کی ایک ماہ کی تنخواہ بطور Deposit Security (ضمانت) رکھی جائے گی جو انھیں ملازمت کے اختتام میں ادا کی جائے گی بشرطیکہ استاذ ملازمت کے یہ تین اہم امور پورے کر چکے ہوں۔ اگر استاذ ملازمت ترک کر دے جبکہ رواں تدریسی سال مکمل نہ کیا ہو یا نصاب مکمل نہ کروایا ہو یا کاپیوں کی تصحیح نہ کی ہو تو اسکول اس Deposit Security (ضمانت) میں سے حساب کے مطابق کٹوتی کرتا ہے۔

براہِ کرم شرعی نقطہ نظر سے اس صورتِ مسئلہ کا حکم بیان کر کے ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

استاد اور ادارہ کے درمیان درج بالا ایگریمنٹ ہمارے مطابق بالکل درست ہے۔ مدرس کو ادارہ کی فلاح بہبود کا اور قواعد وضوابط کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسی طرح ادارے کو بھی اساتذہ کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہیے۔ اس ضمن میں اگر آپس میں کوئی شرائط طے کی جاتی ہیں تو اس میں کوئی حرج والی بات نہیں ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

«اَلْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ» (سنن أبي داود: 3594)

''مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہوتے ہیں۔''

اس لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک تنخواہ کو بطور ضمانت رکھ لیا جائے اور سال کے آخر میں اس کا حساب کر لیا جائے۔ اگر استاد نے سال کا دورانیہ مکمل کیا، ساتھ سلیبس بھی مکمل کر لیا ہے اور کاپیوں وغیرہ کی تصحیح بھی کی ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کو وہ تنخواہ دے دی جائے۔ اگر اس نے کوئی کمی کی ہے تو اسی حساب سے اس کی تنخواہ میں سے کاٹ لیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن عام طور پر یوں ہوتا ہے مدرسین پر تو شرائط عائد کی جاتی ہیں لیکن ادارے پر کوئی شرط نہیں رکھی جاتی۔ اس میں یہ بھی شرط رکھی جائے کہ اگر ادارہ سال کے درمیان میں استاد کو نکال دیتا ہے تو اس کو ایک مہینے کی تنخواہ ایڈوانس دینی پڑے گی۔ اسی طرح اگر کوئی استاد اپنی ڈیوٹی پوری دیتا ہے، سلیبس مکمل کرتا ہے اور طلبا کی کاپیاں اچھے طریقے سے چیک کرتا ہے تو اس کو بطور انعام ایک تنخواہ ایڈوانس دی جائے یا ایسی ہی کوئی انعام کی صورت رکھی جائے۔ اس سے ان کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی اور انعام حاصل کرنے کے لیے وہ مزید محنت کریں گے۔

لہٰذا شرائط طے کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ یہ مناسب نہیں کہ ہم تمام شرائط اساتذہ کے لیے لاگو کریں اور ادارہ خود کو کسی اصول وضابطے یا ذمہ داری کا پابند نہ سمجھے۔ طرفین میں یہ چیزیں ہونے سے امید ہے ادارہ بھی مستحکم ہوگا اور اساتذہ بھی پوری دلجمعی سے خدمات سرانجام دیں گے۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

سیاہ لباس پہننے کا حکم:

سوال سیاہ لباس پہننے کا کیا حکم ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

سیاہ لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی ممانعت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ بلکہ بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے خود سیاہ لباس زیب تن کیا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

«صَنَعْتُ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بُرْدَةً سَوْدَاءَ فَلَبِسَهَا فَلَمَّا عَرِقَ فِيهَا وَجَدَ رِيحَ الصُّوفِ فَقَذَفَهَا، وَكَانَ تُعْجِبُهُ الرِّيحُ الطَّيِّبَةُ»

(أبو داود: 4074)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”میں نے نبی کریم ﷺ کے لیے ایک چادر کو سیاہ رنگ سے رنگ دیا آپ ﷺ نے اسے پہنا مگر جب اس میں پسینہ آیا تو آپ ﷺ نے اس میں اون کی بُو محسوس کی تو اتار پھینکا۔ کیونکہ آپ ﷺ کو عمدہ خوشبو ہی پسند آتی تھی۔“

بلکہ بعض روایات میں اس سے بھی زیادہ تفصیل ہے۔ جب آپ ﷺ نے سیاہ لباس زیب تن کیا تھا تو آپ ﷺ کا سفید رنگ اور جبہ کا سیاہ رنگ ایک عجیب سماں پیدا کر رہا تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

میں کبھی آپ ﷺ کے سفید مکھڑے کی طرف دیکھتی اور کبھی جبہ کی سیاہ رنگت کی طرف دیکھتی، پھر پسینے کی وجہ سے ناگوار سی بُو آنے لگی تو آپ ﷺ نے اسے اتار دیا۔ (مسند أحمد: 132/6)

علامہ شمس الحق عظیم آبادی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سیاہ لباس پہننا جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ (عون المعبود: 126/11)

اسی طرح سیدہ ام خالد بنت خالد رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ کپڑے لائے گئے، ان میں ایک چھوٹی سیاہ چادر بھی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمھارا کیا خیال ہے کہ ہم یہ چادر کس کو پہنائیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ام خالد رضی اللہ عنہا کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ انھیں اٹھا کر لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے وہ چادر اپنے ہاتھ میں لی اور انھیں پہنا کر دعا دی۔ (صحیح البخاري: 5823)

اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے سیاہ رنگ کی پگڑی پہن رکھی تھی۔ (صحیح مسلم: 1358)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

امام سیوطی رحمہ اللہ نے "ثلج الفؤاد في لبس السواد" کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ بھی تالیف فرمایا ہے جس میں اس موضوع سے متعلق احادیث و آثار جمع کیے ہیں۔ البتہ محرم کے ایام میں یا اور کسی مصیبت کے وقت سیاہ رنگ کا لباس پہننے سے احتراز کرنا چاہیے۔ کیونکہ سیاہ رنگ اور لباس کو ایک مخصوص گروہ نے ان ایام میں سوگ کی علامت قرار دیا ہے۔ جبکہ اظہارِ سوگ کے اس طریقے یا علامت کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

طوطا کھانا حلال ہے یا نہیں؟

سوال طوطا کھانا حلال ہے یا نہیں؟ اسی طرح پنجے سے پکڑ کر کھانے والے پرندے کا کیا حکم ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

اس حوالے سے شریعت کا اصول یہ ہے کہ جو چیزیں حرام ہیں وہ بیان کر دی گئی ہیں، اس کے علاوہ سب چیزیں حلال ہیں۔ حرام کردہ پرندوں وغیرہ کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ، وَعَنْ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ" (مسلم: 1934)

"نبی کریم ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے اور ناخنوں والے پرندے (کو کھانے) سے منع فرمایا ہے۔"

"والمراد بذي مِخلَب من الطير، الذي يصيد بمخالبه مع الطيران في الهواء" (بذل المجهود: 130/16)

"پنجے والے سے مراد وہ پرندہ ہے جو ہوا میں اڑتے ہوئے اپنے پنجوں سے شکار کرتا ہے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ باز، چیل اور شاہین وغیرہ، یہ سب حرام ہیں۔ جبکہ طوطا ان پرندوں میں سے ہے جو ہوا میں اڑتے ہوئے پنجوں سے شکار نہیں کرتے، بلکہ کسی چیز کے کھاتے وقت پنجوں سے دبا کر مدد لیتے ہیں۔ لہٰذا طوطا، چڑیا، بٹیر، بلبل، شترمرغ، مور وغیرہ سب حلال پرندوں میں سے ہیں جنھیں کھایا جا سکتا ہے۔

اجتماعی طور پر برکت کے لیے قرآن خوانی جائز ہے؟

سوال کیا اجتماعی طور پر برکت کے لیے قرآن خوانی جائز ہے؟ مثلاً سورہ یٰسین، اجتماعی طور پر مل کر پڑھنا یا پھر ایک معلم جو اصلاحی قسم کے ادارے سے وابستہ ہے، نئے افراد کی تالیفِ قلب کے لیے ایسی کسی تقریب میں صرف دعا میں شامل ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ کس حد تک شریعت میں رخصت ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

اجتماعی قرآن خوانی کا مروجہ طریقہ خرابیوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے لائقِ ترک ہے، نیز قرآن خوانی کے لیے معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔ چاہے صراحتاً طے کر کے لیا جائے یا لین دین کا رواج ہو۔ خود کو ثواب ملا کہ نہیں ملا، یہ بھی انسان کو علم نہیں ہوتا، تو وہ مرحومین کو ایصالِ ثواب کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟ لہٰذا ایسی محافل کے انعقاد یا ان میں شرکت سے احتراز لازم ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

کرونا پھیلنے کی وجہ سے علاقہ بدلنے کا حکم:

سوال میری ایک دوست ہیں، ان کے دو گھر ہیں، ایک شہر کے اندر، دوسرا شہر سے ذرا باہر ہے۔ وہ بچوں کو لے کر شہر کے اندر رہتی تھیں، لیکن اب ان کے علاقے میں کرونا وغیرہ کی وجہ سے کافی اموات ہوئی ہیں جس وجہ سے وہ کہتی ہیں کہ ہمیں ڈر لگتا ہے، کیونکہ بچے وغیرہ گھر سے باہر جانے سے باز نہیں آتے، تو کیا ایسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صورتِ حال میں ہم اپنے دوسرے گھر منتقل ہو جائیں، اس میں کہیں رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی مخالفت تو نہیں، کیونکہ آپ نے وبا زدہ علاقے سے نکلنے سے منع فرمایا ہے۔ (بنت رفیق)

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ خُذُوا۟ حِذْرَكُمْ ﴾ [النساء: ٧١]

''اے ایمان والو! احتیاطی تدابیر اختیار کرو۔''

قرآن کریم کی یہ آیت اگرچہ جنگی حالات کے پسِ منظر میں نازل ہوئی، لیکن ''العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب'' (لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ اس کے اس سببِ ورود کا) کے تحت یہ حکم عام ہے، لہٰذا کوئی بھی کام کرتے ہوئے ممکنہ احتیاطی تدابیر اور وسائل اختیار کرنے چاہئیں۔ بچوں پر کنٹرول کی خاطر ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل ہونا بھی ایک احتیاطی تدبیر ہے جسے اختیار کرنا چاہیے۔

اہلِ اصول نے حفظِ نفس کو ضروریاتِ دین میں ذکر کیا ہے، لہٰذا وہ تمام مشروع وسائل اختیار کرنا لازم ہیں جو انسانی جان کی حفاظت وحمایت کے لیے ضروری ہیں۔ البتہ تمام اسباب و وسائل بروئے کار لاتے ہوئے اعتماد و یقین اللہ کی ذات پر ہونا چاہیے کہ اس کی مشیت و رضا اور قدرت سے ہی یہ چیزیں کار آمد ہو سکتی ہیں، ورنہ ساری دنیا کسی کو مارنا یا بچانا چاہے تو یہ اللہ کی مرضی کے بغیر ممکن نہیں۔

بیماری، وبا یا وائرس انسان کو تبھی متاثر کر سکتا ہے، جب اللہ کا حکم ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «لَا عَدْوَى» کوئی چیز کسی دوسری کو بیمار نہیں کر سکتی، تو ایک صحابی نے پوچھا کہ ایک اونٹ کو دوسرے اونٹ سے خارش لگ جاتی ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَمَنْ أَعْدَى الْأَوَّلَ؟)) (صحیح البخاری: 5775)

''پہلے اونٹ کو بیماری کس نے لگائی ہے؟''

حقیقت یہ ہے کہ بیماری بذاتِ خود متعدی نہیں ہوتی، بلکہ اللہ کے اِذن اور مشیت سے ہی کسی کو لگتی ہے۔ لہٰذا تمام تر اسباب اختیار کرتے ہوئے اعتقاد و یقین اور عافیت وسلامتی کی امید صرف اللہ کی ذات سے ہونی چاہیے۔

﴿ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ﴾ [الطلاق: ۳]

''جو اللہ کی ذات پر اعتماد و یقین رکھتا ہے، اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔''

ڈاکٹرز حضرات کے بقول کرونا وائرس سے حفاظت کے لیے انسانی جسم کا دفاعی سسٹم مضبوط ہونا ضروری ہے۔ اللہ کی ذات پر ایمان و یقین اور حضورِ قلب سے مسنون ادعیہ و اذکار کرنے سے اس کی مضبوطی میں اضافہ ہوتا ہے۔ مرض کا بے جا خوف و ہراس انسان کے دل سے دور ہو جاتا ہے، جب ایک عام انسان کا مارے خوف و ہراس کلیجہ منہ کو آ رہا ہوتا ہے، تب ایک سچا مسلمان اور کامل مومن راحت وسکون کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ لہٰذا احتیاطی تدابیر اور توکل دونوں کا اہتمام ازبس ضروری ہے۔

رہی یہ بات کہ نبی کریم ﷺ نے وبا زدہ علاقے سے نکلنے سے منع کیا ہے تو وہ حدیث یوں ہے:

((إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوهَا، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا)) (صحیح البخاری: 5728)

''جب کسی علاقے میں طاعون کی خبر سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب تمھاری موجودگی میں کسی علاقے میں پھیل جائے تو پھر وہاں سے نہ نکلو۔''

تو اس حدیث کا تعلق طاعون کے ساتھ ہے، جبکہ کرونا وائرس اس سے مختلف

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

وبا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ علماء سے نقل کرتے ہیں:

"كُلُّ طَاعُونٍ وَبَاءٌ وَلَيْسَ كُلُّ وَبَاءٍ طَاعُونًا"

(شرح النووی علی مسلم: 204/14)

"طاعون ایک وبا ہے، لیکن ہر وبا طاعون نہیں ہوتی۔"

طاعون زدہ علاقے سے نکلنے کی حکمت کے متعلق علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ طاعون ایک ایسا مرض ہے جو تیزی سے پھیلتا ہے اور جس علاقے میں یہ آ جائے، وہاں سب کو لپیٹ میں لے لیتی ہے، لہٰذا موجود لوگوں کو وہاں سے نکلنے سے منع کیا گیا، تاکہ وہ دوسرے علاقوں کو متاثر نہ کریں۔

جب کہ کرونا وائرس اس سے مختلف ہے ایک تو اس کے اثرات طاعون کی طرح واضح نہیں ہوتے، دوسرا یہ طاعون کی طرح سریع الانتشار بھی نہیں ہے کہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ بلکہ احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے اللہ کی توفیق سے اس سے محفوظ رہا جا سکتا ہے اور مزید احتیاط کے طور پر متاثرہ علاقے سے نکلا بھی جا سکتا ہے۔ البتہ جو بھی متاثرہ علاقے سے دوسری جگہ پر جائے، اسے میل جول سے احتراز کرنا چاہیے، تاکہ کسی بھی صورت میں وہ صحت مند لوگوں کے لیے باعثِ تکلیف و ہلاکت نہ ہو۔

یہاں ایک اہم چیز کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ وبائیں، بلائیں اور مصیبتیں ہمارے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ان سے مقصود مومن کی آزمائش اور غافل کو تنبیہ و توجیہ ہوتا ہے، لہٰذا تمام احتیاطی تدابیر کے ساتھ اصل چیز توبہ و استغفار ہے جس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ ہم رہن سہن کی نظافت و طہارت کا تو مکمل انتظام کریں، لیکن دل و دماغ، سوچ و فکر اور اعمال کی نجاست و گندگی سے لبریز ہی رہیں۔ ایسی صورتِ حال میں جگہ تبدیل کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ وبائیں و آزمائشیں زمین و مکان کی بجائے اس کے مکین اور باسیوں کے سبب آتی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَمَآ اَصٰبَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾ [الشوریٰ: ۳۰، ۳۱]

''جو بھی مصیبت آتی ہے، تمھارے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے، حالانکہ اللہ بہت ساری کوتاہیوں سے درگزر کرتا ہے، تم اللہ کی زمین میں اس کو کسی بھی طرح عاجز نہیں کر سکتے، اور نہ اس کے سوا تمھارا کوئی حامی و ناصر ہے۔''

ایک اور جگہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ [الروم: ٤١]

''خشکی و سمندر میں فساد کا ظہور لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی ہے، تاکہ اللہ انھیں ان کے کچھ اعمال کا بدلہ چکھائے تاکہ وہ باز آجائیں۔''

امام ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں:

"فَالْبَلَاءُ إِذَا نَزَلَ إِنَّمَا يُقْصَدُ بِهِ أَهْلُ الْبُقْعَةِ لَا الْبُقْعَةُ نَفْسُهَا فَمَنْ أَرَادَ اللّٰهُ إِنْزَالَ الْبَلَاءِ بِهِ فَهُوَ وَاقِعٌ بِهِ وَلَا مَحَالَةَ فَأَيْنَمَا تَوَجَّهَ يُدْرِكُهُ" (فتح الباري لابن حجر: 189/10)

''آزمائش کا ہدف علاقہ نہیں بلکہ اہلِ علاقہ ہوتے ہیں، جب اللہ تعالی کسی کو آزمائش میں مبتلا رکھنا چاہیں، تو وہ جہاں بھی چلا جائے، اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔''

ہم احتیاطی تدابیر کی شرعی حیثیت واضح کرنے کے ساتھ ساتھ توکل، اعتماد یقین، گناہوں سے توبہ و استغفار، فرائض کی پابندی، صبح وشام، سونے جاگنے کے اذکار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور تلاوتِ قرآن کریم اور نمازِ تہجد کے اہتمام کی تلقین کرتے ہیں، اور گزارش کرتے ہیں کہ درج ذیل دعاؤں کا بالخصوص وِرد کیا جائے:

- ”بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ“ (سنن أبي داود: 5088)
- ”اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُنُونِ وَالْجُذَامِ وَمِنْ سَيِّءِ الْأَسْقَامِ“ (سنن أبي داود: 1554)
- ”لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ“ (سنن الترمذي: 3505)
- ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ (صحيح البخاري: 6384)
- ”اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ، وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ، وَجَمِيعِ سَخَطِكَ“ (صحيح مسلم: 2739)
- ”اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اَللّٰهُمَّ أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي، وَآمِنْ رَوْعَاتِي، وَاحْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَمِنْ خَلْفِي، وَعَنْ يَمِينِي، وَعَنْ شِمَالِي، وَمِنْ فَوْقِي، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي“ (سنن ابن ماجه: 3871)

اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو اس وبا سے محفوظ رکھے اور اس آزمائش کو ہمارے لیے دنیا و آخرت کی صلاح وفلاح کا ذریعہ بنائے۔

وباء کے وقت اجتماعی توبہ اور دعا کی شرعی حیثیت:

سوال السلام علیکم! وباء و آزمائش کے وقت اجتماعی طور پر توبہ اور دعا کا کوئی تصور شریعت میں موجود ہے؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بلاشبہ آزمائشیں وابتلائیں ہمارے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَصٰبَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ [الشوریٰ: ۳۰، ۳۱]

’’جو بھی مصیبت آتی ہے، تمھارے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے، حالانکہ اللہ بہت ساری کوتاہیوں سے درگزر کرتا ہے، تم اللہ کی زمین میں اس کو کسی بھی طرح عاجز نہیں کر سکتے اور نہ اس کے سوا تمھارا کوئی حامی و ناصر ہے۔‘‘

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ [الروم: ٤١]

’’خشکی وسمندر میں فساد کا ظہور لوگوں کے ہاتھ کی کمائی ہے، تاکہ اللہ انھیں ان کے کچھ اعمال کا بدلہ چکھائے، تاکہ وہ باز آجائیں۔‘‘

سورۃ توبہ میں ارشاد ہے:

﴿اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ [التوبة: ١٢٦]

’’کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ سال میں ایک دو مرتبہ آزمائے جاتے ہیں، لیکن پھر بھی توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت پکڑتے ہیں۔‘‘

پہلی قوموں کا حال بیان کرتے ہوئے اللہ رب العالمین فرماتے ہیں:

﴿فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الأنعام: ٤٣]

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''جب ہمارا عذاب آیا تو انھوں نے آہ وزاری کیوں نہیں کی؟ کیونکہ ان کے دل سخت ہو چکے تھے اور شیطان نے انھیں ان کی بداعمالیوں کو ہی مزین کر کے دکھایا۔''

لہٰذا آزمایش یا وباء کے وقت توبہ و استغفار از بس ضروری ہے۔ لیکن شریعت میں ایسے موقعوں پر اجتماعی دعا یا مروجہ توبہ کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ البتہ ایسے مواقع پر جلد از جلد جو اقدامات کیے جانے چاہئیں یا جن امور کا خیال رکھنا چاہیے، وہ درج ذیل ہیں:

- سود کا خاتمہ، فحاشی وعریانی کی بیخ کنی، کرپشن کا انسداد۔
- کثرتِ استغفار، مسلسل تضرع اور دعا، خیانت سے گریز۔
- حکام کا علماء سے مشاورت کر کے چلنا، انفرادی یا باجماعت قنوتِ نازلہ کا مسلسل اہتمام۔
- کثرت سے اجتماعی و انفرادی صدقہ وخیرات، احتیاطی تدابیر کے ساتھ مسجدوں کا رخ کرنا۔
- احتیاطی تدابیر کے نفاذ میں یکسانیت، صلاۃ وزکاۃ کے نظام کا صحیح نفاذ۔
- گھر سے لے کر ادارے تک ہر طبقے میں دستِ بالا کا اپنے زیرِنگرانی افراد پر ظلم سے اجتناب۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وراثت

زندگی میں باپ کا وراثت تقسیم کرنا:

سوال میرے والد صاحب نے ایک عدد کنال کا پلاٹ، میری بہن کو بطور وراثت دیا۔ والد محترم نے مجھے بتایا کہ میں نے اس پلاٹ کی رقم مارکیٹ میں چیک کرنے کے بعد اپنے پاس 70 لاکھ شمار کی ہے، تقریباً ایک سال گزر جانے کے بعد مجھے 30 لاکھ روپیہ نقد عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ اپنے کاروبار میں لگا لوں۔ مزید ایک سال بعد ہمارا آبائی گھر (سائل کے دادا کا گھر) فروخت ہوا (جس کی قیمت ایک کروڑ 9 لاکھ تقریبا تھی) اب والدِ محترم نے اپنے بہن بھائیوں سے کہا کہ اس گھر کی تمام قیمت وہ خود لے لیں گے بطور قرض۔ اور قرض کی واپسی کا طریقہ کار یہ طے ہوا کہ قصور شہر میں ایک اور رقبہ تھا جو میری دادی کا تھا جس کی فروخت کا بیعانہ ہو چکا تھا، بقیہ رقم چند ماہ بعد آنی ہے تو والد صاحب نے کہا کہ اس میں میرا حصہ آپ لوگ رکھ لیں، بوجہ تھانہ، کوٹ، کچہری اخراجات کے سبب اگر اس سے قرض ادا نہیں ہوتا تو وہ میں یا میرا بیٹا ادا کرے گا۔

دادا کے گھر والی رقم والد صاحب نے مجھے دے دی اور تاکید فرمائی کہ اس رقم سے گھر بنانے کے لیے پلاٹ لے لینا۔ والدِ محترم مجھے اکثر کہا کرتے تھے کہ جتنا میں نے تمھاری بہن کو دیا ہے، اس حساب سے دوگنا تمھیں نہیں دے سکا، لہٰذا مجھے معاف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا۔ والدِ محترم ڈیڑھ سال سے بیمار تھے، ہسپتال داخل ہوئے اور دو ماہ بعد وفات پا گئے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد قصور والے رقبہ (دادی کی زمین) کی رقم بعد میں آئی، جس کو چچاؤں اور پھوپھیوں نے باہمی رضامندی سے برابر تقسیم کر لیا اور مجھے بتایا کہ آپ کے والد کا حصہ 56 لاکھ تقریباً بنتا ہے، لہٰذا بقیہ قرض جو تقریباً 25 لاکھ ہے، وہ ہمیں ادا کر دیں۔ تو الحمدللہ میں نے ادا کر دیا۔ اب والد صاحب کی طرف سے تقریباً مجھے ایک کروڑ بارہ لاکھ آیا ہے میری بہن کا کہنا ہے کہ دادی والی رقم والد صاحب کی وفات کے بعد ملی ہے، لہٰذا اس رقم میں اس کا بھی شرعی حصہ ہے، براہِ مہربانی رہنمائی فرمائیں کہ میری بہن کا حصہ بنتا ہے کہ نہیں؟

والد صاحب جب فوت ہوئے تو ان کے اکاؤنٹ میں بارہ لاکھ روپیہ رقم تھی، اس کے علاوہ کچھ شیئرز بھی تھے۔ میرے والد صاحب مجھے کہتے تھے کہ یہ ساری رقم آپ نکلوا لیں، کیونکہ ہسپتال میں آپ کا خرچہ ہوا ہے۔ لیکن میں ان کی زندگی میں نہیں نکلوا سکا، لیکن بعد میں میں نے یہ کیش کروا کر اس میں سے بہن کو حصہ دے دیا تھا۔

میری بہن کے ساتھ ہمارا اختلاف دو وجہ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں والد صاحب کی جائیداد سے حصہ دیں، اور دوسری بات جو والد صاحب نے ان کو پلاٹ دیا تھا، والد صاحب اس کو 70 لاکھ کا کہہ رہے تھے، جبکہ میری بہن لوگ پہلے کہہ رہے تھے کہ وہ پچاس لاکھ کا فروخت ہوا ہے اور اب کہہ رہے ہیں کہ ہم نے 42 لاکھ کا فروخت کیا ہے۔ اس میں کس کی بات معتبر ہوگی؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ لیں کہ وراثت میت کے فوت ہونے کے بعد تقسیم ہوتی ہے۔ کوئی بھی شخص کسی بھی عذر یا وجہ کی بنیاد پر اپنی زندگی میں وراثت تقسیم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں کرسکتا۔ زندگی میں جو تقسیم کیا جاتا ہے، وہ ہدیہ ہوسکتا ہے یا حسبِ ضرورت دیا جانے والا خرچہ ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اس میں جو باپ نے اپنی زندگی میں ہی تقسیم کرنے کی کوشش کی ہے، وہ درست نہیں۔

اب اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ باپ نے اولاد میں وراثت کے نام پر جو کچھ تقسیم کیا ہے، اسے اولاد میں سے کسی کی ملکیت سمجھنے کی بجائے باپ کی وراثت سمجھا جائے اور سب مال اکٹھا کرکے، اس کا از سرنو تخمینہ لگایا جائے، اخراجات وغیرہ منہا کیے جائیں اور پھر جو بھی مال یا پراپرٹی ہو، اسے شریعت کے مطابق ورثاء میں تقسیم کردیا جائے۔ اس سے پراپرٹی کی قیمت میں جو اختلاف ہے جب اس کی از سرِنو قیمت لگوائی جائے گی تو یہ مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔

اولاد میں بیٹا بیٹی سب وراثت کے حق دار ہوتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ﴾

[النساء: ۱۱]

"اللہ تعالیٰ تمھیں نصیحت کرتا ہے، کہ اولاد کو وراثت دو، بیٹے کے لیے بیٹی سے دوگنا حصہ ہوگا۔"

لہٰذا بیٹا اور بیٹی والد کی مکمل وراثت سے حق دار ہوں گے، کسی بھی حصے سے بیٹے یا بیٹی کو محروم کرنا درست نہیں۔

تقسیمِ وراثت میں تمام ورثاء کی رضا مندی ضروری ہے:

سوال شیخ صاحب میری پھپھو مرحومہ کو اپنے خاوند کی طرف سے 1/4 (چوتھائی) حصہ اراضی جو تقریباً 28 کنال بنتی ہے ملی اور 3 حصے اراضی مرحومہ کے خاوند کے بھتیجے کو ملے۔ میری پھپھو کے تمام حقیقی بھائی اس کی زندگی میں ہی وفات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پا گئے تھے۔ مرحومہ کی وفات کے بعد چونکہ ہم بھتیجے بھتیجیاں وارث تھے، لیکن ہمارے درمیان وراثت کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد ہم ورثاء میں سے 2 اور 4 غیر جانبدار افراد کو فیصل (حکم) بنایا گیا اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ تمام 28 کنال اراضی ورثاء میں سے ایک شخص رکھ لے اور اس کی قیمت جو آج سے 25 سال پہلے تقریباً 1 لاکھ روپے مقرر ہوئی وہ اپنے گاؤں کی مسجد کے فنڈ میں جمع کرا دے۔ لیکن ہم ورثاء میں سے ہمارے 2 چچا زاد بھائیوں نے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد سے اب تک وہ اراضی اسی طرح ہماری پھوپھو مرحومہ کی ملکیت اور متنازع پڑی ہوئی ہے۔ اب دوبارہ یہ فیصلہ ہوا ہے کہ ورثاء میں سے جس کا جتنا حصہ بنتا ہے وہ اس کے نام انتقال کرا دیتے ہیں۔ شیخ صاحب اب سوال یہ ہے کہ پہلے جو فیصلہ ہوا تھا اس پر عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ سے کیا ہم سب پر کوئی گناہ یا کفارہ ہو گا یا نہیں؟ کیا اسی پہلے والے فیصلے پر عمل درآمد کرنا لازمی ہے یا ہم نے اب دوبارہ جو فیصلہ کیا ہے اس پر عمل درآمد کیا جا سکتا ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

کنال کے متعلق پہلا پنچایتی فیصلہ غلط ہے، کیونکہ اس میں سب ورثاء کو اعتماد میں نہیں لیا گیا، بلکہ صرف دو کو بٹھا کر فیصلہ کر دیا گیا۔ اسی طرح زمین کی قیمت بھی صحیح نہیں لگائی گئی تھی، اس لیے دوبارہ مارکیٹ کے مطابق اس کی مناسب قیمت لگانا ضروری ہے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ ورثاء میں بھتیجے شامل ہوں گے، بھتیجیاں نہیں ہوں گی، کیونکہ "عصبة مع الغير" (مردوں کے ساتھ مل کر عصبہ) صرف چار عورتیں بنتی ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

① حقیقی بہن ② علاتی بہن ③ بیٹی ④ پوتی

پھوپھی، بھتیجی وغیرہ خواتین اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں بن سکتیں۔

ہمارے خیال کے مطابق آخری فیصلہ درست ہے کہ تمام ورثاء کی وراثت ان کے نام منتقل کر دی جائے، پھر اس کے بعد اگر کوئی اسے اللہ کے رستے میں دینا چاہتا ہے تو یہ اس کی سعادت مندی وخوش بختی ہے، لیکن سب کو کسی طور مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے حصے کی زمین مسجد یا مدرسہ کو دے دیں۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

سوال کسی انسان کی وفات کے بعد سب ورثاء اس کی جائیداد میں شریک ہوتے ہیں، لیکن کوئی ایک وارث سب کی رضامندی کے ساتھ (یا جبراً) پوری جائیداد کا مالک بن سکتا ہے؟

مسئلہ یہ ہے کہ 1984ء میں میرے سسر فوت ہوئے تھے، ان کا بڑا بیٹا تو الگ رہتا تھا، جبکہ بقیہ سب ایک جگہ تھے اور اس مشترکہ گھر کا انتظام و انصرام جس بھائی کے سپرد تھا، اس نے کہا کہ چونکہ میں سب اخراجات برداشت کر رہا ہوں، لہٰذا مالی اعتبار سے مجھے سپورٹ کی ضرورت ہے، لہٰذا سب سے بڑے بھائی نے اس کا طریقہ یہ نکالا کہ والد کی ساری جائیداد اس بھائی کے نام لگوا دی جو مشترکہ گھر کو چلا رہا تھا، لہٰذا دیگر بہن بھائیوں نے عدالت میں جا کر انگوٹھے وغیرہ بھی لگا دیے۔ اب وہ دونوں بھائی (سب سے بڑا اور اس سے چھوٹا) فوت ہو چکے ہیں، جبکہ اس سے چھوٹے بہن بھائیوں کا مطالبہ ہے کہ ہمیں ہمارے والد کی جائیداد سے حصہ دیا جائے۔ اس حوالے سے ہمیں شرعی رہنمائی درکار ہے۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس سوال کے حوالے سے چند گزارشات پیشِ خدمت ہیں:

جو سوال باعث الجھن ہو سکتے ہیں اور ان میں غلط فہمی کا اندیشہ ہو سکتا ہے، کوشش کیا کریں کہ انھیں صاف ستھرا لکھ کر اور خود ایک بار پڑھ کر دیکھیں، اگر خود سمجھ آ رہا ہے تو پھر مفتیانِ کرام کی خدمت میں پیش کریں۔ آپ نے جو وائس بھیجی ہے، اس کو بار بار سن کر ہم نے وہ عبارت نکالی ہے، جو اوپر بطور سوال درج ہے۔ لہٰذا کمی کوتاہی ہو تو آیندہ سوال خود لکھ کر بھیجیں۔ جزاك الله خيراً

کوئی بھی آدمی جب فوت ہوتا ہے تو شرعی طور پر وہ مال اس کے ورثاء کی ملکیت میں چلا جاتا ہے، البتہ اس کی باقاعدہ تقسیم اور قانونی کارروائی باقی رہ جاتی ہے۔ لہٰذا میت کی وفات کے بعد تمام ورثاء کے حصے ان کو دے دینے چاہئیں۔ میت کی وراثت کی تقسیم بھی تجہیز و تکفین کی طرح کا ایک حق ہے جس کی ادائیگی ورثاء پر فرض ہے۔

بہن بھائیوں، مرد و عورت سب کے حصے ان میں تقسیم کر دیے جائیں، تو باقاعدہ ملکیت و قبضے میں لینے کے بعد اگر وہ راضی خوشی کسی کو اپنا حصہ دینا چاہیں تو یہ ان کا اختیار ہے جو وہ استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں بعض دفعہ اس قسم کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے کہ بعض ورثاء کو ایموشنل بلیک میل کر کے انھیں اپنا حصہ نہ لینے، یا کسی کو دینے پر راضی کر لیا جاتا ہے اور بالخصوص خواتین یعنی بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ یہ ہوتا ہے جو ظلم ہے اور کسی طور درست نہیں۔

ایک اور غلط رویہ بھی معاشرے میں رائج ہے کہ بعض دفعہ بہن یا بیٹی کے سسرال والے اسے مجبور (یا ایموشنل بلیک میل) کرتے ہیں کہ وہ اپنی وراثت سے حصہ کیوں نہیں لے کر آتی؟ ہمارے خیال میں اگر کوئی مرد یا عورت وارث واقعتاً راضی خوشی اپنا حصہ کسی کو دے دے تو اس کے سسرال کا یا اس کے خاوند یا اولاد کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے حصہ مانگنے پر مجبور کرنا بھی درست رویہ نہیں ہے۔

آپ نے جو سوال پوچھا ہے، ہمارے مطابق اس میں دو خرابیاں تھیں، ایک تو آپ کے سسر کی وفات کے فوراً بعد وراثت تقسیم کرنے میں کوتاہی کی گئی ہے، جبکہ دوسری بات بعض ورثاء کو ان کا حصہ ان کی ملکیت اور قبضے میں دینے کی بجائے ان سے دستخط کروا لیے گئے ہیں، جو درست نہیں۔

والد اور والدہ کی وراثت میں تمام اولاد حق دار ہے:

سوال ہم دو بہنیں ہیں، ہمارے اور کوئی بہن بھائی نہیں ہیں۔ ہمارے والدین کچھ دن قبل وفات پا گئے ہیں۔ والدہ 28 جنوری اور والد 2 فروری 2021ء میں فوت ہوئے۔ والد محترم کے تین بھائی اور تین بہنیں حیات ہیں۔

ہمارے والد محترم نے کچھ رقم انویسٹمنٹ کے طور پر دو سال قبل کسی کو دی تھی، اس کی تاحال واپسی ممکن نہیں ہو سکی، کیا وہ بھی وراثت میں تقسیم ہو گی؟

والدہ محترمہ کے نام کوئی جائیداد نہیں، وہ ایک گورنمنٹ ملازمہ تھیں اور کچھ عرصہ قبل ریٹائرڈ ہو چکی تھیں، ان کے پاس ان کے والدین کی طرف سے جہیز میں دیا گیا زیور تھا جو وہ ہم دونوں بہنوں میں تقسیم کر چکی تھیں جس کی گواہ ہماری خالہ بھی ہیں۔

براہِ کرم والد و والدہ دونوں کی تقسیمِ وراثت کے متعلق راہنمائی فرما دیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

والدہ پہلے فوت ہوئی ہیں، ان کے ورثاء میں خاوند کو چوتھا حصہ اور بقیہ تین حصے آپ دونوں بہنوں میں برابر تقسیم ہو جائیں گے۔ آپ نے جو کہا کہ آپ کی والدہ اپنا زیور آپ دونوں بہنوں میں تقسیم کر چکی تھیں، یہ درست نہیں، بلکہ اس میں آپ کے والد کا بھی چوتھا حصہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والد کی جتنی جائیداد ہے اور جو انھیں اپنی بیوی (آپ کی والدہ) کی طرف سے حصے میں آیا، اس سب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک ایک حصہ آپ دونوں بہنوں کو ملے گا اور تیسرا حصہ آپ کے چچا اور پھوپھیوں کو ملے گا، یعنی اس کے پھر کل نو حصے ہوں گے، دو دو حصے ہر چچا کو اور ایک ایک حصہ ہر پھوپھو کو۔

جو رقم بطورِ انویسٹمنٹ آپ کے والد صاحب نے کسی کو دی تھی، جب وہ واپس ملے گی یا اس سے نفع حاصل ہوگا تو اسے بھی سابقہ ترتیب کے مطابق تمام ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین.

ہبہ میں اولاد کے درمیان برابری ضروری ہے:

سوال ایک آدمی کے پاس 6 ایکڑ زمین تھی، اس کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔ باپ نے تین ایکڑ زمین فروخت کر کے کسی دوسرے علاقے میں خرید لی اور خریدی ہوئی زمین بیٹے نے اپنے نام لگوا لی۔ تو باپ نے کہا کہ باقی تین ایکڑ زمین دونوں بیٹیوں کا حصہ ہے۔ پھر باپ کی زندگی میں ہی ایک بیٹی فوت ہوگئی اور کچھ عرصے بعد والد بھی وفات پا گئے۔ جبکہ باقی تین ایکڑ زمین والد کے ہی نام تھی۔ باپ کی حیاتی میں فوت ہونے والی بیٹی کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا وراثت کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ آیا صرف تین ایکڑ کی تقسیم ہوگی یا اس زمین کی بھی جو باپ نے ایک جگہ سے فروخت کر کے دوسری جگہ میں خریدی تھی اور بیٹے کے نام لگوائی تھی؟ صورتِ مسئولہ میں اس وراثت کا کون کون حق دار ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرما دیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

صورتِ مسئولہ میں باپ کی خریدی ہوئی زمین بیٹے نے اپنے نام لگوا لی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس پر باپ بھی خاموش رہا، یہ غلط ہے۔ اس طرح کسی کو زمین وغیرہ دینے کو ہبہ کہتے ہیں اور ہبہ کے لیے طریقہ یہ ہے کہ اولاد میں برابر تقسیم ہوتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((اعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ)) (صحيح البخاري: 2587)

''اپنی اولاد کے درمیان عدل وانصاف کیا کرو۔''

اسی لیے یہ ہبہ تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ یعنی اس تین ایکڑ کو تینوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔ وہ بیٹی جو بعد میں باپ کی زندگی میں وفات پا چکی ہے، اس کا ہبہ والا حصہ اس کی اولاد کو ملے گا اور باقی جو تین ایکڑ باپ کے نام ہیں، کیونکہ باپ فوت ہو چکا ہے تو اس کو بطورِ وراثت تقسیم کیا جائے گا اور بطورِ وراثت تقسیم کرنے کے لیے اس کے تین حصے کیے جائیں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ﴾

[النساء: ١١]

''اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔''

اسی لیے وراثت میں سے دو حصے بھائی کو مل جائیں گے اور ایک حصہ بہن کو مل جائے گا۔ اور جو بہن والد کی زندگی میں فوت ہو چکی ہے اس کا اس وراثت میں کوئی حصہ نہیں، کیونکہ وہ والد سے پہلے ہی وفات پا چکی تھی، اور نہ ہی اس کی اولاد کو اس میں سے کچھ ملے گا۔ چونکہ اصل موجود ہو، تو فرع کو کچھ نہیں ملتا، یعنی میت کی اولاد موجود ہو تو اس کے نواسے اور نواسیوں کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ ہاں البتہ اگر وہ ان کے لیے وصیت کر جائے تو الگ بات ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہبہ میں برابری اور زندگی میں وراثت تقسیم کرنے کا حکم:

سوال محترم علمائے کرام! تقسیمِ وراثت کے متعلق شرعی حکم مطلوب ہے۔ میرے والد صاحب وفات پا چکے ہیں، جن کی جائیداد درج ذیل ہے جو انھوں نے خود خرید کر بنائی تھی ہمارے دادا سے ان کو کچھ نہیں ملا تھا۔ ٹوٹل جائیداد: 84 کنال 14 مرلے اور 2 سرساہی ہے۔

ورثاء کی تفصیل : میرے والد صاحب نے اپنی زندگی میں ٹوٹل 5 شادیاں کی تھی جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

① پہلی بیوی : کوثر پروین (اولاد: 1 بیٹا طلحہ اور 1 بیٹی طیبہ) کوثر پروین کو والد صاحب نے طلاق دے دی تھی۔ پھر کوثر پروین نے ہائیکورٹ میں کیس کر کے میرے والد سے اولاد بیٹا طلحہ اور بیٹی طیبہ حاصل کر لی۔ والد صاحب نے کوثر پروین کو ایک مکان بنا دیا۔ کوثر پروین اور اس کے والد نے اسٹام پر لکھ کر دیا کہ مقصود کی وراثت سے ہمارا کوئی حصہ نہیں۔ جبکہ وقتاً فوقتاً میرے والد کوثر کو خرچہ وغیرہ بھی بھیجتے رہے۔

موجودہ حالت: کوثر پروین اور بیٹی طیبہ فوت ہو گئی ہیں اور بیٹا طلحہ ابو کے آخری بیماری کے ایام (وفات سے دو ماہ پہلے) ابو کے پاس آ گیا اور اب ابو کے گھر رہتا ہے۔

② دوسری بیوی: جمیلہ بیگم (اولاد 3 بیٹے: ولید+محمد+عبدالرحمٰن اور ایک بیٹی خدیجہ ہے)۔

موجودہ حالت: بیوی تمام اولاد کے ساتھ میرے والد کے گھر موجود ہے۔

③ تیسری بیوی: جبین (اولاد: 1 بیٹی زینب)

موجودہ حالت: جبین نے میرے والد سے خود طلاق لے لی تھی اور دوسری جگہ شادی بھی کر لی تھی۔ بیٹی زینب والد کے گھر موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

④ چوتھی بیوی: نامعلوم ہے، والد صاحب سعودی عرب کام کرتے تھے، اس سے صرف فون پر نکاح ہوا ہے۔ کبھی ملاقات تک نہیں ہوئی اور یہ خود گھر سے کچھ سامان اٹھا کر فرار ہوگئی۔ اس کا کوئی اتا پتا نہیں ہے۔

⑤ پانچویں بیوی: نور صفیہ (اولاد: 1 بیٹا عمر ہے)

موجودہ حالت: اپنے بیٹے عمر کے ساتھ میرے والد کے گھر موجود ہے۔

موجودہ ٹوٹل ورثاء: 2 بیویاں + 5 بیٹے + 2 بیٹیاں

ٹوٹل جائیداد: 84 کنال 14 مرلے اور 2 سرساہی۔

والد صاحب نے اپنی زندگی میں کچھ جائیداد اُس وقت موجود اولاد (چار بیٹوں بیٹے ولید + محمد + عبدالرحمٰن + عمر) اور کچھ حصہ 2 بیٹیوں (خدیجہ + زینب) کے نام منتقل کر دیا تھا جس کی تفصیل ساتھ لف ہے۔ اس کے علاوہ بقیہ جائیداد ابھی تک والد صاحب کے نام پر ہے۔

نوٹ: کچھ جائیداد کا تنازع چل رہا ہے، کسی مثبت فیصلے کے بعد اس کی تقسیم ہوگی۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

باپ کی طرف سے اولاد کو جو جائیداد یا مال ملتا ہے، اس کی معروف دو صورتیں ہیں: ① تحفہ ② وراثت۔

① تحفے کے لیے اصول یہ ہے کہ اولاد میں برابری کی جائے، کم یا زیادہ دینا جائز نہیں ہے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے والد نے انھیں ایک غلام ہدیہ کیا، ان کی والدہ نے کہا کہ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا لیں، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا: آپ کی اس کے علاوہ بھی اولاد ہے؟ کہا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جی ہاں، فرمایا: ان سب کو بھی یہ تحفہ دیا ہے؟ عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا، یا تو سب کو دیں، یا پھر اس کو بھی واپس کریں، لہٰذا نعمان رضی اللہ عنہ سے وہ تحفہ واپس لے لیا گیا۔ (صحيح البخاري: 2586، 2587، 2650)

لہٰذا تحفہ اور ہدیہ دیتے ہوئے برابری ضروری ہے، بلکہ اس میں بیٹا بیٹی کا بھی فرق نہیں ہوگا۔

② وراثت کے لیے اصول یہ ہے کہ وہ مورِث (جس کی وراثت تقسیم ہوتی ہے) کی وفات کے بعد تقسیم ہوتی ہے، زندگی میں ہی تقسیم کرنا درست نہیں ہے۔

آپ کے والد صاحب نے زندگی میں جو وراثت تقسیم کی ہے، درست نہیں، لہٰذا اس سب کو والد کی جائیداد سمجھتے ہوئے موجودہ ورثاء میں شریعت کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے:

جن دو بیویوں کو طلاق دے دی، وہ وراثت کی حق دار نہیں، بقیہ تین کو کل جائیداد کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ جبکہ بقیہ تمام مال آپ بہن بھائیوں میں تقسیم ہوگا، اس ترتیب سے کہ ہر بیٹے کو دو حصے اور ہر بیٹی کو ایک حصہ۔

جس بیوی سے آپ کے والد نے نکاح کیا، لیکن لاپتا ہے، اس کا بھی حصہ نکالنا ضروری ہے، کیونکہ آپ کے والد نے اسے طلاق نہیں دی تھی، لہٰذا اگر وہ کبھی واپس آجاتی ہے تو اس کا حصہ دینا ضروری ہے، البتہ جاتے ہوئے جو وہ مال لے کر فرار ہوئی تھی وہ اس سے واپس لے لیا جائے۔

کل جائیداد کے 96 حصے کر لیے جائیں۔ اس میں سے بارہ حصے نذیر احمد کی تین بیویوں کے لیے، یعنی چار چار ہر بیوی کو۔

96 میں سے 12 حصے نکال لیے جائیں تو باقی 84 حصے بچتے ہیں۔ ان 84

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حصوں کو مزید 12 پر تقسیم کرنا ہے جب 12 پر تقسیم کریں گے تو 7 جواب آئے گا۔ لہٰذا ہر بیٹی کو 7 حصے اور ہر بیٹے کو 14 حصے دیے جائیں گے۔ یوں یہ 84 حصے مکمل ہو جائیں گے۔

والد کی جائیداد میں زمین، پٹرول پمپ، نقدی، گھر وغیرہ سب چیزیں شامل ہوں گی، جو ان کی وفات کے وقت ان کی ملکیت میں موجود تھیں۔ تقسیم کرتے ہوئے ان سب چیزوں کو شامل کیا جائے، البتہ بعد میں اتفاقِ رائے سے آپ لوگ ایک دوسرے سے لین دین اور مفاہمت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

باپ اپنی اولاد کے درمیان حسبِ ضرورت پیسہ خرچ کر سکتا ہے:

سوال محترم علامہ صاحب! شریعت کے مطابق حلال و حرام کے حوالے سے رہنمائی فرمائیں۔

باپ کے سات بچے ہیں: 4 بیٹیاں اور 3 بیٹے۔ سب شادی شدہ، بالغ ہیں اور سب کو مالی ضرورت ہے۔ لیکن کوئی بھی اپنی آخرت خراب نہیں کرنا چاہتا۔ باپ کا اپنا کاروبار ہے جو وہ تقریباً 45 سال سے اکیلا چلا رہا ہے۔

ایک عاقل و بالغ فرد باپ کے پاس آبائی گھر میں رہتا ہے۔ اس فرد کے رہنے سہنے، بجلی، گیس، کھانا، صفائی ستھرائی، پوتے پوتیوں کی تعلیم وغیرہ پر باپ تقریباً ایک لاکھ روپیہ ماہانہ خرچ کرتا ہے۔ کیا باپ کو اسی تناسب سے دوسرے بچوں کی بھی مالی مدد کرنی چاہیے؟ کچھ لوگ خیال کرتے ہیں کہ باپ کا مال ہے، وہ اپنی اولاد میں سے جس کو چاہے زیادہ دے، کم دے یا بالکل محروم ہی کر دے۔ براہِ مہربانی رہنمائی فرمائیں۔

اگر باپ نے اولاد میں سے کسی ایک کو زیادہ دے دیا ہے تو کیا وہ اس سے واپس لے کر اس کو ٹھیک طرح سے تقسیم کرے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اولاد میں سے ایک فرد باپ کے پاس تقریباً سولہ مہینے سے کام کرتا ہے۔ جو خدمات وہ سرانجام دیتا ہے، وہ کوئی بھی تیس ہزار تنخواہ والا ملازم بخوبی انجام دیتا ہے۔ باپ اپنے اس بچے کو کتنا مالی معاوضہ دے کہ کسی بچے کی بھی حق تلفی نہ ہو اور باپ کی آخرت بھی خراب نہ ہو؟

اگر اولاد میں سے کوئی بھی باپ کی خدمت کرے اور اس کے عوض معاوضہ لینا چاہے تو کیا لے سکتا ہے؟ اگر لے سکتا ہے تو کتنا؟ فرض کریں جو خدمت اولاد کا وہ فرد کر رہا ہے وہ بازار سے دس ہزار میں ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شریعت میں لچک ہے۔ براہِ مہربانی بتائیں کہ شریعت میں کتنی لچک موجود ہے اس مسئلہ میں۔ کیا اس لچک کا فائدہ لے کر کوئی اپنے حق سے زیادہ مال لے جا سکتا ہے۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

سوال میں بتائی گئی صورتِ حال خلافِ حقیقت معلوم ہو رہی ہے۔ ایسی صورت میں جب تک دوسرے فریق سے معلومات نہ لے لی جائیں۔ تب تک کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ جتنی صورتحال سامنے ہے ہم اس کے مطابق جواب عرض کر دیتے ہیں۔

ہمیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک بیٹا والد کے ساتھ رہ رہا ہے جو کاروبار میں ہاتھ بٹاتا ہے اور والد جس طرح اپنے اخراجات پورے کرتا ہے، اپنے اس بیٹے کے بھی ادا کرتا ہے، جیسا کہ ہمارے ہاں عام طور پر مشترکہ گھریلو رہن سہن (جوائنٹ فیملی سسٹم) میں ہوتا ہے۔ تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اس میں باپ بیٹے کے اس تعلق کو ملازمت اور نوکری کی نظر سے دیکھنا درست نہیں ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ بیٹا اتنا کام کرتا ہے جتنا ایک تیس ہزار والا ملازم کر سکتا ہے، جبکہ اس کا خرچہ لاکھ میں ہے، یہ بھی غیر مناسب ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس میں سب اولاد کے درمیان برابری ضروری ہوتی ہے، وہ تحفہ اور ہدیہ وغیرہ کی صورت ہوتی ہے۔ اولاد کی ضروریات میں ان پر خرچ کرتے ہوئے صرف ضرورت کا خیال رکھا جاتا ہے، اس میں برابری ضروری نہیں۔ واللّٰہ أعلم بالصواب

ایک تہائی سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں ہے:

سوال حاجی محمد دین ڈوگر ولد شہباز ڈوگر جو وفات پا چکے ہیں انھوں نے 16 ایکڑ 2 کنال زمین چھوڑی ہے۔ جبکہ ان کے بیوی بچے ان کی زندگی میں وفات پا چکے تھے۔ موجودہ رقبہ انھوں نے خود خریدا تھا۔ (محمد دین کے والد نے دو شادیاں کیں تھیں ایک بیوی سے محمد دین اور محمد صابر اور ان کی ایک بیٹی تھی اور دوسری بیوی سے ایک بیٹا عبدالغفار اور ایک بیٹی تھیں) ان کے رشتہ داروں میں ایک بھائی محمد صابر جو محمد دین کی وفات کے کچھ دنوں بعد وفات پا گئے تھے۔ محمد صابر کی اولاد موجود ہے اور ایک بہن موجود ہے اور دوسری ماں سے ایک بھائی عبدالغفار اور ایک بہن موجود ہیں۔

جبکہ محمد دین ڈوگر نے حرم شریف میں وصیت کی تھی کہ میری زمین جائیداد جامعہ رحمانیہ کنگن پور کے لیے وقف کر دی گئی ہے۔ اس موقع پر ان کے ساتھ محمد دین ڈوگر ولد عمر دین اور خالد محمود ولد قاری محمد صادق اور چار خواتین موقع پر موجود تھے۔ پھر واپس آ کر کچھ لوگوں کے پوچھنے پر جن میں سردار شاہد محمد ڈوگر ولد عمر دین شامل ہیں، انھوں نے اپنے موقف کو تبدیل کیا اور کہا کہ میں اپنی زمین جائیداد اپنے رشتہ داروں کو بھی دوں گا اور مسجد اور مدرسہ جامعہ رحمانیہ کو بھی دوں گا۔ اس وصیت کے چند روز بعد حاجی محمد دین ولد شہباز ڈوگر وفات پا گئے۔ ان کے چند روز بعد ان کے بھائی محمد صابر بھی وفات پا گئے۔ اب صابر کی اولاد موجود ہے اور محمد دین کی ایک سگی بہن اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری ماں سے ایک بھائی عبدالغفار اور ایک بہن موجود ہے۔ علماء سے درخواست ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اس جگہ کی تقسیم کیسے کی جائے گی؟ محمد دین ولد محمد شہباز کی وصیت کے مطابق رشتہ داروں کو کتنا حصہ ملتا ہے اور مسجد کے حصہ میں کیا آتا ہے اور مدرسہ کے حصے میں کیا آتا ہے؟ تاکہ وصیت کرنے والے کی وصیت کو پورا کیا جاسکے۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

وصیت ایک تہائی (1/3) سے زیادہ کی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اگر محمد دین نے ساری جائیداد کی بھی وصیت کی ہو تو وہ صرف ایک تہائی ہی نافذ ہوگی، اس سے زیادہ نہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی:

«أُرِيدُ أَنْ أُوصِيَ، وَإِنَّمَا لِي ابْنَةٌ، قُلْتُ: أُوصِي بِالنِّصْفِ؟ قَالَ: النِّصْفُ كَثِيرٌ، قُلْتُ: فَالثُّلُثِ؟ قَالَ: الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ أَوْ كَبِيرٌ» (بخاري: 2744، مسلم: 1628)

"میرا وصیت کرنے کا ارادہ ہے اور میری ایک ہی بیٹی ہے، کیا میں آدھے مال کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: نصف مال تو زیادہ ہے۔ میں نے عرض کیا: تہائی مال کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں ایک تہائی ٹھیک ہے اور یہ بھی ایک بڑی مقدار ہے۔"

لہٰذا اگر کوئی مسجد مدرسہ کے لیے بھی جگہ وقف کرنا چاہتا ہو تو اسے مسئلہ سمجھانا چاہیے کہ ساری کی ساری جائیداد اس طرح وقف نہیں کی جاسکتی۔

اس حساب سے جائیداد میں سے وصیت کے مطابق 1/3 مسجد اور مدرسہ کو دیا جائے گا۔ باقی 2/3 ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ جائیداد کے کل 54 حصے کیے جائیں۔ اس میں 1/3، 18 حصے بنیں گے۔ وصیت کے مطابق یہ 18 حصے مدرسہ اور مسجد کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیے جائیں گے۔ جب 54 میں سے 18 نکال دیے جائیں تو باقی 36 بچتے ہیں۔

ان 36 میں سے 1/3 مادری (اخیافی) بہن بھائیوں (یعنی عبد الغفار اور اس کی ایک بہن) کا ہے جو 12 حصے بنتے ہیں، اور یہ دونوں میں برابر یعنی 6، 6 حصے تقسیم ہوں گے۔ کیونکہ اخیافی بہن بھائیوں کا حصہ برابر ہوتا ہے۔

36 میں سے 12 نکال دیں تو باقی 24 حصے بچتے ہیں۔ ان کو صابر اور اس کی بہن میں اس طرح تقسیم کریں گے کہ بہن کے مقابلے میں صابر کو دوگنا ملے۔ کیونکہ حکم الٰہی ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ﴾

[النساء: ۱۱]

"اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔"

اس طرح 24 میں سے 16 محمد صابر کے، اور 8 اس کی بہن کے ہوں گے۔ اور پھر صابر کا جو حصہ ہے، وہ آگے اس کی اولاد میں تقسیم ہوگا۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

وصیت میں دو شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے:

سوال ایک شخص کا کہنا ہے کہ میری نانی اماں نے وصیت کی کہ میرا کچھ مال میرے نواسے کے لیے ہے، یہ وصیت صرف زبانی تھی، اس شخص کے بھائی اور امی کے علاوہ کسی کو اس بات کا نہیں پتا، یعنی پورے خاندان میں اس بات کا کوئی اور گواہ نہیں ہے، بھائی ہی اپنے بھائی کے حق میں گواہی دے رہا ہے کہ واقعی یہ مال نانی اماں نے دیا تھا۔ کیا یہ وصیت مانی جائے گی؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

وصیت کرنا ایک مشروع عمل ہے، ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُم مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِن بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الْآثِمِينَ ﴾

[المائدة: ١٠٦]

''اے ایمان والو! تمھارے آپس میں دو شخص کا گواہ ہونا مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور وصیت کرنے کا وقت ہو، وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں خواہ تم سے ہوں، یا غیر لوگوں میں سے دو شخص ہوں، اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو اور تمھیں موت آ جائے، اگر تم کو شبہہ ہو تو ان دونوں کو بعد نماز روک لو، پھر دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے، اگرچہ کوئی قرابت دار بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کی بات کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے ہم اس حالت میں سخت گناہ گار ہوں گے۔''

مذکورہ بالا آیت سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں: وصیت کرنا مشروع ہے، وصیت کرتے ہوئے، دو عادل اور دین دار گواہ بنانے چاہئیں۔ گواہ رشتہ داروں میں سے بھی ہو سکتے ہیں اور باہر سے بھی، اگر گواہوں کے متعلق شک وشبہہ ہو تو ان سے قسم لی جا سکتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں وصیت کے گواہ مکمل نہیں، کیونکہ گواہی کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دو آدمی ہوں، جیسا کہ آیت میں بیان ہوا، یا پھر ایک آدمی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دو عورتیں ہوں، جیسا کہ سورۃ البقرۃ [۲۸۲] میں ہے، یا پھر ایک آدمی گواہ ہو، اور ساتھ مدعی وصیت قسم اٹھا دے، تو تب بھی وصیت ثابت ہو جائے گی۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے ایک قسم اور ایک گواہی کو مدِنظر رکھ کر فیصلہ کرنا ثابت ہے۔ دیکھیں: صحیح مسلم: 1712 (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الموسوعة الفقهية: 226/26)

تقسیمِ وراثت میں بیٹیوں کا حق مارنا کبیرہ گناہ ہے:

سوال میرے والد محترم تقریباً پانچ سال قبل وفات پا چکے ہیں، فوت ہونے سے پہلے انھوں نے جائیداد کا کافی سارا حصہ اپنے بیٹوں کے نام کروا دیا تھا، تاکہ وفات کے بعد جائیداد بیٹیوں کے نام منتقل نہ ہو جائے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد میں نے اپنی بہنوں سے فرداً فرداً یہ درخواست کی کہ ابو جی اپنی زندگی میں یہ بہت بڑی غلطی کر گئے ہیں، لہٰذا آپ ابو کو بھی معاف کر دو اور ہمیں بھی معاف کر دو۔ یاد رہے کہ میں نے صرف معاف کروانے کا مطالبہ کیا تھا، یہ نہیں کہا تھا کہ چاہو تو جائیداد لے لو، چاہو تو معاف کر دو، جیسا کہ اکثر ہمارے معاشرے میں ہوتا ہے کہ بہنیں معاف کر دیتی ہیں۔ انھوں نے بھی معاف کر دیا۔ اب میں یہ بھی نہیں جانتا کہ انھوں نے دل کی خوشی کے ساتھ معاف کیا تھا یا دل پر پتھر رکھ کر معاف کیا تھا۔ بہرحال زبانی کلامی سب نے معاف کر دیا تھا، ہاں ان بہنوں میں سے کچھ کی دلی خواہش تھی کہ انھیں وراثت مل جائے۔ اب پوچھنا یہ تھا کہ کیا اب ان کے معاف کر دینے سے اخروی عذاب سے ہماری جان چھوٹ گئی یا ابھی بھی بوجھ باقی ہے؟

یاد رہے کہ وہ جائیداد میرے والد کو وراثت میں نہیں ملی تھی، بلکہ میرے دو بھائیوں اور والد صاحب نے اکٹھے مل کر محنت کر کے بنائی تھی۔ ان کا باہم پارٹنرشپ والا کوئی معاہدہ بھی نہیں تھا۔ میں اس وقت چھوٹا تھا اور سکول پڑھتا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب الحمد للّٰہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ!

اگر والد صاحب نے صرف بیٹوں کے حق میں وصیت کی ہے تو ایسی صورت میں بھی اس جائیداد میں سبھی ورثاء کا حق ہوگا۔ صرف بیٹوں کا اس پر قابض ہونا اور بیٹیوں کو محروم کر دینا بڑا ظلم اور سخت گناہ ہے۔ اور بیٹیوں کو اپنے حق کے مطالبے کا اختیار حاصل ہے۔ بیٹوں کو چاہیے کہ وہ والد کا ترکہ سبھی موجودہ وارثین میں حسبِ حصصِ شرعیہ تقسیم کریں تاکہ آخرت کی جواب دہی سے محفوظ رہ سکیں۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [البقرۃ: ۱۸۲]

”جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب داری، یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے، پس ان میں آپس میں اصلاح کر دے، تو اس پر گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔“

اس آیت سے پتا چلا کہ وصیت اس صورت میں پوری کرنی چاہیے، جب کہ وہ وصیت کسی کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا﴾ [النساء: ۷]

”جو مال ماں باپ اور عزیز و اقارب چھوڑ کر جائیں، خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ، اس میں عورتوں کا بھی حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔“

حدیثِ مبارک میں آتا ہے، جیسا کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

”إِنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوكِينَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ، لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرَهُمْ، فَدَعَا بِهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَجَزَّأَهُمْ أَثْلَاثًا، ثُمَّ أَقْرَعَ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ، وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً، وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا"

(صحیح مسلم: 1668)

''ایک آدمی نے وفات کے وقت اپنے چھے غلاموں کو آزاد کر دیا، اس کے علاوہ اس کا کوئی مال نہیں تھا، اللہ کے رسول ﷺ کو پتا چلا، تو آپ نے انھیں تین حصوں میں تقسیم کیا، پھر قرعہ اندازی کر کے، دو کو آزاد کر دیا اور چار کو باقی رکھا، اور اس شخص کے بارے میں سخت الفاظ ادا کیے۔''

بعض روایات میں مزید یہ الفاظ بھی ہیں:

"فَجَاءَ وَرَثَتُهُ مِنَ الْأَعْرَابِ، فَأَخْبَرُوا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بِمَا صَنَعَ، قَالَ: أَوَ فَعَلَ ذٰلِكَ؟ قَالَ لَوْ عَلِمْنَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَا صَلَّيْنَا عَلَيْهِ" (مسند أحمد:20009) لَوْ شَهِدْتُهُ قَبْلَ أَنْ يُدْفَنَ لَمْ يُدْفَنْ فِي مَقَابِرِ الْمُسْلِمِينَ" (سنن أبي داود: 3960)

''دیہات میں موجود اس کے ورثاء نے آ کر اس کی شکایت کی تو رسول ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے علم ہو جاتا تو میں اس کا جنازہ ہی نہ پڑھاتا اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا۔''

اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حقوق العباد کا معاملہ کتنا سنگین ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ والد صاحب نے زیادتی کی ہے کہ ساری جائیداد بیٹوں کے نام کروا گیا۔ پھر کم ازکم بیٹوں کو چاہیے تھا کہ وہ اس غلطی کا ازالہ کرتے۔ لیکن وہ بھی بجائے حصہ دینے کے ان سے معافی تلافی کروانے کے درپے ہیں۔ باپ کو تو معاف کر دینا سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا، لیکن بیٹوں کی معافی صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ جو ان کو ظلم پر مبنی جائیداد ملی ہے۔ اس میں بہنوں کا جتنا حصہ بنتا ہے ان کو دے دیں، بلکہ جتنا اب تک ان لوگوں نے فائدہ اٹھایا ہے، اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فائدے سے بھی بقدر حصہ ان کو دے دیا جائے۔

قطع نظر اس کے کہ وہ جائیداد ان کے باپ نے کمائی ہے یا بیٹے بھی اس کمائی میں شامل ہیں۔ کیونکہ باپ کے ساتھ مل کر بیٹوں کی کمائی بھی باپ ہی کی کمائی ہوتی ہے اور باپ کے مرنے کے بعد وہ جائیداد اس کے ورثاء کی ہے، اس میں بیٹے بیٹیاں سب حق دار ہیں۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

کیا بہنیں اپنا حصہ بھائیوں کو دے سکتی ہیں؟

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم آپس میں دو بھائی اور چھ بہنیں اپنے والدین کی عینی اولاد ہیں اور زندہ وسلامت ہیں۔ اب ہم اپنے والد اور والدہ کی وراثت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے بھائی ہم سے کئی گنا غریب ہیں، ہم تمام بہنیں اپنے والدین کی وراثت اپنے بھائیوں کو برابر تحفتًا یا بخشش کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن کچھ علماء سے ہم نے سنا ہے کہ وراثت اس طرح ضروری ہے جس طرح نماز اور روزہ کی ادائیگی، چاہے آگے کوئی غریب ہو یا امیر۔ اگر آپ گفٹ کریں گی تو اپنی اولاد کا حق ماریں گی اور عنداللہ قابل مواخذہ ہوں گی۔ ہاں اپنے بھائیوں کی امداد اپنے دوسرے ترکہ سے کر دیں لیکن وراثت ضرور لیں، چاہے قلیل مقدار میں ہی کیوں نہ ہو۔

کچھ علماء سے یہ بھی سنا ہے کہ وراثت میں قلیل میں دے سکتی ہیں، مثلاً اگر بھائی رہائش سے محروم ہیں یا رہائشی جگہ کم ہے تو بقدرِ ضرورت دے سکتی ہیں لیکن سالم نہیں۔ اب بروئے قرآن و حدیث راہنمائی مقصود ہے کہ کیا ہم بھائیوں کو تمام وراثت مذکور گفٹ کر سکتی ہیں یا نہیں؟ یا بقدرِ ضرورت دے سکتی ہیں یا نہیں؟ یا بالکل کم قیمت پر دے دیں یا نہیں؟ لیکن یاد رہے کہ ہم سسرال والوں یا اپنی محنت کی وجہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہر طرح سے خوش حال اور متمول ہیں۔ یعنی والدین کی وراثت کو گفٹ کر کے بھی ہم تمام بہنیں اپنے بھائیوں سے پانچ سے دس گنا تقریباً امیر ہیں۔

جائیداد کی تفصیل: دو عدد مکان سکنی رقبہ تقریبا ساڑھے تیرہ مرلے مالیت تقریباً ستائیس لاکھ روپے فی مکان۔ دکانات: متفرق مالیتی بیس لاکھ روپے۔ کل مالیت: چھہتر لاکھ روپے۔

السائلات: دختران حاجی عبدالجبار مرحوم: ہاجرہ بشیر، عطیہ بی بی، رابعہ بی بی، مریم بی بی، زاہدہ بی بی، شاہدہ بی بی۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

والدین کی وفات کے بعد یہ خواتین وراثت کی حق دار بن چکی ہیں اور اگر وہ اپنا حصہ برضا و رغبت کسی کو دینا چاہیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن دیکھنے میں آیا کہ عموماً بہنیں پریشر اور دباؤ میں آ کر یا شرم کے مارے اپنا حصہ لینے سے ہچکچاتی ہیں، لہٰذا ہمارا موقف یہ ہے کہ جس وراثت کی وہ حق دار ہیں، ان کے حصے انھیں دے دیے جائیں، پھر بعد میں اگر واقعتاً وہ کسی کو اپنا حصہ دینے کے لیے رضا مند ہیں تو وہ دے سکتی ہیں۔

یہ بات درست نہیں کہ یہ خواتین اپنا حصہ کسی کو دے نہیں سکتیں کہ اس سے ان کی اولاد کی حق تلفی ہو گی۔ یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ اس وقت وراثت کی مالک وہ خواتین ہیں، نہ کہ ان کی اولاد۔ ان کی اولاد کا حق تبھی بنے گا جب یہ خواتین فوت ہوں گی۔ جب تک یہ خواتین زندہ ہیں، انھیں اختیار ہے کہ وہ اپنا حصہ کسی اور کو دے دیں۔ اولاد کا اس میں کوئی حق نہیں کہ اسے اولاد کی حق تلفی سمجھا جائے۔

ورثاء میں اگر بیٹے اور بیٹیاں ہیں، جیسا کہ سوال سے واضح ہو رہا ہے تو جتنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھائی اور بہنیں ہیں، مال کے اتنے حصے بنا لیے جائیں، اس طرح کہ ہر بھائی کے لیے دو حصے ہوں گے اور ہر بہن کے لیے ایک۔ صورتِ مسئولہ میں سائلین دو بھائی اور چھ بہنیں ہیں، تو کل مال (چھہتر لاکھ) کو دس پر تقسیم کیا جائے گا اور ہر بھائی کو چودہ لاکھ اسی ہزار اور ہر بہن کو سات لاکھ چالیس ہزار روپے ملیں گے۔ هذا ما عندنا والله أعلم بالصواب.

دو بیٹوں اور ایک بیٹی کا حقِ وراثت اور بیٹے کی کمائی کا حکم:

سوال ① میری پہلی بیوی سے اولاد دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ اہلیہ فوت ہو چکی ہے۔ اس کی ملکیت / وراثت کیسے تقسیم ہوگی؟

② پہلی بیوی کی وفات کے بعد اس کی ہمشیرہ سے میرا نکاح ہو گیا، دوسری بیوی سے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں کی عمر بالترتیب 18، 15 اور 7 سال ہے۔ وہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور چھٹی کے بعد آٹے کی چکی پر تعاون کرتے ہیں۔ بڑا بیٹا بعض اوقات، اور کبھی کبھار اس سے چھوٹے والا دیہاڑی وغیرہ کر لیتا ہے۔

پہلی بیوی سے بڑے بیٹے کو میں نے قرض وغیرہ پکڑ کر سعودی عرب بھجوایا، لیکن ایک سال بعد واپس آ گیا۔ دوبارہ قرض وغیرہ لے کر عراق بھجوایا جہاں ڈیڑھ سال رہنے کے بعد واپس آ گیا۔ جو اس کی بساط میں تھا، بھیجتا رہا۔ ہم گھر سے اکٹھے تھے، یعنی مال کی آمد و رفت مشترکہ تھی۔

اب وہ بیٹا مطالبہ کر رہا ہے کہ مجھے میرا مال دیں۔ میں نے بہت پیسے آپ کو بھیجے ہیں۔ میں نے کہا: کمائی اور خرچ مشترک رہا ہے، لہٰذا آپ کا جو حصہ شرعاً بنتا ہے، دینے کو تیار ہوں۔ حسبِ شریعتِ محمدی میری رہنمائی فرمائیں کہ میں اس بیٹے کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا یا کتنا حصہ دوں؟ جبکہ میرے دوسرے بیٹے بیٹیاں بھی موجود ہیں۔ (محمد افضل ولد غلام محمد، سکنہ پنگوموڑ، چنیوٹ)

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

① بیٹوں کی موجودگی میں بیوی کی وراثت سے خاوند کو چوتھا حصہ ملے گا۔ قال تعالیٰ: ﴿ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ﴾ [النساء: ١٢]

"اگر بیویوں کی اولاد ہو تو تمھیں چوتھا حصہ ملے گا۔"

جبکہ بقیہ سارا مال اولاد کے لیے ہوگا۔ بیٹی کو ایک حصہ، جبکہ بیٹوں کو دو دو حصے:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ﴾

[النساء: ١١]

"اللہ تعالیٰ تمھیں رہنمائی کرتا ہے کہ اولاد کو وراثت دو، بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر۔"

لہٰذا مسئولہ صورت میں سہولت کی خاطر مال کو 20 حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، پانچ حصے شوہر کے، چھے ایک بیٹے کے، چھے دوسرے بیٹے کے اور تین بیٹی کے لیے۔

② بیٹا اگر باپ کو وضاحت کر دیتا کہ اس نے جو مال دیا وہ بطور امانت کے ہے تو ایسی صورت میں اس کا مطالبہ کسی حد تک درست تھا، لیکن اگر آمد ورفت اور خرچ وغیرہ سب مشترکہ تھا، جیسا کہ مشرقی روایات میں ہوتا ہے کہ پہلے باپ کمائی کر کے بیٹوں کو پالتا ہے، پھر بیٹے باپ کو کما کر لا کر دیتے ہیں تو ایسی صورت میں بیٹا شرعی طور پر مال کا مطالبہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور شکایت کی کہ اس کا باپ اس کا مال ہڑپ کر جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

«أَنْتَ وَمَالُكَ لِوَالِدِكَ، إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ، فَكُلُوا مِنْ كَسْبِ أَوْلَادِكُمْ» (سنن أبي داود: 3530)

''تو اور تیرا مال تیرے والد کا ہے، بے شک تمھاری اولاد تمھاری بہترین کمائی ہے، لہٰذا تم اپنی اولاد کی کمائی سے کھا لیا کرو۔''

ایک اور روایت میں ہے: «أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ» (سنن ابن ماجه: 2291)

«أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ» (سنن ابن ماجه: 2291)

اہلِ علم کے ہاں یہ بحث تو موجود ہے کہ باپ بیٹے کے مال میں اپنے مال کی طرح حقِ ملکیت وتصرف رکھتا ہے کہ نہیں، البتہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ باپ بقدرِ حاجت وضرورت بیٹے کے مال کو استعمال کر لے تو بیٹا اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ہاں باپ کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی بیٹے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے یا کسی ایک بیٹے کا مال ہتھیا کر دیگر کو نوازتا رہے۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ مذکورہ حدیث میں ''اِجْتَاحَ'' یعنی مال ہتھیانے اور ہڑپ کرنے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے باپ کے اس عمل کی تصویب فرمائی ہے تو کیا باپ کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ممکن نہیں کہ نبی کریم ﷺ ظلم وستم برقرار رکھیں، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے مال سے بقدرِ حاجت وضرورت خرچ کرتا تھا اور بیٹا اسی خرچے کو ہتھیانا اور ہڑپ کرنا سمجھتا ہو گا، لہٰذا نبی کریم ﷺ نے بیٹے کو سمجھایا کہ یہ سوچ درست نہیں، درحقیقت تُو اور تیرا مال تیرے باپ کے لیے حلال ہے اور وہ تجھے اور تیرے مال کو بقدر حاجت وضرورت ویسے ہی استعمال کر سکتا ہے جس طرح اسے اپنے نفس اور مال میں تصرف حاصل ہے۔ واللہ أعلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ خطابی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"إذا احتاج إلى مالك أخذ منك قدر الحاجة كما يأخذ من مال نفسه، فأما أن يكون أراد به إباحة ماله حتى يجتاحه ويأتي عليه فلا أعلم أحدًا ذهب إليه" (معالم السنن: 166/3)

یعنی حدیث کا معنی یہ ہے کہ باپ بقدر حاجت وضرورت بیٹے کے مال میں تصرف کر سکتا ہے، بیٹے کے مال کو ہتھیانا یا برباد کرنا، حدیث کا یہ معنی کسی نے بھی بیان نہیں کیا۔

کئی ایک محدثین نے اس حدیث کو ذکر کر کے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اولاد پر والدین کی ضروریات و مصاریف کو پورا کرنا واجب وضروری ہے۔ یاد رہے کہ باپ کی ذمہ داری اولاد کی پرورش اور ان کی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ اگر کوئی بیٹا دودھ پیتا ہے تو اس کے دودھ کا بندوبست باپ کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی بیٹا تعلیم حاصل کر رہا ہے تو اس کے اخراجات باپ کے ذمہ ہیں۔ ضروریات میں مساوات کرنا بھی فرض نہیں، البتہ اگر بطور ہدیہ اور تحفے کے کچھ دیا جائے تو اس میں مساوات ضروری ہیں اور اس میں مذکر و مونث کا بھی فرق نہیں ہوگا۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے والد نے انھیں ایک غلام ہدیہ کیا، والدہ نے کہا کہ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا لیں، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا: آپ کی اس کے علاوہ بھی اولاد ہے؟ کہا: جی ہاں، فرمایا: ان سب کو بھی یہ تحفہ دیا ہے؟ عرض کیا: نہیں، آپ نے فرمایا: میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا، یا تو سب کو دیں یا پھر اس کو بھی واپس کریں، لہٰذا نعمان رضی اللہ عنہ سے وہ تحفہ واپس لے لیا گیا۔ (صحیح البخاري: 2586، 2587، 2650)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ بیٹا باپ سے تین میں سے ایک صورت میں مال لے سکتا ہے:

① بیٹے کی پڑھائی لکھائی یا روز مرہ ضرورت ہو، اس پر باپ حسب ضرورت و استطاعت خرچ کرے گا۔

② باپ تحفہ دے، لیکن اس میں سب اولاد میں برابری ضروری ہو گی۔

③ بیٹے نے باپ کے پاس امانت رکھوائی ہو۔

صورتِ مسؤلہ تینوں میں سے کوئی بھی نہیں، لہٰذا بیٹے کا مطالبہ بھی درست نہیں اور باپ کا اسے الگ سے پیسے دینا بھی جائز نہیں ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

سوال ایک بیٹا مشترکہ طور پر والدین کے ساتھ رہ رہا تھا، یعنی ہنڈیا اور کھانا پینا اکٹھا تھا۔ پورے گھر میں تعمیراتی کام ہو رہے تھے، اسی سلسلے میں اس نے والد کے رہنے والی کچی جگہ کو از سر نو پکی تعمیر کروا دیا، صرف والدین کے ساتھ حسن سلوک سمجھ کر یہ کام کیا گیا، اس میں یہ تعیین نہیں تھی کہ کون سی جگہ کس کی ہے، والد کی وفات کے بعد بیٹے نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ میرے اکیلے کی جگہ ہے، کیونکہ یہ میں نے بنائی ہے، اس کی تعمیر پر سارا میرا پیسہ خرچ ہوا ہے۔ کیا ایسی صورت میں اس گھر کو باپ کی وراثت سمجھ کر سب میں تقسیم کیا جائے گا، یا پھر اکیلے اسی بیٹے کو ملے گا؟ قرآن وسنت سے راہنمائی فرمائیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

ہماری مشرقی روایات میں یہ بات معروف ہے کہ باپ اپنی اولاد کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے اور بچوں کی نگہداشت، نشوونما، تعلیمی خرچہ اور ہر طرح کا تعاون کرتا ہے۔ مثلاً: ایک بچے نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی ہے تو والد اس کے تمام تعلیمی اخراجات پورے کرتا ہے۔ پھر جوں جوں بچے جوان ہوتے جاتے ہیں تو وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے باپ کے دست و بازو بنتے ہیں اور محنت و مزدوری کر کے اور کما کر اپنے باپ کو دیتے ہیں اور باپ اپنی صواب دید کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ جاگیر، پراپرٹی، بینک بیلنس یہ مکمل جائیداد باپ کی ہی تصور ہوتی ہے۔

یہ برخوردار سعودیہ گیا ہے، اس نے پیسہ کمایا ہے اور پھر مکانوں کی مرمت و تعمیر کی ہے تو یہ سب کام اس نے والد پر حسنِ سلوک، احسان اور اچھا برتاؤ کرتے ہوئے کیے ہیں نہ کہ اپنی ملکیت بنانے کے لیے۔

اگر بچہ اپنے باپ کو وضاحت کر دیتا کہ ابا جان! یہ جو پیسے میں بھیج رہا ہوں یہ آپ کے پاس بطورِ امانت ہیں اور مستقبل میں جہاں خرچ ہوں گے وہ جگہ میری ملکیت ہوگی، تو پھر بیٹے کے مطالبے میں کوئی حقیقت تھی، لیکن سوال سے پتا چل رہا ہے کہ ایسی کوئی وضاحت موجود نہیں تھی۔ لہٰذا باپ کی وفات کے بعد یہ مکان مشترکہ ترکہ ہے۔ اس میں سب ورثاء شریک ہوں گے۔ بیٹے کا اپنی ملکیت ہونے کا اصرار کرنا غلط ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

سوال ایک قطعہ زمین باپ اور تین بیٹوں نے مل کر خریدا ہے، جبکہ ان کے دو بھائی اور تین بہنیں بھی ہیں۔ دونوں بھائی چھوٹے ہیں اور تعلیم حاصل کرتے ہیں، باپ کاشتکاری کرتے ہیں۔ زمین کی آمدن بھی باپ کے پاس ہے، تینوں بیٹے ملازمت کرتے ہیں اور زمین کا خرچہ اور دونوں بھائیوں کی تعلیم کے اخراجات بھی تینوں بھائی برداشت کرتے ہیں۔ زرعی زمین مشترکہ کھاتہ ہے جس میں سے آج تک تینوں بیٹوں کو آمدن میں سے کچھ نہیں ملا، وہ اپنا اور اپنے بچوں کا خرچہ اپنی ملازمت سے پورا کرتے ہیں۔ صورتِ مسئولہ میں قطعۂ زمین کے حق دار کون ہیں؟ باپ اور تین بیٹے یا باپ اور سارے بہن بھائی؟ اب چھوٹے بھائیوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے زمین خریدی ہے اور اپنے نام لگوائی ہے۔ براہ کرم رہنمائی فرما دیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

زمین کا یہ ٹکڑا جو باپ اور تین بیٹوں نے مل کر خریدا ہے، اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

① بیٹوں نے زمین خرید کر رواداری، ہمدردی اور خدمت کے جذبے سے باپ کے نام کرا دی ہو۔ اس صورت میں وہ زمین صرف ان تین کی نہیں، بلکہ تمام کی جائیداد ہو گی۔

② اگر وہ زمین اس نیت سے خریدی ہے کہ ہر ایک خریدتے ہوئے جتنا حصہ ڈالے گا، وہ اتنے کا مالک ہو گا، تو پھر بقدرِ حصہ وہی اس زمین کے مالک ہوں گے۔ لہٰذا جب اس زمین کو تقسیم کیا جائے گا تو ان کو ان کی ادا کردہ قیمت کے مطابق حصہ دیا جائے گا۔ اور اگر اس زمین کو فروخت کیا جائے گا تو ان کو بقدر حصہ رقم ادا کی جائے گی۔

اس کے علاوہ جو باقی زمین ہو گی، وہ شرعی حصص کے مطابق تمام ورثاء میں تقسیم کی جائے گی اور یہ تینوں بھی اس میں شرعی حصص کے مطابق شریک ہوں گے۔

❁ لیکن صورتِ مسئولہ سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ انھوں نے رواداری اور ہمدردی کرتے ہوئے زمین اپنے باپ کے نام لگوا دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھر کے تمام اخراجات اور بھائیوں کی تعلیم پر خرچ اور کاشت پر جتنا خرچ آتا ہے وہ بھی وہی ادا کرتے ہیں۔ اور کاشتکاری سے جتنی آمدن آتی ہے اس سے بھی کچھ نہیں لیتے اور اپنے بچوں کی تعلیم کے اخراجات اپنی ملازمت سے ہی پورے کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، اچھے لوگ والدین اور بہن بھائیوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے اسی طرح کا حسنِ سلوک اور برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ ان کی نیت کے مطابق ان کے لیے صدقہ لکھا جائے گا، جیسا کہ حدیث میں ہے:

((إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ))

(صحيح البخاري: 55)

"جب مرد اپنے اہل وعیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے حق میں صدقہ بن جاتا ہے۔"

- جس زمین کی قیمت باپ نے ادا کی وہ بھی بقدر حصص شرعی تقسیم ہوں گے بشرطیکہ باپ کی وفات کے بعد تقسیم کی جائے۔ اور اگر باپ کی زندگی میں زمین کو تقسیم کیا جائے تو تمام بہن بھائی برابر کے شریک ہوں گے۔

چھوٹے بھائیوں نے جو زمین خریدی ہے، اس کا بھی سابقہ ہی حکم ہے، تو وہ بھی اگر انھوں نے مشترکہ طور پر خریدی ہے اور رواداری سے باپ کے نام لگوا دی ہے تو اس میں بھی سب برابر کے شریک ہوں گے۔ اور اگر انھوں نے خود اپنے طور پر خریدی ہے اور اپنے نام لگوائی ہے، تو وہی اس کے مالک ہیں، اس میں دوسرے لوگ شریک نہیں ہوں گے۔ هذا ما عندنا والله أعلم بالصواب

والد کی وفات کے بعد بھائی کی کمائی میں بہن بھائیوں کا حصہ:

سوال ایک شخص فوت ہوا، اس کی سات بیٹیاں، تین بیٹے اور ایک بیوہ تھی۔ جب فوت ہوا تو ان کے پاس چھوٹا سا کارخانہ تھا جس میں کچھ مشینیں تھیں، اس کی مالیت دو لاکھ یا پونے دو لاکھ لگا لیں۔ تو میت کے بڑے بیٹے نے کاروبار کو سنبھالا، چونکہ تجربہ نہیں تھا، چھ مہینے یا سال بعد مکمل مال اور کاروبار ختم ہو گیا۔ بلکہ قرض ہو گیا، اس کے بعد بیٹے نے دن رات محنت کی اور قرض لے کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کاروبار کو آگے بڑھایا۔ اب وہ کاروبار بڑھ گیا اور کروڑوں تک پہنچ گیا ہے۔ ایسی شکل میں اب اس کاروبار میں بہن بھائیوں کا حصہ بنتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں قرآن وسنت سے وضاحت فرما دیں۔ یاد رہے کہ ہمارا گھرانہ اکٹھا ہی تھا، لیکن کاروبار کو چلانے والے اور محنت کرنے والے بڑے بھائی ہی تھے، پھر کچھ سال پہلے ایک اور بھائی بھی ساتھ مل گیا تھا، بقیہ سب بہن بھائیوں نے اس کاروبار میں شرکت نہیں کی۔ اس صورتِ حال میں شرعی اعتبار سے ہماری رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا

جواب الحمد للّٰه وحده، والصلاة والسلام علی من لا نبي بعده، أما بعد!

فوت ہونے والے کا کاروبار اور اس کے اثاثے اس کی وراثت تصور ہوں گے، جو سب ورثاء یعنی بیٹے بیٹیوں اور بیوہ کی ملکیت ہوگا۔ اس میں ہونے والے نفع کے بھی سب مستحق ہیں اور نقصان کے بھی سب ذمہ دار ہیں۔

ورثاء میں سے کسی ایک نے اگر کاروبار کے لیے محنت کی، یا اس کے لیے قرض وغیرہ لیا ہے تو مشترکہ کھاتے سے ہی وہ قرض ادا کیا جائے گا۔

ورثاء میں سے کسی ایک نے یا زیادہ لوگوں نے اس کاروبار پر محنت کی ہے، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے لیے معروف طریقے سے حق الخدمت طے کیا جائے اور پھر حساب کتاب کر کے انھیں ان کی محنت کے مطابق ان کا حقِ خدمت بھی ادا کیا جائے۔

قرض اور حقِ خدمت ادا کر کے جو رقم بچے یا بقیہ کاروبار کے جو بھی اثاثے ہیں، انھیں ورثاء میں شریعت کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔ مثلاً اگر ورثاء میں بیٹے بیٹیاں اور بیوہ ہیں، تو بیوہ کو آٹھواں حصہ ملے گا اور بقیہ تمام مال اولاد میں تقسیم ہوگا، بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا۔ وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين.

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال ہبہ سے متعلق مفتی صاحب کی خدمت میں چند گزارشات کرنے کے بعد کتاب وسنت کی روشنی میں فتویٰ حاصل کرنا چاہتا ہوں:

میرے سمیت ہم تین بھائی اور ایک بہن ہیں، ہمارے والد صاحب کی گھر کی جگہ کی قیمت 6 لاکھ روپے تھی جو آج سے تقریباً 10 سال پہلے فروخت کی جا چکی ہے۔ والد محترم کے ساتھ رہتے ہوئے میں نے اپنی ذاتی کمائی سے مکان کی تعمیر میں 65 ہزار روپیہ لگایا ہے۔ یہ وہ مکان ہے جو بعد میں 6 لاکھ کا فروخت ہوا ہے۔ اسی دوران میں دوسرے بھائی نے اپنی ذاتی کمائی میں سے نشتر کالونی لاہور میں تین مرلہ کا پلاٹ خریدا، اس کی مالیت تقریباً سات لاکھ روپے تھی جبکہ وہ ہمارے ساتھ رہتا تھا۔ اس دوران میں اس بھائی نے تقریباً دو سال تک گھر میں خرچہ نہیں دیا۔ اب 6 لاکھ والد نے دو، دو، لاکھ تین بھائیوں میں تقسیم کر دیے ہیں اور بڑے بھائی نے دو لاکھ والد صاحب کو واپس کر دیے ہیں۔ والدین نے ان پیسوں سے عمرہ کر لیا ہے۔

وضاحت طلب بات یہ ہے کہ بہن کو دو بھائی حصہ دینے کے پابند ہیں یا تینوں دیں گے؟ اور سائل نے جو 65 ہزار تعمیر میں لگایا اور دوسرے بھائی نے جو سات لاکھ کی پراپرٹی خریدی والد صاحب کے ساتھ رہتے ہوئے، یہ کس طرح تقسیم ہوگی؟ کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرما دیں۔ (محمد حسین ولد محمد شفیع)

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

پہلے تو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اگر باپ اپنی اولاد کو بطورِ ہبہ یعنی ہدیہ اور تحفے کے کچھ دینا چاہتا ہے تو اس میں مساوات ضروری ہیں اور اس میں وراثت کی طرح مذکر ومؤنث کا بھی فرق نہیں ہوگا۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے والد نے انھیں ایک غلام ہدیہ کیا، والدہ نے کہا کہ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر نبی کریم ﷺ کو گواہ بنا لیں، جب نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا: آپ کی اس کے علاوہ بھی اولاد ہے؟ کہا: جی ہاں، فرمایا: ان سب کو بھی یہ تحفہ دیا ہے؟ عرض کی: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا، یا تو سب کو دیں، یا پھر اس کو بھی واپس کریں۔'' لہٰذا نعمان رضی اللہ عنہ سے وہ تحفہ واپس لے لیا گیا۔

(صحیح بخاري: 2586، 2587، 2650)

لہٰذا آپ کے والد محترم نے جو صرف اپنے بیٹوں میں پیسے تقسیم کیے ہیں اور بیٹی کو کچھ نہیں دیا، یہ درست نہیں، بلکہ جتنا آپ بھائیوں کا حصہ ہے، اتنا آپ کی بہن کو بھی دیا جائے گا۔

آپ نے اپنی ذاتی کمائی سے جو 65 ہزار روپیہ مشترکہ مکان کی تعمیر میں لگایا تھا وہ آپ کو واپس کیا جائے گا۔ اسی طرح آپ کے بھائی نے جو ذاتی کمائی سے الگ پلاٹ لیا ہے، وہ بھی اسی کی ملکیت ہے، وہ آپ کے باپ کے مال میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ ہاں البتہ جس طرح آپ دو سال تک گھر کا خرچ چلاتے رہے ہیں، اپنے بھائی کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے رہے ہیں، اگر وہ بھی نیکی اور صلہ رحمی کے طور پر اپنے اس پلاٹ میں سے آپ کو کوئی حصہ دے تو یہ ایک مستحسن عمل ہے، لیکن وہ اس کا پابند نہیں ہے۔ آپ کے والد محترم کے ہبہ میں آپ کے بھائی کا بھی برابر حصہ ہے، لیکن اگر اس نے نہیں لیا یا انھیں پیسوں سے والدین کو عمرہ کروا دیا ہے تو یہ ایک بہترین نیکی اور صلہ رحمی ہے۔

آپ کے والد صاحب کے 6 لاکھ سے آپ کا 65 ہزار آپ کو واپس کیا جائے گا، بقیہ رقم (پانچ لاکھ پینتیس ہزار) کو برابر چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، اور آپ چاروں بہن بھائیوں میں سے ہر ایک کو (ایک لاکھ تینتیس ہزار سات سو پچاس)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روپے حصے میں آئیں گے۔ لہٰذا آپ کے وہ بھائی جو اس سے زائد رقم لے چکے ہیں وہ واپس کریں، تاکہ آپ کی بہن کا حصہ انھیں مل جائے۔ واللہ أعلم بالصواب

سوال ہم گاؤں میں رہتے تھے جہاں ہماری رہائشی زمین تھی، پھر ہم دو بھائی لاہور آگئے اور ہم نے اپنی کمائی سے یہاں گھر بنا لیے۔ ہم دونوں کے ذاتی مکان ہیں، ان میں والدین کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اب ہم نے بھائیوں سے گاؤں والی مشترکہ زمین سے حصہ مانگا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آپ بھی ہمیں لاہور والے گھر سے حصہ دیں، کیا ان کا یہ مطالبہ درست ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

آپ کے بھائیوں کا یہ مطالبہ درست نہیں ہے، کیونکہ وہ اس جائیداد میں حصہ دار ہیں جو والدین سے وراثت میں ملی ہو۔ جو لاہور میں مکانات بنائے گئے ہیں وہ تو آپ دو بھائیوں نے اپنی محنت سے بنائے ہیں۔ جب ان مکانات میں والدین کا کوئی عمل دخل نہیں ہے تو ان مکانات سے بھائیوں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

سوال والد کے ترکہ (9 لاکھ) سے 2004ء میں کاروبار شروع کیا، جس میں دو بہنیں اور تین بھائی (سعد، معاذ، شہباز) شریک تھے۔ 2009ء تک اکیلے شہباز نے کاروبار کیا اور گھر کے اخراجات اسی سے نکلتے رہے۔ اس وقت تک راس المال 9 لاکھ سے بڑھ کر 25 لاکھ ہو چکا تھا۔ پھر والدہ نے معاذ کو بھی شہباز کے ساتھ کام پہ بھیجنا شروع کر دیا۔ 2015ء تک معاذ کام سیکھتا رہا اور بھائی کا معاون رہا۔ معاذ نے اپنے کام کے عوض کوئی مقرر وظیفہ نہیں لیا، مشترکہ کھاتہ ہی چلتا رہا۔ یہ کاروبار 60 لاکھ تک پہنچ گیا۔ اب معاذ کام مکمل طور پہ سیکھ چکا تھا۔ اسی سال والد کے ترکہ کی زمین سے جس کے لیے شہباز کیس لڑتا رہا 67 لاکھ حاصل ہوئے، جن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں سے والدہ کی ہدایت کے مطابق 24 لاکھ بہنوں کو دے دیا گیا، اور 10 لاکھ سعد کو ملا جبکہ 5 لاکھ معاذ نے وصول کیا اور اس کا بقیہ 5 لاکھ کاروبار میں لگایا گیا، اسی طرح والدہ کا حصہ 9 لاکھ بھی کاروبار میں شامل ہوا اور بقیہ 14 لاکھ شہباز کا بھی۔ والدہ کے حکم پر سعد اور دو بہنوں کا حساب بے باک کر کے ان کا کاروباری حصہ شہباز نے لے لیا۔ اب کاروبار میں شہباز، معاذ اور والدہ کا حصہ رہ گیا جو آج تک جاری ہے اور کاروبار اڑھائی کروڑ تک پہنچ چکا ہے۔ دریں صورت موجودہ راس المال میں کس کا کتنا حصہ بنے گا؟ أفیدونا ماجورین.

جواب الحمد للّٰہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

9 لاکھ ترکہ تین بھائیوں اور دو بہنوں پہ تقسیم کیا جائے تو ہر بہن کا حصہ 112500 اور ہر بھائی کا حصہ 225000 بنتا ہے۔ یعنی جب کاروبارہ شروع کیا تو راس المال میں شہباز کا چوتھا حصہ یعنی 225000 شامل تھا جبکہ باقی 675000 دیگر افراد کا تھا۔ لہٰذا شراکت کے شرعی اصول کے مطابق نفع میں سے بھی ایک چوتھائی شہباز کا حق ہے اور باقی نفع میں سے بھی آدھا شہباز کی محنت کی وجہ سے اسے ملے گا اور باقی ماندہ دیگر شرکاء میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم ہوگا۔ 2009ء تک یہ کاروبار 25 لاکھ تک پہنچا تو اس میں راس المال 9 لاکھ اور 16 لاکھ نفع تھا۔ اس سولہ لاکھ نفع میں سے ایک چوتھائی یعنی 4 لاکھ صرف شہباز کا ہے اس کے راس المال اور محنت کی وجہ سے اور باقی 12 لاکھ میں سے 6 لاکھ شہباز کو اس کی محنت کے عوض مل گیا اور دوسرے 6 لاکھ میں سے دو دو لاکھ سعد اور معاذ کے حصے میں، جبکہ ایک ایک لاکھ دونوں بہنوں کے حصوں میں آیا۔ یوں شہباز کا راس المال +600000+400000 225000=1225000 ہو گیا اور سعد اور معاذ میں سے ہر ایک کا راس المال بڑھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر 425000 اور ہر بہن کا 212500 ہو گیا۔

اس کے بعد کاروبار کا دوسرا دور شروع ہوا جس میں معاذ اپنے بھائی شہباز کے ساتھ کام پہ جانے لگا۔ اس وقت راس المال 25 لاکھ میں سے ساڑھے بارہ لاکھ یعنی آدھا شہباز کا تھا اور باقی آدھا سعد، معاذ اور دو بہنوں کا تھا۔ معاذ کے شاملِ کاروبار ہونے کے بعد 2015ء تک یہ کاروبار 60 لاکھ تک پہنچا۔ اس ساٹھ لاکھ میں 25 لاکھ راس المال اور باقی 35 لاکھ نفع تھا۔ اس 35 لاکھ نفع میں محنت کرنے والے دو افراد معاذ اور شہباز تھے۔ معاذ چونکہ نو آموز تھا سو نفع کمانے میں یہ شہباز کا برابر کا شریک نہیں ہو سکتا۔ لیکن کم از کم چوتھے حصہ کا ضرور حق دار ٹھہرتا ہے کہ وہ مسلسل سیکھتا رہا اور 2015 تک وہ مکمل ماہر بن گیا۔ لہٰذا 35 لاکھ نفع میں سے چونکہ آدھا یعنی 17 لاکھ 50 ہزار محنت کے عوض اور باقی آدھا راس المال کے عوض ہے سو ساڑھے سترہ لاکھ میں سے ایک چوتھائی یعنی 437500 معاذ کا اور باقی 1312500 شہباز کی محنت کا صلہ ہے۔ باقی نصف یعنی ساڑھے سترہ لاکھ میں سے آدھا یعنی 875000 شہباز کا ہے کیونکہ وہ آدھے راس المال کا مالک تھا۔ اور باقی 875000 میں دونوں بھائی اور دونوں بہنیں شریک تھے۔ یعنی 291666 سعد کے اور اتنے ہی معاذ کے اور 145833 ہر بہن کے حصے میں آئے۔ گویا ساٹھ لاکھ اس طرح درج ذیل لوگوں میں تقسیم ہو گا:

شہباز کا رأس المال: 3412500

معاذ کا رأس المال: 1154166

سعد کا رأس المال: 716666

ہر بہن کا رأس المال: 358333

دونوں بہنوں کا حصہ 716666=358333+35833 اور سعد کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

716666 یعنی کل 1433332 روپے شہباز نے اپنے حصے میں شامل کر کے ان کا حساب بے باک کر دیا۔ یوں شہباز کا رأس مال =1433332+3412500 4845832 ہو گیا اور باقی 1154168 معاذ کا رأس اس ساٹھ لاکھ میں شامل رہا۔

پھر اس میں مزید 9 لاکھ والدہ کا حصہ، 5 لاکھ معاذ کا حصہ اور 14 لاکھ شہباز کا حصہ شامل ہوا۔ جس کے نتیجہ میں شہباز کا رأس المال 6245832 روپے اور معاذ کا رأس المال 1654168 روپے ہوا۔ اس میں 9 لاکھ والدہ کے شامل کر کے 88 لاکھ روپے رأس المال بن گیا۔ جو آج بڑھ کر اڑھائی کروڑ کو پہنچا ہے۔ اس 25000000 میں سے 88 لاکھ راس المال اور باقی 16200000 روپے نفع ہے۔ جس میں سے آدھا یعنی 8100000 محنت کا عوض اور باقی آدھا رأس المال کا عوض ہے۔ اور نفع میں معاذ اور شہباز چونکہ برابر کے شریک رہے لہٰذا 4050000 معاذ کا حصہ اور اتنا ہی 4050000 شہباز کا حصہ ہے۔ باقی اکیاسی لاکھ نفع رأس المال کے تناسب سے تین شرکاء یعنی معاذ، شہباز اور ان کی والدہ کے درمیان تقسیم ہو گا۔ یعنی والدہ کا 828000 روپے، معاذ کا 1522000 روپے اور 5750000 روپے شہباز کا حصہ ہے۔

نفع اور رأس المال کو جمع کرنے کے نتیجہ میں اڑھائی کروڑ درج ذیل طریقے سے تقسیم ہو گا:

شہباز: 1604583264۔183 فیصد

معاذ: 722616828۔904 فیصد

والدہ: 17280006۔913 فیصد

میت کے بیمہ کی وراثت کا حکم:

سوال ایک بھائی کسی کمپنی میں جاب کرتے تھے، کینسر کی وجہ سے اچانک فوت ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گئے۔ اب اس کے ماں باپ کو بیمہ کی رقم ملی ہے۔ ماں باپ کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔تو کیا وہ اس رقم کو استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

بیمہ شدہ آدمی جو فوت ہوا ہے، اس کو بیمہ سے جو رقم ملنی ہے وہ تین قسم کی ہو سکتی ہے:

اس کی اصل رقم جو اس نے بیمہ کمپنی والوں کو ادا کی ہوگی۔تو جو رقم اس نے ادا کی ہے، اس کے والدین کے لیے اتنی رقم لینا جائز ہے۔

بیمہ کمپنی کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف لوگوں سے بیمہ کی رقم جمع کر کے اسے آگے بھاری شرح سود پر بطور قرض دے دیتے ہیں، لہٰذا بیمہ کروانے والا جب فوت ہوتا ہے یا اس کا کوئی نقصان ہوتا ہے تو اسی سود سے حاصل کردہ رقم سے اس کے ساتھ مدد کی جاتی ہے۔ یہ چونکہ واضح سود ہے، اس لیے یہ اضافی رقم لینا قطعاً درست نہیں۔

ایک صورت یہ بتائی جاتی ہے کہ بیمہ کمپنی لوگوں سے پیسے لے کر، اس رقم کو کاروبار پر لگاتے ہیں اور حاصل ہونے والے نفع (پرافٹ) کو بیمہ کروانے والوں پر ان کی رقم کے تناسب سے تقسیم کر دیتے ہیں۔ یہ بھی بہر حال مشکوک ہے۔ہمیں کوئی پتا نہیں وہ کس قسم کے کاروبار میں لگاتے ہیں، بلکہ لگاتے بھی ہیں یا صرف فرضی طور پر لوگوں کو باور کروا دیتے ہیں۔

لہٰذا ہمارا موقف یہ ہے کہ بیمہ اور انشورنس وغیرہ قطعاً نہیں کروانی چاہیے اور اگر کسی نے کروالی ہے تو وہ یا اس کے لواحقین صرف اصل رقم واپس لے سکتے ہیں، اضافی رقم لینا درست نہیں۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برائے نام رجسٹری کروانے سے ملکیت منقطع نہیں ہوتی:

سوال جناب عالی! قرآن و حدیث کی روشنی میں درج ذیل سوال کے جواب میں مفصل فتویٰ جاری فرمائیں:

اب سے چالیس سال قبل میں نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے ذاتی سرمائے مبلغ تیس ہزار روپے کی قیمت پر ایک قطعہ اراضی برقبہ دو کنال تین مرلے خریدنے کا سودا طے کیا۔ بعد ازاں زمین ہذا کی رجسٹری اپنے نام منتقل کروانے کے لیے موقع پر صورتحال کچھ اس طرح بن گئی کہ زمین ہذا کا سابقہ مالک بیرونِ ملک برطانیہ جانے کے لیے تیار تھا اور کچہری میں رجسٹری کروانے کے لیے تمام رقبے کی یکمشت رجسٹری کرانے میں اسٹام حاصل کرنے کے لیے کچھ دن کا وقت درکار تھا۔

دوستوں، عزیز و اقارب اور قانونی مشورے کے بعد فوری طور پر میں نے اپنے اور اپنے حقیقی پسر (جس کی عمر سات سال تھی) کے نام مشترکہ رجسٹری کروا لی۔ اس وقت صرف قانونی مجبوری کی وجہ سے ہی زمین مشترکہ طور پر خریدی گئی، جبکہ زمین ہذا کی تمام رقم میں نے اپنی ذاتی جیب سے خرچ کی تھی۔ گویا مشترکہ نام صرف امانت کے طور پر ہی استعمال کیا گیا تھا۔ درحقیقت اس زمین کا میں واحد مالک ہوں۔

بعد ازاں میرا مذکورہ پسر حقیقی بڑا ہو کر اپنی شادی کے چند ماہ بعد ایک ٹریفک حادثے کا شکار ہو کر دنیا سے چل بسا، اس کی وفات کے بعد اس کی ایک بیٹی پیدا ہوئی جو بقیدِ حیات ہے۔ جناب عالی! یہ وضاحت فرما دیں کہ کیا اس زمین کا میں شرعی طور پر واحد مالک ہوں یا پھر میری بہو اور پوتی کا دعویٰ درست ہے کہ وہ بھی اس میں بحیثیت ورثا شامل ہیں؟ (العارض: خوشی محمد)

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر باپ کا بیان درست ہے کہ اس نے صرف قانونی پیچیدگی کی وجہ سے زمین بیٹے کے نام کروائی تھی تو پھر شرعی طور پر یہ بیٹا زمین کا مالک نہیں ہے، بلکہ وہ ساری زمین اس کے باپ کی ہی ہے، لہٰذا بہو اور پوتی کے پاس اس زمین سے وراثت کا دعویٰ کرنے کا حق نہیں ہے۔

سائل نے جیسا کہ خود اقرار کیا کہ قانونی طور پر وہ زمین باپ بیٹے کے درمیان مشترکہ تھی تو باپ کو چاہیے تھا کہ اگر اس نے کسی مجبوری کے تحت یہ کام کیا تھا تو اُس وقت اسٹام وغیرہ کرا لیتا کہ یہ زمین میں نے اپنے بیٹے کے نام قانونی پیچیدگی کی وجہ سے کرائی ہے، وہ اس کا مالک نہیں ہے۔ تاکہ اب عدالت میں وہ اسٹام پیش کر کے مکمل زمین اپنے نام کروا لیتا۔

لیکن اگر اس نے ایسے نہیں کیا تو جس طرح شروع میں قانونی پیچیدگی کے سبب زمین بیٹے کے نام کروائی، اب بھی ایک قانونی مشکل سے بچنے کے لیے بیٹے کو مالک مانتے ہوئے بہو اور پوتی کو حصہ دینا چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے بیٹے کو مشترکہ مالک مان بھی لیتا ہے تو آدھی زمین ہی اس کے بیٹے کے حصے میں جائے گی، دوسری آدھی تو اسی کی ہے۔ اور پھر جو آدھی بیٹے کے نام آئے گی، اس میں بھی آٹھ حصے کیے جائیں گے، تو تین حصے بطور باپ اسی کے ہیں، جبکہ اس کی بہو کو بطور بیوی ایک حصہ ملے گا اور اس کی پوتی کو بطور بیٹی چار حصے ملیں گے۔

یہ احسان بھی ہے، حسنِ سلوک بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔ مال میں برکت کا سبب، دنیا میں نیکی نامی کا ذریعہ اور آخرت میں باعثِ اجر و ثواب ہے، ان شاء اللہ۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

میت کی اولاد ہو تو اس کی بہن حصے دار نہیں ہوتی:

سوال ہم چار بھائی اور ایک بہن ہے۔ ہمارے والد صاحب اٹھارہ سال قبل وفات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پا چکے تھے اور والدہ کی وفات کو آٹھ سال ہو چکے ہیں، جبکہ ہماری پھوپھو (والد صاحب کی بہن) کی اڑتیس سال پہلے وفات ہوئی تھی۔ البتہ اس کی اولاد زندہ ہے، کیا اس پھوپھو کا ہمارے والد صاحب کی وراثت میں حصہ بنتا ہے کہ نہیں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

مذکورہ صورتِ حال میں اگر پھوپھو زندہ بھی ہوتی تب بھی اس کو کوئی حصہ نہیں ملنا تھا، لیکن یہ تو والد (مورِث) کی وفات سے بھی پہلے وفات پا چکی ہے۔ جو کسی کی زندگی میں فوت ہو جائے وہ خود بخود ہی حصہ وراثت سے کٹ جاتا ہے۔ ویسے بھی جب میت کی اولاد موجود ہو تو اس کی بہنیں وغیرہ وارث نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نہ پھوپھو کو کچھ ملے گا، اور نہ اس کی اولاد کو۔

مفلوج بیٹے کا باپ کی وراثت میں حصہ:

سوال ایک شخص کے تین بیٹے ہیں۔ ایک بیٹا جس کی عمر تیس سال ہے، وہ پیدائشی ذہنی وجسمانی طور پر مفلوج ہے، اسے اپنے اردگرد کا ایک فیصد بھی علم نہیں۔ صرف اس کا سانس چل رہا ہے تو کیا والد کے ترکہ میں اس کا بھی حصہ نکالا جائے گا؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

کسی بھی انسان کا فوت ہونے والے کے ساتھ تین میں سے کوئی بھی ایک تعلق ہو گا تو وہ اس کا شرعی وارث بن سکتا ہے، ان تین قسم کے تعلقات کو اسبابِ وراثت کہا جاتا ہے، جو درجِ ذیل ہیں:

① رحم: یعنی خونی رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔

② نکاح: یعنی میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔

③ ولاء: یعنی اگر کوئی کسی غلام کو آزاد کرے یا کروائے تو وہ اس کا وارث بن سکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہاں البتہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو وراثت میں رکاوٹ بن سکتی ہیں:

① **قتل:** اگر کوئی وارث اپنے مورّث کو قتل کر دے تو اسے وراثت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«لَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا» (سنن أبي داود: 4564، سنن الترمذي: 2109)

''قاتل کو وارثت میں سے کچھ نہیں ملتا۔''

② **اختلافِ دین:** دونوں میں سے کوئی ایک کافر ہو، تو تب بھی وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الكَافِرَ وَلَا الكَافِرُ الْمُسْلِمَ»

(صحيح البخاري: 6764، صحيح مسلم: 1614)

''مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا اور نہ کافر مسلمان کا۔''

③ اسی طرح غلام بھی وارث نہیں ہو سکتا۔

صورتِ مسئولہ میں مفلوج بیٹے کا باپ سے خونی رشتہ ہے اور وراثت میں رکاوٹ بننے والے اسباب میں سے بھی کوئی سبب نہیں پایا جا رہا ہے، ذہنی مفلوج ہونا یا ہوش و حواس میں نہ ہونا یہ کسی کو وراثت سے محروم نہیں کرتا۔ لہٰذا دیگر بیٹوں کی طرح یہ بھی وراثت میں برابر کا شریک ہو گا۔ ایک آدمی اس کا وکیل بن جائے، جو اس کا حصہ ہے، اس میں سے اس پر خرچ کرے اور اس کی دیکھ بھال کرے، اور اگر اس کا علاج ممکن ہے تو علاج کروائے۔ هذا ما عندنا والله أعلم بالصواب

ایک بیوی، ربیبہ، منہ بولی بیٹی اور بھتیجے کی وراثت:

سوال ایک میت کے ورثاء میں اس کی بیوی، ربیبہ، متبنی بیٹی اور بھتیجا زندہ ہے۔ ان میں وراثت کی تقسیم کیسے ہو گی؟ أفيدونا مأجورين

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

کوئی بھی انسان کسی دوسرے کا شرعی وارث تین میں سے ایک وجہ سے بنتا ہے، گویا اسبابِ وراثت تین ہیں:

① رحم: یعنی خونی رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔

② نکاح: یعنی میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔

③ ولاء: یعنی اگر کوئی کسی غلام کو آزاد کرے یا کروائے تو وہ اس کا وارث بن سکتا ہے۔

اس کے علاوہ کوئی کسی کا شرعی وارث نہیں بن سکتا، ہاں البتہ اگر میت اپنی زندگی میں کسی کو وصیت کر جائے تو شرعی حدود و قیود کا خیال رکھتے ہوئے اس شریعت کا نفاذ ہوگا۔ سوال میں ذکر کردہ لوگوں میں ربیبہ (بیوی کی بیٹی جو پہلے خاوند سے ہو) اور متبنیٰ (منہ بولا بیٹا یا بیٹی) کا میت کے ساتھ مذکورہ تینوں تعلقات میں سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا انھیں وراثت میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ البتہ بیوی اور بھتیجا کو وراثت میں حصہ ملے گا، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

چونکہ میت کی اولاد نہیں، لہٰذا بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ﴾ [النساء: ۱۲]

”اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو بیویوں کے لیے چوتھا حصہ ہے۔“

اور بقیہ سب مال بطورِ عصبہ بھتیجے کے لیے ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«أَلْحِقُوا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ»

(صحيح البخاري: 6737)

”متعین اور فرض حصے دینے کے بعد، بقیہ سارا قریبی مذکر رشتہ دار کو دے دیں۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور یہاں مذکر رشتہ دار صرف بھتیجا ہی ہے۔ کل مال کے چار حصے کر کے ایک حصہ بیوی کو دے دیا جائے اور بقیہ تین حصے بھتیجے کو۔ وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

چھے بھائی اور دو بہنوں کی وراثت:

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک پلاٹ میرے والد نے دو لاکھ میں خریدا تھا۔ اب اس کی قیمت 37 لاکھ روپے ہے اور میرے والدین فوت ہو چکے ہیں۔ 6 بھائی اور دو بہنیں ہیں تو کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟ اور جب والد نے دو لاکھ کا پلاٹ خریدا تھا تو اس میں ایک بھائی نے ایک لاکھ روپیہ دیا تھا تو اب اس بھائی کا حصہ زیادہ ہوگا یا برابر؟ یہ بھی وضاحت فرما دیں۔

جواب الحمد للّٰہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

آپ کے والد نے جو پلاٹ دو لاکھ روپے میں خریدا تھا، اس کے نصف حصہ کا مالک آپ کا وہ بھائی ہے جس نے آدھی قیمت ادا کی تھی، لہٰذا 3700000 میں سے 1850000 تو اس کے ہیں۔ باقی 1850000 میت کے ورثا میں تقسیم ہوں گے، اس رقم کو 14 برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، جس میں سے ایک ایک حصہ یعنی 132142 ہر بہن کو، اور 264285 ہر بھائی کو ملیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ ﴾

[النساء: ۱۱]

”اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے، کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

والدین، ایک حقیقی بھائی اور سوتیلے بہن بھائیوں کی وراثت:

سوال ایک میت ہے، اس کے ماں باپ ہیں اور ایک بھائی ہے حقیقی اور باقی اس کے بہن بھائی باپ کی طرف سے ہیں، حقیقی نہیں ہیں۔ کس کس کو کتنا حصہ ملے گا؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

قرآن حکیم میں ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴾ [النساء: ١١]

''اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انھیں مال متروکہ کا دو تہائی ملے گا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے، اگر اس (میت) کی اولاد ہو، اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے، ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیت (کی تکمیل) کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد، تمھارے باپ ہوں یا تمھارے بیٹے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تمھیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمھیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے، یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے۔''

اس سے پتا چلا اگر میت کی اولاد نہ ہو تو والدین وارث ہوتے ہیں۔ ماں باپ جب وارث ہوں گے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ اس کے متعدد بہن بھائی نہیں ہیں۔ ماں کو تیسرا حصہ ملے گا اور باقی دو حصے باپ کو ملیں گے۔ اگر اس کے متعدد بہن بھائی ہیں۔ پھر ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ بہن بھائیوں کو تو کچھ نہیں ملے گا۔ البتہ بہن بھائیوں کی موجودگی میں ماں کا چھٹا حصہ ہو جائے گا۔ اور باقی پانچ حصے باپ کے ہیں۔ حقیقی بھائی بھی محروم ہے۔ اور جو بہن بھائی باپ کی طرف سے ہیں وہ بھی محروم ہیں۔ ان کو اس میت کی جائیداد سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اور یہ اتنا کریں گے کہ ماں کے حصے کو کچھ کم کر دیں گے۔ باپ کا حصہ زیادہ ہو جائے گا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو ماں کو تیسرا حصہ ملتا۔ اس صورتِ مسئولہ میں۔ اس کی اولاد تو نہیں ہے۔ بہن بھائیوں کی موجودگی میں ماں کو چھٹا حصہ اور باقی پانچ حصے باپ کے ہیں۔ بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا، یہ محروم ہیں۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

چار بھائیوں اور ایک بہن کی وراثت:

سوال ہم چار بھائی اور ایک بہن ہے۔ دو ایکڑ زرعی زمین ہے، اس کی تقسیم کیسے ہو گی؟ اس کا طریقہ بھی بتا دیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

اس زمین کے نو حصے کر لیے جائیں، دو دو حصے بھائیوں کو مل جائیں گے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک حصہ بہن کو مل جائے گا۔ کیونکہ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ﴾

[النساء:١١]

''اللہ تمھیں اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ دیا جائے۔''

شوہر، ایک بیٹی، دو بیٹوں اور والدین کی وراثت:

سوال بیوی کی چھوڑی ہوئی اشیا جو وراثت بنتی ہیں ان کی تقسیم کا کیا طریقہ کیا ہے؟

ورثاء میں شوہر، ایک بیٹی، دو بیٹے، ماں باپ، ایک بہن اور دو بھائی ہیں۔

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

عورت کا بحیثیت بیوی صرف ایک وارث ہوسکتا ہے اور وہ ہے اس کا شوہر۔ بقیہ سسرال وغیرہ میں سے کوئی اس کا وارث نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ بطور ماں، بہن، بیٹی اس کے مزید ورثاء بھی ہوسکتے ہیں جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں فوت ہونے والی عورت کے کئی ایک اور بھی ورثاء ہیں۔ یہ وراثت حسبِ ذیل تقسیم ہوگی:

شوہر کے لیے چوتھا حصہ، ماں اور باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ، اور بقیہ مال کے پانچ حصے کر کے، ہر بیٹے کو دو، اور بیٹی کو ایک حصہ دیا جائے گا۔ جبکہ اولاد کی موجودگی میں بہن بھائیوں کا حصہ نہیں ہوتا۔ هذا ما عندنا، والله أعلم بالصواب.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آداب

کیا ’’ڈاڑھی کٹوا دو، یا فرنچ کٹ بنوا لو‘‘ کہنا توہین ہے؟

سوال اگر گھر والوں میں سے کوئی کہہ دیتا ہے کہ ڈاڑھی کٹوا دو یا فرنچ کٹ بنوا لو۔ یا کہتے ہیں کہ ڈاڑھی اچھی نہیں لگتی تو پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ الفاظ توہین میں آئیں گے؟ ان الفاظ کی وجہ سے ان پر توہین کی جو حد ہے وہ جاری ہو گی؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

ڈاڑھی مونڈنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں نبی ﷺ کے حکم کی مخالفت ہے۔

آپ ﷺ نے ڈاڑھی کو معاف کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، وَفِّرُوا اللُّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»

(بخاري: 5892، مسلم : 259)

’’مشرکین کی مخالفت کرو، ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ۔‘‘

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللُّحَى، خَالِفُوا الْمَجُوسَ»

(مسلم: 260)

’’مونچھیں کاٹو اور ڈاڑھیاں دراز کرو، مجوسیوں کی مخالفت کرو۔‘‘

اس سے مزید یہ معلوم ہوا کہ ڈاڑھی منڈوانا مشرکین، اہل کتاب اور مجوسیوں کے ساتھ مشابہت بھی ہے، اور حدیث میں ہے:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» (ابو داؤد: 3104)

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، تو وہ انھیں میں سے ہے۔''

اسی طرح ڈاڑھی منڈوانے سے خواتین کی مشابہت بھی لازم آتی ہے۔ اس سے بھی شریعت میں منع کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ، وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ» (صحيح البخاري: 5885)

''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں۔''

کسی حجام اور نائی کے لیے بھی ڈاڑھی مونڈنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں گناہ کے کاموں میں تعاون ہے اور اللہ تعالیٰ نے گناہ کے کاموں میں تعاون کرنا حرام قرار دیا اور فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [المائدة: ٢]

''گناہ اور زیادتی کے کاموں میں باہمی تعاون مت کرو۔''

لہٰذا مردوں کے سر کے بال کاٹنے کے لیے حجامت کا پیشہ اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ڈاڑھی مونڈنا جائز نہیں اور اس کی اجرت اور کمائی بھی درست نہیں۔

صورتِ مسؤلہ میں اگر گھر والے کہتے ہیں ڈاڑھی کٹوا دو اور یہ تمھیں صحیح نہیں لگتی تو یہ ایک اسلامی فریضے اور دینی شعار اور امتیاز کی توہین و تحقیر ہے، جس کی حسبِ صورت سزا و تادیب تو اربابِ اقتدار کا کام ہے، لیکن اس سوچ و فکر اور بات سے فوری رجوع کر کے توبہ کرنی چاہیے، ورنہ اس قسم کے کبیرہ گناہ انسان کو کفر تک

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

لے جاتے ہیں۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

مرد کا بالوں کو پونی ڈالنا:

سوال سخت گرمی کے ایام میں کیا مرد اپنے بالوں کو، سکون حاصل کرنے کے لیے پونی ڈال سکتا ہے؟ اگر نہیں تو صرف گھر میں رہتے ہوئے اس کی اجازت ہے کہ نہیں؟ رہنمائی فرما دیں۔

جواب الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

شریعتِ اسلامیہ میں مردوں کا عورتوں سے اور عورتوں کا مردوں سے مشابہت کرنا حرام ہے، بلکہ اس کی سخت وعید آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ، وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ" (صحیح البخاری: 5885)

"رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں۔"

سائل نے بالوں کو سنوارنے کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا ہے، تو اس بارے میں چند ایک باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں۔

بالوں کو رکھنا شرعی مسئلہ نہیں بلکہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ انسان بال رکھے گا تو اسے ثواب ملے گا، اگر نہ رکھے تو اسے ثواب نہیں ملے گا۔ بالفاظِ دیگر یہ سنت العادۃ ہے، سنت العبادۃ نہیں ہے۔

البتہ اگر کوئی انسان بال رکھتا ہے تو اس کے متعلق رسول مکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان بالوں کی تکریم کرے۔ تکریم سے مراد یہ ہے کہ ان میں کنگھی کرے، تیل لگائے، سنوارے، پراگندگی سے بچائے اور بکھرنے سے محفوظ رکھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ» (سنن أبي داوٗد: 4163)

”جس نے بال رکھے ہوئے ہیں وہ بالوں کی تکریم کرے۔“

رسول اللہ ﷺ کے بال کانوں کی لو تک ہوا کرتے تھے۔ اگر زیادہ بھی ہوتے تو وہ کندھوں تک پہنچ جاتے۔ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

”كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَوْقَ الْوَفْرَةِ، وَدُونَ الْجُمَّةِ“

(سنن أبي داود: 4187)

”رسول اللہ ﷺ کے بال وفرۃ (سر کے بال جب کانوں کی لو تک آئیں) سے زائد، اور جمۃ (جب کندھوں تک پہنچیں) سے کم تھے۔“

سیدنا انس بن مالک بیان کرتے ہیں:

كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ“

(سنن أبي داود: 4186)

”رسول اللہ ﷺ کے بال آپ کے کانوں کے درمیان تک آتے تھے۔“

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى مَكَّةَ وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرَ تَعْنِي عَقَائِصَ

(سنن أبي داود: 4191، صححه الألباني)

”نبی کریم ﷺ مکہ تشریف لائے تو ان کے بالوں کی چار لٹیں تھیں۔“

آپ ﷺ کے بال جب لمبے ہو جاتے تھے تو آپ ان بالوں کو سمیٹنے کے لیے تلبید (گوند وغیرہ لگانا) کر کے جما دیتے، جس طرح ہمارے ہاں منہدی لگا کر بالوں کو جما لیا جاتا ہے تاکہ بال پراگندہ نہ ہوں بلکہ جمے رہیں۔ زیادہ بال بڑھ جاتے تو وہ مینڈھیوں کی شکل اختیار کر لیتے یعنی آپ مینڈھیاں شوق سے نہیں بناتے تھے، بلکہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دوران سفر بالوں کو سنبھالنے میں دقت پیش آ جاتی یا بال بڑھ جاتے تو خود بخود ہی مینڈھیاں بن جاتی تھیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ایسا سفر کی حالت میں ہوا تھا جبکہ بالوں کی دیکھ بھال اور ان کو درست کیے زیادہ وقت گزر گیا تھا۔'' (فتح الباري: 360/10)

امام ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَكَانَ شَعْرُهُ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُونَ الْوَفْرَةِ، وَكَانَتْ جُمَّتُهُ تَضْرِبُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ، وَإِذَا طَالَ جَعَلَهُ غَدَائِرَ أَرْبَعًا، كَمَا قَالَتْ أُمّ هَانِيء'' (زاد المعاد: 170/1)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال جب کندھوں تک ہوتے تو آپ اس کی چار لٹیں بنا لیتے تھے، جیسا کہ امِ ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے۔''

بالوں کو سنبھالنے کے حوالے سے ہمیں یہ واضح ہدایات ملتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں کو سنوارتے، وقتاً فوقتاً کنگھی کرتے، تیل لگاتے۔ اور بالوں کو جما لیتے تھے اور پگڑی استعمال کرتے تھے۔ اگر بال اتنے لمبے ہوں جتنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے تو کنگھی کر کے اور پگڑی وغیرہ پہن کر سنبھالے جا سکتے ہیں۔

رہا یہ پونی وغیرہ کا مسئلہ تو یہ انتہائی محلِ نظر ہے۔ ہمارے ہاں اوباش، آوارہ مزاج، بازاری لوگ اس لیے پونی استعمال کرتے ہیں کہ عورتوں سے مشابہت ہو جائے۔ بالوں کو سنبھالنا تو خواہ مخواہ کا بہانہ ہے۔ ایسے ہی کبھی کانوں میں بالیاں ڈال لیتے ہیں اور کبھی بازوں میں کڑے وغیرہ ڈال لیتے ہیں۔ نوجوانوں کو چاہیے کہ اپنی وضع قطع شریعت کے مطابق رکھیں، انگریزوں، کافروں اور غیر مسلموں کی مشابہت سے بچیں۔ واللہ أعلم بالصواب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بچیوں کا مردوں سے پیار لینا:

سوال مفتیانِ کرام حفظکم اللہ! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ گھروں میں بچیاں پیار لینے کے لیے اپنے بڑوں کے سامنے سر جھکاتی ہیں تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

محبت بھرے جذبات سے خیر و برکت کی دعائیں دیتے ہوئے بزرگوں کا بچوں اور بچیوں کے سر پر ہاتھ پھیرنے کو ہمارے معاشرے میں پیار کہا جاتا ہے۔ دینِ اسلام نے اسے مشروع قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میری خالہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں، انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا یہ بھانجا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ (صحيح البخاري: 190، 3541، 5670، 6352) امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک جگہ اس حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے: بچوں کے لیے خیر و برکت کی دعا کرتے ہوئے ان کے سر پر ہاتھ پھیرنا۔ (76/8 كتاب الدعوات، باب الدعاء للصبيان بالبركة، ومسح رؤسهم)

زیرِ بحث مسئلے میں شرعی اعتبار سے تین باتیں قابلِ غور ہیں:

- پیار دیتے ہوئے ہاتھ سر پر پھیرنا۔
- پیار لینے کے لیے کھڑے ہونا۔
- پیار لینے کے لیے سر جھکانا۔

پہلے مسئلے کی متعدد صورتیں ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

- بزرگ مرد محرم ہو تو اس کا اپنے سے چھوٹوں کو پیار دینا خواہ وہ بالغ ہی کیوں نہ ہوں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ بزرگ عورت محرمات سے ہے۔ اس کا اپنے سے عمر میں چھوٹوں کو پیار دینا خواہ وہ حدِ بلوغ کو پہنچ چکے ہوں۔

❁ بزرگ مرد غیر محرم یا عورت غیر محرمہ کا نابالغ بچوں اور بچیوں کو پیار دینا۔

ان تین صورتوں کے جواز میں دو آرا نہیں ہوسکتیں۔ البتہ درج ذیل دو صورتوں میں اختلاف ہے:

❁ بزرگ مرد غیر محرم ہو، وہ اپنی رشتہ دار بالغ بچیوں کے سر پر ہاتھ پھیرے۔

❁ بزرگ عورت غیر محرمات سے ہو اور وہ اپنے رشتہ دار بالغ بچوں کو پیار دے۔

ان آخری دونوں صورتوں کے متعلق علماء کے دو موقف سامنے آئے ہیں:

(الف) ایسا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں۔

(ب) ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ شریعت نے اس سے منع نہیں کیا۔

فریقین کے دلائل پیش کرنے کے بعد آخر میں ہم اپنا موقف بیان کریں گے۔

جو حضرات اسے ناجائز قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ آپ نے کبھی کسی بالغ بچی کے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا، حالانکہ آپ تمام لوگوں میں زیادہ پرہیزگار اور اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ نیز وہ امت کے لیے روحانی باپ کی حیثیت رکھتے تھے، بلکہ بعض مواقع پر آپ نے ایسے ارشادات فرمائے ہیں جن کے عموم سے پتا چلتا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً:

عورتوں سے بیعت لیتے وقت بعض خواتین کی طرف سے خواہش کا اظہار ہوا کہ یا رسول اللہ! آپ ہم سے مصافحہ کیوں نہیں کرتے؟ تو آپ نے فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ (مسند أحمد: 27009) جب بیعت کے وقت رسول اللہ ﷺ کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے نہیں لگا تو عام آدمی کے لیے عورتوں کے سر پر ہاتھ پھیرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو چھوا تک نہیں۔ (صحیح البخاري: 4891)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خیرالبشر ہیں اور قیامت کے دن اولادِ آدم کے سردار ہوں گے، ان کے مبارک ہاتھوں نے کسی عورت کے ہاتھ کو چھوا تک نہیں، تو دوسرے غیر محرم مردوں کے لیے کس طرح اجنبی عورتوں کے سر پر ہاتھ پھیرنا جائز ہوسکتا ہے؟

جو عورت مرد کے لیے حلال نہیں ہے اسے ہاتھ لگانا بہت سنگین جرم ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آدمی کے سر میں نوک دار لوہے سے سوراخ کر دیا جائے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کو ہاتھ لگائے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ (مسند الروياني: 1283، المعجم الكبير للطبراني: 487-486، الصحيحة للألباني: 226)

اس حدیث کی رو سے بھی اجنبی عورت کو ہاتھ لگانے کی حرمت ثابت ہوتی ہے، البتہ کسی ناگہانی ضرورت کے پیشِ نظر عورت کو ہاتھ لگانے میں چنداں حرج نہیں۔ مثلاً بیماری کی حالت میں ڈاکٹر یا طبیب کا نبض دیکھنا یا مکان کو آگ لگنے کی صورت میں اسے پکڑ کر مکان سے باہر نکالنا، لیکن پیار دیتے وقت اس کے سر کو ہاتھ لگانا کوئی حقیقی ضرورت نہیں۔

جو حضرات بزرگوں کے لیے اجنبی عورت کو پیار دینے کے متعلق نرم گوشہ رکھتے ہیں، ان کے پاس کوئی نقلی دلیل نہیں ہے البتہ وہ عقلی اعتبار سے کہتے ہیں کہ یہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے جو معاشرے کے رسم و رواج سے تعلق رکھتا ہے، چونکہ شریعت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اس سے منع نہیں فرمایا، اس لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ پھر ایسا کرنے سے تبلیغ وغیرہ کا بھی موقع ملتا ہے کہ اگر بچی ننگے سر ہو تو اسے سمجھایا جا سکتا ہے۔ شریعت نے معاشرے میں رائج، معروف، کو بہت حیثیت دی ہے، اس لیے اسے جائز ہونا چاہیے۔ پھر ایسے موقع پر کسی قسم کے منفی جذبات ابھرنے کا امکان بھی نہیں ہوتا جن کے پیشِ نظر اسے ممنوع قرار دیا جا سکے۔ اگر ایسا اندیشہ ہو تو اس کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ والی حدیث کا تعلق ایسے حالات سے ہے جب ہاتھ لگانے والا دل کا کوڑھا اور نیت میں فتور رکھتا ہو۔

یہ تو تھے فریقین کے دلائل، ہمارا رجحان یہ ہے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے پیشِ نظر اس سے اجتناب کیا جانا چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عمر رسیدہ عورت کو پردہ کے سلسلے میں کچھ نرمی دی ہے، لیکن اس کے باوجود فرمایا ہے کہ اگر وہ اس نرمی کو استعمال کرنے سے پرہیز کریں تو یہی بات ان کے حق میں بہتر ہے۔ (النور: 60)

البتہ مجوزین حضرات کے موقف کو بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا اگر کوئی برخوردار عمر رسیدہ خاتون کے سامنے سر جھکا دے یا کوئی بچی اپنے کسی بزرگ کے سامنے پیار لینے کے لیے اپنا سر آگے کر دے تو ان کی حوصلہ شکنی نہیں کرنی چاہیے، لیکن انھیں صحیح مسئلے سے ضرور آگاہ کر دیا جائے۔ البتہ ہمارے بعض خاندانوں میں ایسے موقع پر گلے ملنے کا رواج ہے، اس کی کسی صورت میں اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اسی طرح سر پر ہاتھ پھیرتے وقت اگر کسی قسم کی شہوانیت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو بھی اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

❁ پیار لینے کے لیے کھڑے ہونا۔

یاد رہے کہ قیام کی تین صورتیں ہیں، ایک جائز ہے اور دو ناجائز ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک ہے ''قیام الیہ''۔جس کو ہم استقبال کہتے ہیں۔یعنی کسی کی طرف چل کر جانا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب بنو قریظہ کے فیصلے کے لیے آئے تو آپ نے فرمایا تھا: ''قُوْمُوْا إِلَى سَيِّدِكُمْ'' اپنے سردار کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔
(صحيح البخاري: 3043)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک دوسرے کا آگے بڑھ کر استقبال کیا کرتے تھے۔(سنن أبي داود: 5217)

اور جو ''قیام لہ'' ہے، یعنی کسی کے ادب و احترام کے لیے اپنی جگہ سے کھڑا ہونا، تو یہ منع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَتَمَثَّلَ النَّاسُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»
(أبو داود: 5229، ترمذي: 2755، الصحيحة: 357)

''جو یہ پسند کرے کہ لوگ اس کے لیے دست بستہ کھڑے ہوں تو اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہیے۔''

اور ایک ہے ''قیام علیہ'' کہ آدمی بیٹھا ہو اور لوگ اس کے اردگرد دست بستہ کھڑے ہوں۔ یہ بالکل حرام اور عجمیوں کا طریقہ ہے۔اس قسم کا ادب و احترام صرف اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔

بچے بچیاں پیار لینے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ہمارے خیال کے مطابق یہ پہلی قسم سے ہے جو جائز ہے۔

❀ پیار لینے کے لیے سر جھکانا۔

ملاقات کے وقت جھکنے سے حدیث میں ممانعت وارد ہے۔ (ترمذي: 2728، الصحيحة: 160) لہٰذا پیار لینے یا ویسے ہی ملنے کے لیے جھکنا جائز نہیں، البتہ اگر پیار دینے والا بیٹھا ہو، یا ویسے ہی قد و قامت میں چھوٹا ہو، تو اس کی آسانی کے لیے جھکا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جا سکتا ہے، کیونکہ یہاں جھکنا اصل مقصود و مطلوب نہیں ہے۔

سوتیلی بیٹی کے شوہر سے پردہ کرنا:

سوال ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا تو اس نے دوسری شادی کی۔ اس دوسرے خاوند کی بیٹی کے شوہر سے وہ پردہ کرے گی یا نہیں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

یہ اس کے لیے نامحرم ہے، لہٰذا پردہ کرنا ضروری ہے۔

ٹوپی کی جگہ کیپ پہننا جائز ہے؟

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ٹوپی کی جگہ کیپ پہننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

جس کو ہم اردو زبان میں ٹوپی کہتے ہیں، (جو دھاگے یا اون وغیرہ سے بنی ہوتی ہے) انگلش میں اسی کو کیپ کہا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں عرف عام میں ٹوپی اس کو کہتے ہیں جو طلباء یا علماء پہنتے ہیں اور کیپ اس کو کہا جاتا ہے جو فوجی یا سپورٹس مین پہنتے ہیں۔ بہرصورت ٹوپی ہو یا کیپ؛ ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اِلا کہ کوئی خاص قسم کی ٹوپی یا کیپ غیر مسلموں یا بدکردار لوگوں کی پہچان ہو تو اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ هذا ما عندنا والله أعلم بالصواب

کیا عورت پر ساس کی خدمت کرنا فرض ہے؟

سوال مفتیانِ کرام سے سوال ہے کہ عورت پر خاوند کے والدین کی خدمت کرنا فرض ہے؟ یا اس کا شرعی یا اخلاقی کیا حکم ہے؟ اور کیا میں شوہر سے الگ رہائش کا مطالبہ کرسکتی ہوں؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ پر ساس اور سسر کی خدمت کرنا واجب تو نہیں، لیکن اگر آپ ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور احسان کے ساتھ پیش آئیں تو یہ آپ کے لیے بہتر ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے بدلے میں اجرِ عظیم تو ملے گا ہی، اپنے خاوند اور سسرال کے سامنے دنیا میں بھی مقام حاصل کر لیں گی۔

اور مستقل رہائش کے بارے میں گزارش ہے کہ آپ کے خاوند پر واجب ہے کہ وہ آپ کے لیے ایسی رہائش کا انتظام کرے جس میں آپ مستقل طور پر رہ سکیں۔ لیکن اگر موجودہ گھر بڑا اور وسیع ہے، جس میں سب رہ سکتے ہوں تو والدین کے ساتھ رہنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ واللہ أعلم بالصواب.

افنان نام رکھنا درست ہے؟

سوال ''افنان'' نام رکھنا کیسا ہے، نیز اگر نام رکھ لیا جائے تو اس کا کیا معنی ہے؟

جواب الحمد للّٰہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبي بعدہ، أما بعد!

- نام رکھنے میں بہت توسع اور گنجایش ہے، لہٰذا ہر وہ نام رکھا جا سکتا ہے جس میں شرعاً کوئی قباحت نہ ہو۔ ناپسندیدہ ناموں کے شریعت نے چند ضابطے دیے ہیں، ان سے اجتناب کرتے ہوئے کوئی بھی نام رکھا جاسکتا ہے۔ افنان نام رکھنے میں کسی ضابطے کی خلاف ورزی معلوم نہیں ہوتی لہٰذا یہ نام بلاشبہہ درست ہے۔
- جہاں تک اس لفظ کی لغوی تحقیق اور پس منظر کا تعلق ہے، تو معتبر لغت القاموس المحیط میں مرقوم ہے: ''والفنن، محرکۃ: الغضن، ج : أفنان''

یعنی ''أَفْنَان'' لفظ ''فَنَنٌ'' کی جمع ہے۔ درخت کی شاخ اور ٹہنی کو عربی زبان میں ''فَنَن'' کہتے ہیں۔ گویا اَفنان کا معنی ہے: ٹہنیاں، شاخیں۔

- اسی مفہوم میں یہ لفظ قرآن مجید میں بھی مستعمل ہے۔ جنت کے باغات کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تذکرہ کرتے ہوئے سورہ رحمان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ﴿٤٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٧﴾ ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ﴾ [الرحمٰن: ٤٦۔٤٨]

''اور اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، دو جنتیں ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (دونوں جنتیں) بہت سی ٹہنیوں اور شاخوں والی ہیں۔''

① مفسرین کے نزدیک شاخوں سے مراد لمبی ٹہنیاں اور بھر پور شاخیں ہیں کہ ہر شاخ پھلوں سے لدی ہوئی ہو۔

سنن ترمذی میں سدرۃ المنتہیٰ کے تذکرے میں بسند ضعیف مروی ہے:

"يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّ الْفَنَنِ مِنْهَا مِائَةَ سَنَةٍ" (ترمذي: 2541)

''اس کی شاخوں کے سائے میں سوار سو سال تک چلے گا۔''

② بعض مفسرین کے نزدیک سیدھی، شاخ کو فَنَن کہا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک ایک دوسری سے پیوست شاخوں کو اَفنان، کہا گیا ہے۔ بعض نے اس سے شاخوں کے گھنے، خوب صورت سائے مراد لیے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد شاخوں کے مختلف رنگ ہیں، یعنی ہر شاخ کا ایک اپنا ہی نرالا رنگ ہو گا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد متنوع لذتیں ہیں، یعنی ایک ہی درخت کی شاخوں پر لگے پھل کے ذائقے الگ الگ اور متنوع ہوں گے۔

ہمارے رجحان کے مطابق یہ سب شاخوں کی صفات ہیں اور جنت کے درختوں میں یہ سب صفات مجتمع ہوں گی۔

⊙ بچے کا نام افنان رکھتے ہوئے ہم تفاؤلاً درج ذیل اچھی امیدیں رکھ سکتے ہیں کہ یہ بچہ مختلف شاخوں والا ہو، یعنی اس کی نسل آگے بڑھے۔ شاخوں پر جیسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھل لگے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس بچے سے امت کو مستفید فرمائے۔ سیدھی شاخوں کی طرح اللہ تعالیٰ اسے صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ اسی طرح فَنَن میں تنوع کا مفہوم بھی مضمر ہے، اللہ تعالیٰ اسے متنوع اچھی صفات کا حامل بنائے۔ شاخوں کے سائے کی طرح اللہ تعالیٰ اس بچے کو امت کے لیے نفع مند بنائے، لوگ اس سے راحت اور ٹھنڈک پائیں۔ شاخوں میں بلندی کا عنصر بھی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رفعت عطا فرمائے۔ شاخیں قدرتی حسن و جمال کی آئینہ دار ہوتی ہیں، رب کریم اسے بھی ظاہری و باطنی حسن و جمال عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

"اَلْمُعِزُ" یا "مُعِزْ" نام رکھنا:

سوال "المُعِز" یا "مُعِز" بغیر اضافتِ عبد کے نام رکھنا کیسا ہے؟

جواب الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده!

"المُعِز" کو کئی ایک اہلِ علم نے اللہ رب العالمین کے اسمائے حسنیٰ میں شمار کیا ہے۔" (معتقد أهل السنة لمحمد خليفه، ص:215)

اس کا معنی ہے عزت دینے والا۔ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ﴾ [آل عمران: ٢٦]

"اللہ! تو جس کو چاہتا ہے، عزت دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔"

البتہ یہ ان اسمائے حسنیٰ میں سے ہے جنھیں مجازی طور پر اللہ کے بندوں کے لیے بھی بولا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کا نان عبدالمُعِز رکھیں گے، تو یہاں "المُعِز" اپنے حقیقی معنی میں ہوگا۔ یعنی عزت دینے والی ذات، اللہ رب العالمین کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بندہ۔ اور اگر صرف ''مُعِز'' نام رکھا جائے تو پھر اس کا حقیقی نہیں، بلکہ مجازی معنی مراد ہو گا۔ یعنی ایسا شخص جو دوسروں کی عزت و اکرام کرنے والا، یا ان کے لیے عزت و تکریم کا ذریعہ بننے والا ہے۔

یہاں سے مشہورِ زمانہ غلط فہمی بھی دور کر لینی چاہیے کہ کھانے کی ایک قسم حلیم کو بعض لوگ تکلفاً ''دلیم'' یا ''لحیم'' کہتے ہیں، کیونکہ ''الحلیم'' اللہ کا نام ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ حلیم، کریم، رشید، حکیم وغیرہ جب کسی مخلوق کے لیے بولے جاتے ہیں تو اس سے مراد اللہ رب العالمین کی ذات ہوتی ہی نہیں۔ لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔ مشہور صحابی رسول ﷺ کا نام بھی حکیم بن حزام تھا، حالانکہ الحکیم بالاتفاق اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

www.kitabosunnat.com

المکتبۃ الرحمانیۃ
99۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
....35083.....نمبر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یادداشت

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

....

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

زیرِ نظر مجموعہ فتاویٰ علم و تحقیق کا آئینہ دار اور بلند پایہ علمی شاہکار ہے جو عصرِ حاضر کے اکابر علماء و فقہاء کی اجتماعی تحقیقی کاوش کا مظہر ہے جس میں مختلف موضوعات پر 150 کے قریب فتاویٰ پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان فتاویٰ کی ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ یہ فردِ واحد کے بجائے اکابر علماء کی مشترکہ بحث و تحقیق کا ثمرہ ہے اور دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر عصرِ حاضر کے جدید مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے جو آج کے حالات میں ایک بڑی ضرورت ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس علمی کاوش میں شریک تمام اصحابِ علم و فضل کو جزائے خیر عطا فرمائے اور انھیں ہمیشہ صحت و عافیت کے ساتھ مزید توفیق سے نوازے۔

یہاں میں اپنے والدِ گرامی حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کا ذکرِ خیر بھی کرنا چاہتا ہوں جن کی بڑی خواہش تھی کہ علمائے حدیث کا ایک اجتماعی فورم ہو جس میں امت کو پیش آمدہ مسائل پر بحث و تحقیق کی جائے اور ہر اہم مسئلے پر راجح موقف بروقت عوام میں پیش کیا جائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ملک بھر کے علماء و فضلاء کو بلا کر مشاورت کی اور اس کے لیے وہ عملی قدم بھی اٹھا رہے تھے کہ ان کا سانحۂ شہادت پیش آگیا اور ان کی یہ علمی آرزو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکی۔ مگر اب بفضلہٖ تعالیٰ "لجنۃ العلماء" کی صورت میں ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا ہے اور آج ہم اس سلسلے کا پہلا مجموعہ قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کی علمی و دینی خواہشوں کی تکمیل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

حافظ ہشام الٰہی ظہیر

Designed By: عبدالواسع 0307-4122161

استاکسٹ اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

مکتبہ بیت السلام

غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

www.bait-us-salam.com bait.us.salam1@gmail.com

facebook.com/baitussalambookstore

0308-4016666